مشکل و پیچیدہ احادیث طیبہ کی تشریح پر مشتمل کتاب

مشکلات الحدیث

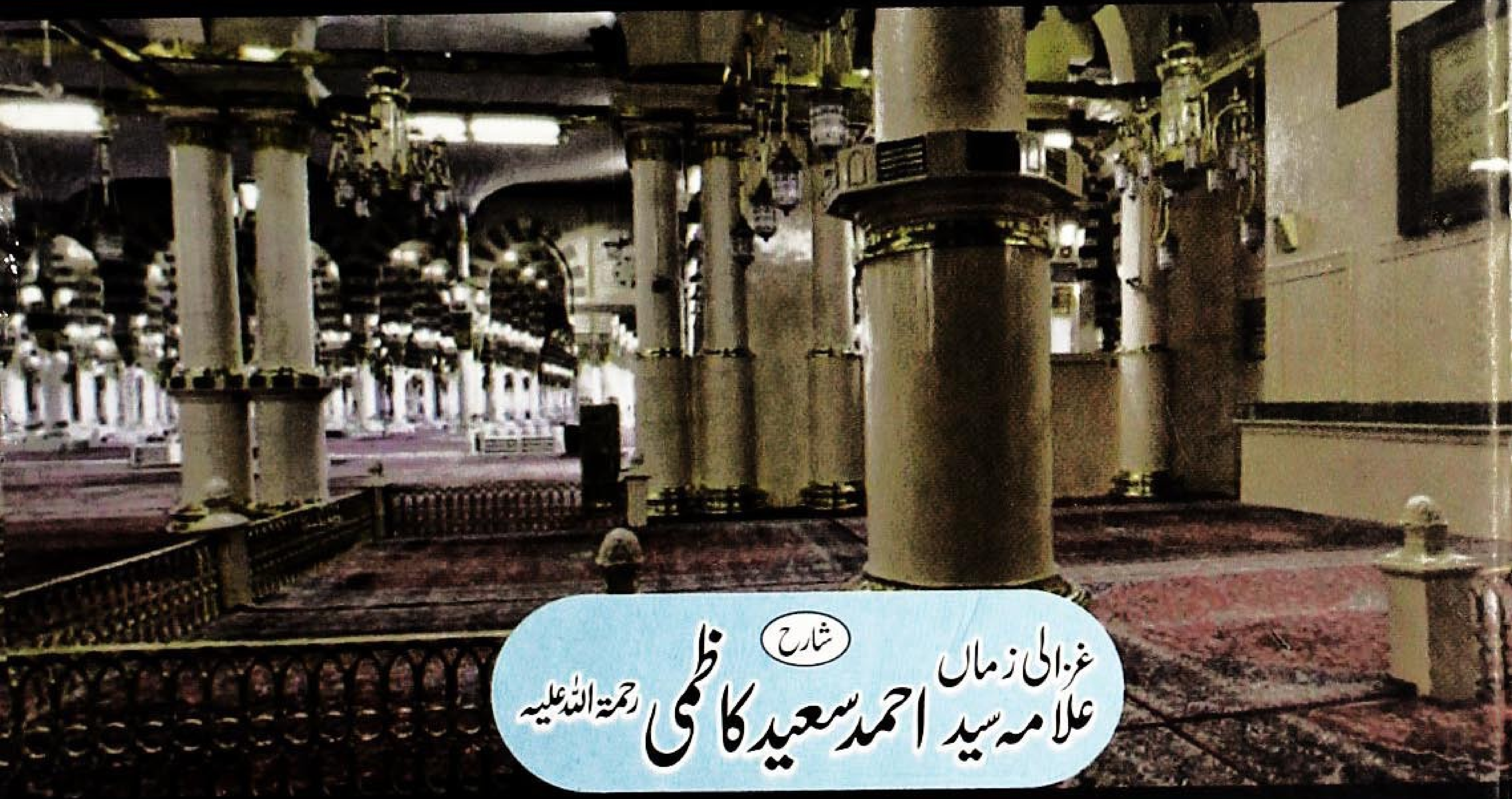

شارح

غزالی زماں

علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

ابو کلیم محمد صدیق فانی

تحقیق و تخریج

خلیل احمد رانا

ورلڈ ویو پبلشرز

Marfat.com
Marfat.com

Marfat.com

مشکل و پیچیدہ احادیث طیبہ کی تشریح پر مشتمل کتاب

بنام

مشکلات الحدیث

شارح

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

ابو کلیم محمد صدیق فانی

تحقیق و تخریج

خلیل احمد رانا

ورلڈ ویو پبلشرز

اردو بازار، لاہور

Marfat.com

155844

12519

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام	:	مشکلات الحدیث
شارح	:	غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ
ترتیب	:	ابو کلیم محمد صدیق فانی
تکمیل وتخریج	:	خلیل احمد رانا
پہلا ایڈیشن	:	فروری، ۲۰۲۰ء/ جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ
تعداد	:	500
مطبع	:	ورلڈ ویو پبلشرز
ناشر	:	مقصود احمد کامران (0333-3585426)

ورلڈ ویو پبلشرز

ورلڈ ویو پبلشرز دکان نمبر ۱۱، الحمد مارکیٹ فرسٹ فلور غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

0333-3585426 042-37236426

worldviewforum786@gmail.com

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	حدیث نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۱	سخنان چند	علامہ کاظمی علیہ الرحمہ کی حاضر جوابی	۵
۲	سند حدیث علامہ کاظمی	علامہ کاظمی تا امام بخاری	۱۹
۳	تعارف مرتب	فانی خوش نویس	
۴	حدیث نمبر ۱	اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے	۴۶
۵	حدیث نمبر ۲	پنجتن پاک	۵۳
۶	حدیث نمبر ۳	حدیث قسطنطنیہ	۵۵
۷	حدیث نمبر ۴	وسیلہ	۵۹
۸	حدیث نمبر ۵	علم ما کان و ما یکون	۶۳
۹	حدیث نمبر ۶	ایمان دار کون؟	۶۷
۱۰	حدیث نمبر ۷	کمال عبدیت	۷۳
۱۱	حدیث نمبر ۸	کیا نبی کا ہر قول وحی ہے؟	۷۷
۱۲	حدیث نمبر ۹	عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ	۸۲
۱۳	حدیث نمبر ۱۰	حدیثِ حوض	۹۷
۱۴	حدیث نمبر ۱۱	نگہبانِ اُمت بعد از وصال	۱۰۱
۱۵	حدیث نمبر ۱۲	بیداری میں زیارت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	۱۰۷
۱۶	حدیث نمبر ۱۳	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے قاسم ہیں	۱۲۶
۱۷	حدیث نمبر ۱۴	وسیلہ بعد از وصال	۱۲۹
۱۸	حدیث نمبر ۱۵	اللہ عزوجل نے مشورہ طلب فرمایا	۱۴۲
۱۹	حدیث نمبر ۱۶	لا الٰہ الا اللہ کی گواہی، ضمانت جنت	۱۵۴
۲۰	حدیث نمبر ۱۷	زمین پر اللہ کے گواہ	۱۶۴
۲۱	حدیث نمبر ۱۸	ولی سے عداوت، اللہ تعالیٰ کا اعلان جنگ	۱۶۷

Marfat.com

۲۲	حدیث نمبر ۱۹	حدیث ربیعہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاسم جنت	۱۷۶
۲۳	حدیث نمبر ۲۰	سوادِ اعظم کی پیروی	۱۸۰
۲۴	حدیث نمبر ۲۱	تورات شریف میں صفتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۸۷
۲۵	حدیث نمبر ۲۲	سوتے میں بیداری، مشاہدہ غیب	۱۹۱
۲۶	حدیث نمبر ۲۳	شانِ مومن	۱۹۵
۲۷	حدیث نمبر ۲۴	علمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۹۸
۲۸	حدیث نمبر ۲۵	حدیث تابیر نخل، کھجوروں کی پیوند کاری	۲۰۰
۲۹	حدیث نمبر ۲۶	باغ فدک	۲۰۵
۳۰	حدیث نمبر ۲۷	حدیث قرطاس	۲۰۹
۳۱	حدیث نمبر ۲۸	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کب ملی؟	۲۱۴
۳۲	حدیث نمبر ۲۹	حدیثِ نور	۲۱۹
۳۳	حدیث نمبر ۳۰	ظل کا معنی	۲۲۹
۳۴	حدیث نمبر ۳۱	سایۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۴۲
۳۵	حدیث نمبر ۳۲	حدیث آٹھ تراویح	۲۵۳
۳۶	حدیث نمبر ۳۳	خوفِ الٰہی	۲۵۶
۳۷	حدیث نمبر ۳۴	شہید کو قتل کی تکلیف	۲۶۱
۳۸	حدیث نمبر ۳۵	بیس تراویح	۲۶۵
۳۹	حدیث نمبر ۳۶	دنیا کی محبت اور کراہت موت	۲۶۷
۴۰	حدیث نمبر ۳۷	حدیثوں میں اختلاف اور رائے کی اہمیت	۲۷۱
۴۱	حدیث نمبر ۳۸	حدیثِ افک، اُم المومنین کی پاکدامنی	۲۷۴
۴۲	حدیث نمبر ۳۹	ابلاغِ دُرود	۲۸۰
۴۳	حدیث نمبر ۴۰	سماعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۹۰

Marfat.com

مشکل و پیچیدہ احادیث طیبہ کی تشریح پر مشتمل کتاب

مشکلات الحدیث

شارح

غزالی زماں
علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب
ابو کلیم محمد صدیق فانی

تحقیق و تخریج
خلیل احمد رانا

ورلڈ ویو پبلشرز

Marfat.com
Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ وسلم

سخنانِ چند

حاضر جوابی کے سلسلہ میں زندگی میں کئی ایک واقعات نظر سے گذرے، مولوی سید آفتاب حسین میرٹھی کا ایک واقعہ نور احمد میرٹھی کی کتاب ''شخصیات میرٹھ'' میں پڑھا تھا کہ ایک مرتبہ مولوی سید آفتاب حسین اپنے ایک دوست اور مشہور شاعر مرتضیٰ حسین بیان میرٹھی سے ملنے گئے، مکان پر پہنچ کر آواز دی، بیان صاحب نے پوچھا کون ہے؟ جواب میں مولوی صاحب نے کہا ''آفتاب''، مرتضیٰ بیان صاحب نے کہا مغرب کے بعد آفتاب کیسا؟ مولوی صاحب نے فرمایا ''مرتضیٰ کے واسطے رجعت کی ہے''۔

حاضر جوابی کے سلسلہ میں بس کچھ ایسا ہی معاملہ حضرت کاظمی کریم علیہ الرحمہ کا دیکھا۔ ایک مرتبہ مدرسہ انوار العلوم ملتان کے سالانہ جلسہ میں دن کی نشست میں حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ مدعو تھے، محدث کچھوچھوی نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے بے تکلفانہ انداز میں فرمایا کہ علامہ کاظمی صاحب نے آج مجھے معراج کے موضوع پر تقریر کرنے کا فرمایا ہے، حالانکہ معراج تو رات کو ہوئی تھی اور علامہ صاحب اس کا بیان دن کو کرا رہے ہیں، حضرت کاظمی علیہ الرحمہ اس وقت سٹیج پر تشریف فرما تھے، آپ نے حضرت محدث صاحب کی بات سن کر فوراً فرمایا! حضرت معراج تو رات کو ہوئی تھی مگر اس کا تذکرہ دن کو ہی ہوا تھا،

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ وسلم

سخنانِ چند

حاضر جوابی کے سلسلہ میں زندگی میں کئی ایک واقعات نظر سے گذرے، مولوی سید آفتاب حسین میرٹھی کا ایک واقعہ نور احمد میرٹھی کی کتاب ''شخصیات میرٹھ'' میں پڑھا تھا کہ ایک مرتبہ مولوی سید آفتاب حسین اپنے ایک دوست اور مشہور شاعر مرتضیٰ حسین بیان میرٹھی سے ملنے گئے، مکان پر پہنچ کر آواز دی، بیان صاحب نے پوچھا کون ہے؟ جواب میں مولوی صاحب نے کہا ''آفتاب''، مرتضیٰ بیان صاحب نے کہا مغرب کے بعد آفتاب کیسا؟ مولوی صاحب نے فرمایا ''مرتضیٰ کے واسطے رجعت کی ہے''۔

حاضر جوابی کے سلسلہ میں بس کچھ ایسا ہی معاملہ حضرت کاظمی کریم علیہ الرحمہ کا دیکھا۔ ایک مرتبہ مدرسہ انوار العلوم ملتان کے سالانہ جلسہ میں دن کی نشست میں حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ مدعو تھے، محدث کچھوچھوی نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے بے تکلفانہ انداز میں فرمایا کہ علامہ کاظمی صاحب نے آج مجھے معراج کے موضوع پر تقریر کرنے کا فرمایا ہے، حالانکہ معراج تو رات کو ہوئی تھی اور علامہ صاحب اس کا بیان دن کو کرا رہے ہیں، حضرت کاظمی علیہ الرحمہ اس وقت سٹیج پر تشریف فرما تھے، آپ نے حضرت محدث صاحب کی بات سن کر فوراً فرمایا! حضرت معراج تو رات کو ہوئی تھی مگر اس کا تذکرہ دن کو ہی ہوا تھا،

Marfat.com
Marfat.com

محدث صاحب آپ کے اس برجستہ جواب پر بہت محظوظ ہوئے اور آپ کو دعائیں دیں۔[۱]

احقر ۱۹۶۳ء میں پہلی بار حضرت ضیغم اسلام علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی محدث ملتانی قدس سرہٗ العزیز (متوفی ۱۹۸۶ء) کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ بے حد منکسر مزاج اور متواضع شخصیت کے مالک تھے، طبیعت میں سوز وگداز تھا، درس حدیث شریف کے وقت اکثر آنکھیں اشکبار رہتی تھیں، حاضر جوابی میں کمال کی ذہانت تھی، آپ کی حاضر جوابی نے احقر کو بہت متاثر کیا۔

۱۹۷۵ء میں رمضان المبارک کے دوسرے جمعۃ المبارک کے موقعہ پر راقم الحروف نے پہلی بار آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی، دوران تقریر کسی صاحب نے ایک چٹ بھیجی کہ آپ لوگ حضور نبی کریم ﷺ کی بہت تعریف کرتے ہیں اور حد سے زیادہ تعریف کرنا اللہ تعالیٰ سے بڑھانا ہے، حضرت کاظمی کریم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بھائی کیا آپ کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حد ہے؟ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ ہم حد سے بڑھا دیتے ہیں؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں وہ تو لامحدود ہے، آپ نے فرمایا کہ بھائی جب اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں تو ہم کیسے بڑھا سکتے ہیں، یہ جواب سن کر وہ صاحب گنگ ہو گئے۔

۲۶ ستمبر ۱۹۸۰ء بروز جمعۃ المبارک جامع مسجد شاہی عیدگاہ ملتان میں راقم الحروف حاضر تھا، دوران تقریر حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمہ سے کسی صاحب نے یہ سوال کیا کہ آپ لوگ حضور نبی کریم ﷺ کی بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں، حالانکہ التحیات میں ہے کہ "اشهد ان محمدا عبده" یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے ہیں، تو بندے کی سی تعریف کرنی چاہئے۔

علامہ کاظمی کریم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بھئی "التحیات میں السلام علیک ایها النبی" بھی تو ہے، اگر حضور ﷺ عام بندے ہیں اور آپ ﷺ میں کوئی تخصیص

---

[۱] ماہنامہ جناب عرض، رحیم یار خاں، شمارہ مارچ ۱۹۹۰ء، ص ۲۶۹

Marfat.com

فضیلت نہیں، تو آپ التحیات میں السلام علیك یافلاں صاحب یا خان صاحب یا چودھری کیوں نہیں کہتے، معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ عبد خاص ہیں، اور ایسے عبد کہ تمام عباد اللہ میں ممتاز ہیں، عبد کے معنی بندہ ہیں، بندہ غلام کو بھی کہتے ہیں جو کسی کی مِلک ہو، تو سب بندے اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں، مسلم ہوں یا غیر مسلم، لیکن ان میں مراتب کا فرق ہے۔ دیکھئے ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں، اور نافرمان ہیں، اور ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن ان سے کچھ غلطیاں اور گناہ سرزد ہو جاتے ہیں، اور ایک ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہر امر کی تعمیل کرتے ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے والا، خدا کے ماننے والے گنہگار بندے کے برابر نہیں، اسی طرح خدا کو ماننے والا گنہگار بھی اللہ تعالیٰ کے ماننے والے کامل و اکمل بندے کے برابر نہیں، میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے عبد ہونے کے یہ معنی نہیں کہ حضور ﷺ ہمارے جیسے بندے ہیں، بلکہ یہ معنی ہیں کہ حضور ﷺ معبود نہیں، الحمد للہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور ﷺ اللہ کے عبد ہیں اور جو عبد نہ وہ تو معبود ہوتا ہے، اور ہم حضور پرنور ﷺ کو عبد مانتے ہیں مگر بقول علامہ اقبال علیہ الرحمہ ۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر
او سراپا انتظار ایں منتظر

ایک مرتبہ حضرت غزالیِ زماں علامہ کاظمی قدس سرہ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگ یہ جو "یا رسول اللہ مدد" کہتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے، اس کے بجائے "یا اللہ مدد" کہنا چاہئے، کیونکہ غیر اللہ سے مدد مانگنا یہ تو اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھنا ہے، کیا اللہ تعالیٰ مدد نہیں کرسکتا؟

حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ حرف "یا" سے اُسے پکارا جاتا ہے جو دُور ہو، یا پھر اُسے مخاطب کیا جاتا ہے جو نزدیک ہو لیکن غیر متوجہ ہو، آپ دیکھئے اللہ تعالیٰ نہ تو دُور ہے اور نہ ہی غیر متوجہ ہے، تو پھر "یا اللہ" کہنے کا کیا مطلب ہوا؟

Marfat.com

پھر آپ نے خود ہی فرمایا! ارے بھائی یااللہ کہنا دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے، اَب ایمان سے کہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کون ہیں؟ ارے اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے آقا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تو ہیں، گویا یااللہ کہنا بھی یارسول اللہ ہی کہنا ہے۔

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں سے مدد مانگنا اگر اللہ تعالیٰ کے عاجز و مجبور ہونے کی دلیل ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی بندوں سے مدد مانگتا ہے، آپ کہیں گے کہ اللہ کا مدد مانگنا کہاں ہے؟ تو میں نہیں کہتا قرآن مجید نے صاف کہا :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے '' ان تنصروا اللہ ینصرکم '' (سورۃ محمد، آیت ۷)

'' ان تنصروا اللہ '' جملہ شرطیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اب اگر کوئی کہے کہ ہم تو اللہ ہی سے مدد مانگیں گے، تو جناب اللہ تعالیٰ نے تو اپنی مدد کرنے کو مشروط کر دیا تمہارے مدد کرنے سے، یعنی تم میری مدد کرو گے تو میں بعد میں تمہاری مدد کروں گا، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جزا شرط کے بعد ہوتی ہے۔

اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کا مطلب و معنی کیا ہے؟ یعنی اس آیت میں اللہ کی مدد کرنے سے کیا مراد ہے؟ آیت کے معنی یہ ہوں گے '' ان تنصروا اللہ ای تنصروا دین اللہ ینصرکم ''، یعنی اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

اَب دیکھئے اللہ اپنے دین کی مدد تم سے کرا رہا ہے، آپ کیوں نہیں کرتا، کیا اللہ تعالیٰ مجبور اور محتاج ہے؟ ارے بھائی یہ تم سے جو مدد کرا رہا ہے یہ اللہ ہی کا مدد کرنا تو ہے، اسی طرح انبیاء و اولیاء کا مدد کرنا وہ اللہ ہی کا مدد کرنا ہی تو ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے مدد کرنے کی طاقت ان کو دی، اللہ تعالیٰ ہی کا تو حکم متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اُن سے متعلق ہے، اگر تمہارا مدد کرنا اللہ کا مدد کرنا ہے تو انبیاء و اولیاء کا مدد کرنا، اللہ کا مدد کرنا ہے۔

ایک مرتبہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں ایک پروفیسر صاحب نے حضرت غزالیٔ

Marfat.com

زماں علیہ الرحمہ سے کہا کہ میں اپنی ایک اُلجھن دُور کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو ماکان و مایکون (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے) کا علم ہے، اس طرح آپ حضور ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی مانتے ہو، کیونکہ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے، یہی علم الٰہی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ قیامت تک ہوگا، اُس سب کا کل علم متناہی ہے، اور اس کا علم حضور ﷺ کو تدریجاً عطا ہوا۔ ماکان و مایکون کا علم ماضی و مستقبل کی سب موجودات کا علم ہی تو ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا علم تو غیر متناہی ہے،، جو کچھ ہو سکتا تھا مگر نہیں ہوا اُس سب کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہے یعنی موجودات کے علاوہ جمیع ممکنات (جو کہ لامتناہی ہیں) کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ کیا لامتناہی (جس کی انتہا نہ ہو) اور متناہی (جس کی انتہا ہو) برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں ہو سکتے تو حضور نبی کریم ﷺ کا متناہی علم، علم الٰہی کے مساوی کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ جواب سن کر پروفیسر صاحب خاموش ہو گئے۔

علامہ سیدی احمد سعید کاظمی امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ کوٹ ادّو ضلع مظفر گڑھ (پنجاب) کے علاقہ میں ایک پروگرام میں تقریر کے لئے تشریف لے گئے، اس جگہ کے رہنے والوں نے حضرت کاظمی علیہ الرحمہ کو بتایا کہ چند روز پہلے یہاں بدعقیدہ لوگوں کا جلسہ ہوا، جس میں ایک مقرر نے اپنی تقریر میں کہا کہ اے لوگو! تم رسول اللہ ﷺ سے مدد اور اعانت کے طلب گار ہوتے ہو، یہ کس قدر بے وقوفی کی بات ہے، دیکھو اماں عائشہ، رسول اللہ کی چہیتی بیوی تھیں، وہ تو ساری عمر ایک بیٹے کے لئے ترستی رہیں، لیکن رسول اللہ انہیں ایک بیٹا نہیں دے سکے، اور تم ان سے مانگتے ہو تمہیں کیا ملے گا؟

علامہ کاظمی کریم علیہ الرحمہ نے جب یہ واقعہ سنا تو اس بدعقیدہ مولوی کے گستاخانہ انداز والفاظ کے باعث چہرہ پر انتہائی غیظ و غضب کے آثار نمودار ہوئے، اور فرمایا ان شاء اللہ میں ابھی تقریر میں اس کا جواب دوں گا، اس گفتگو کے کچھ دیر بعد تقریر کا آغاز ہوا تو آپ نے بد

Marfat.com

عقیدہ لوگوں کے اس جلسہ میں ہونے والے اعتراض کو بیان فرمایا، پھر لوگوں سے دریافت فرمایا کہ اگر کوئی تمہاری ماں، بہن، باپ، بھائی پر کوئی الزام تراشی کرے، بہتان باندھے تو کیا تم برداشت کرو گے؟ تمام مجمع نے کہا کہ ہرگز نہیں، ہم ایسا کبھی برداشت نہیں کریں گے۔

اس پر علامہ کاظمی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اس بدگو، بدطینت شخص نے تمام مومنوں کی ماں پر بہتان باندھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اور وضاحت کے باوجود بہتان باندھا۔ علامہ کاظمی علیہ الرحمہ نے اپنی اس بات کی وضاحت فرمائی کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی پاک بیویوں سے فرمایا!

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا۔ [1]

(یعنی اے نبی ﷺ اپنی بیویوں کو بلا کر ان سے فرما دو اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی زینت مطلوب ہے تو آؤ میں تمہیں مال دے کر اچھی طرح الگ کر دوں۔)

اس آیت میں حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی ازواج مطہرات کو حیاتِ دنیا کی زینت عطا فرمانے کا کہا ہے، زینت حیات کی وضاحت خود قرآن مجید نے ہی دوسری آیت میں کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: ''اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا''۔ یعنی مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔ (سورۃ الکہف، آیت ۴۶)

احادیث سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی پاک بیویوں نے دنیاوی جاہ وحشم اور زینت کو ترک کر دیا تھا اور حضور پرنور ﷺ کی رفاقت کو اختیار کیا، لیکن بدعقیدہ لوگ بہتان باندھتے ہیں کہ ازواج مطہرات کو حضور ﷺ کی زوجیت کی نہیں بیٹے کی تمنا تھی۔ [2]

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۲۸

[2] ماہنامہ ''السعید'' ملتان، شمارہ مارچ ۱۹۹۵ء، ص ۲۶

Marfat.com

راقم الحروف اکتوبر ۱۹۸۱ء کے آخری جمعہ کو کبیر والا ضلع خانیوال میں مولانا عبد القادر سعیدی علیہ الرحمہ سابق سٹیج سیکرٹری سالانہ جلسہ جامعہ انوار العلوم ملتان کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا نے حضرت علامہ کاظمی کریم علیہ الرحمہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ایک دن علامہ کاظمی علیہ الرحمہ نے مجھے فرمایا کہ ایک مرتبہ سندھ کے تبلیغی دورہ سے واپسی پر گھوٹکی (ضلع سکھر) میں دیوبندی مکتبہ فکر کے چار مولویوں سے مختلف مسائل پر گفتگو طے پائی، یہ چاروں مولوی دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے، پہلے مولوی صاحب سے مولوی اشرف علی تھانوی کے کتابچہ ''حفظ الایمان'' کی مشہور گستاخانہ عبارت پر گفتگو شروع ہوئی، دیوبندی مولوی نے عبارت میں تاویل شروع کر دی کہ عبارت میں لفظ ''ایسا'' سے یہ مراد نہیں وہ مراد نہیں، آپ نے فرمایا صرف اتنی بات بتا دیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم شریف ''قطعی'' ہے یا ''ظنی'' ہے؟ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم یقینی ہے یا گمانی ہے؟ اگر آپ کہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ظنی یا گمانی یا قیاسی ہے تو اسلام کی تمام عمارت ہی منہدم ہو جائے گی، کیونکہ پھر تو ہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم یقینی نہیں بلکہ ظنی یا گمانی ہے تو کسی احکام کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صحیح ہے، کیا خبر کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گمان سے کہا ہو اور یہ صحیح نہ ہو، لا محالہ آپ کو ماننا پڑے گا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم قطعی اور یقینی ہے کیونکہ یہ وحی کا علم ہے۔

اب آپ یہ ثابت کریں کہ جمیع حیوانات اور فلاں فلاں کا علم بھی قطعی اور یقینی ہے، اگر نہیں ثابت کر سکتے تو تھانوی صاحب نے یہ کیا لکھ دیا کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا (قطعی) علم غیب تو فلاں فلاں کو بھی حاصل ہے یقیناً تھانوی کی یہ عبارت لغو، فضول اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہے، کیونکہ اس علم غیب میں علم قطعی ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخصیص ہے، جب زید وعمرو وغیرہ کا علم قطعی نہیں تو تشبیہ بھی غلط اور گستاخی ہے۔

ایک مرتبہ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ بہاول پور (پاکستان) میں

Marfat.com

تقریر فرمارہے تھے، کسی نے سوال کیا کہ آپ تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے نور کا حصہ، ٹکڑا یا جز نہیں ہیں، مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حدائق بخشش میں کہتے ہیں:

''نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی''

تو آپ کیسے کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا ٹکڑا نہیں مانتے؟

علامہ کاظمی صاحب علیہ الرحمہ نے جواب میں فرمایا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے کس کا ٹکڑا مانا، واحد کا یا وحدت کا؟ آپ اللہ تعالیٰ کو واحد کہتے ہیں یا وحدت کہتے ہیں؟ ارے وحدت تو وصف ہے، اور صفات کے جلوے اور انوار ہوتے ہیں، اگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واحد کا ٹکڑا ہیں یا اِلٰہ واحد کا ٹکڑا ہیں، تب تو آپ کی بات درست ہوتی، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ واحد کا ٹکڑا نہیں فرمارہے وہ تو فرمارہے ہیں ''نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی''، وحدت صفت ہے اور اس صفت کے جو انوار و تجلیات ہیں وہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفت وحدت کے نور کا جلوہ ہیں، اللہ کی ذات کا ٹکڑا نہیں ہیں، ہم تو اللہ تعالیٰ کو واحد کہتے ہیں، تم اللہ تعالیٰ کو وحدت کہو تو تمہاری مرضی، بتائیے اللہ تعالیٰ واحد یا وحدت ہے؟ یقیناً اللہ واحد ہے، تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کب کہا کہ حضور واحد کا ٹکڑا ہیں؟ پہلے تم وحدت کو اللہ بناؤ پھر اعلیٰ حضرت پر اعتراض کرو کہ انہوں نے اللہ کا ٹکڑا بنا دیا، اگر وحدت تمہارے نزدیک اللہ ہے تو پھر تم اپنے ایمان کی خبر لو۔ [1]

''نور من نور اللہ'' کا مفہوم

''نور من نور اللہ'' کے معنی یہ نہیں کہ معاذ اللہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور، اللہ تعالیٰ کے نور کا مادہ ہے، یا حصہ ہے، جز ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کو جہالت کی بنا پر مغالطہ ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور، اللہ تعالیٰ کے نور کا نہ تو مادہ ہے، نہ جز اور نہ ٹکڑا ہے،

---

[1] روایت حافظ بشیر احمد سعیدی، خطیب جامع مسجد البدر، بہاری کالونی بہاولپور

Marfat.com

لفظ ''مِن'' جزیت کے لئے نہیں ہے بلکہ لفظ ''مِن'' تشریفیہ ہے، یعنی شرافت اور بزرگی کے لئے ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور براہ راست نور ذات الٰہی کے فیض سے پیدا کیا گیا ہے، لفظ ''مِن'' سے مغالطہ میں مبتلا ہو کر یہ خیال کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور، اللہ تعالیٰ کے نور کا جز ہے تو خالص کفر ہے۔

امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ "مِنْ نُوْرِہٖ" کی تشریح میں فرماتے ہیں!

''عین ذات الٰہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ ذاتِ الٰہی، ذاتِ رسالت کے لئے مادہ ہے، جیسے انسان مٹی سے پیدا ہوا، یا عیاذ باللہ ذاتِ الٰہی کا کوئی حصہ یا کل ذات نبی ہو گیا، اللہ عزوجل حصے اور ٹکڑے اور کسی کے ساتھ متحد ہونے یا کسی شئے میں حلول فرمانے سے پاک و منزہ ہے''۔[1]

علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ حدیث نور کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک یعنی ذات مقدسہ کو اپنے نور یعنی اپنی ذات مقدسہ سے پیدا فرمایا، اس کا معنی یہ نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کا مادہ ہے یا نعوذ باللہ حضور کا نور اللہ کے نور کا کوئی حصہ یا ٹکڑا ہے، عن ذالک علوا کبیرا، اگر کسی ناواقف شخص کا یہ اعتقاد ہے تو اسے توبہ کرنا فرض ہے، اس لئے کہ ایسا ناپاک عقیدہ خالص کفر و شرک ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے، بلکہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ذاتی تجلی فرمائی جو حُسن الوہیت کا ظہور اول تھی، بغیر اس کے کہ ذات خداوندی نور محمد کا مادہ یا حصہ اور جزو قرار پائے، یہ کیفیت متشابہات میں سے ہے، جس کا سمجھنا ہمارے لئے ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کے دیگر متشابہات کا سمجھنا''۔[2]

---

[1] امام احمد رضا بریلوی، صلاۃ الصفافی نور المصطفیٰ، مطبوعہ لاہور، ص ۴۷

[2] علامہ سید احمد سعید کاظمی، میلاد النبی، مطبوعہ مبارک پور اعظم گڑھ ۱۴۰۰ھ، ص ۱۹

Marfat.com

علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ نے ایک دوسری جگہ اس کی وضاحت اس طرح کی ہے!

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کے نور سے مخلوق ماننے کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے جزو ہیں، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نورِ ذات کا جلوہ ہیں، بلاتشبیہ جس طرح آئینہ میں سورج کی روشنی اس کے انوار کا جزو نہیں ہوتی بلکہ ایک تجلی ہوتی ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ذات کی تجلی اور اس کا جلوہ ہیں، البتہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم مانتے ہیں اور ''اب، ابن اور روح القدس'' تینوں کو اجزاء قرار دے کر ان کے مجموعے کو خدا کہتے ہیں، مختصر یہ کہ خدائے قدوس کے لئے اس کے نورِ ذات کا جلوہ ماننا اسلام ہے اور اس کے لئے جز ثابت کرنا عیسائیت ہے''۔[1]

ایک الجھن کا حل

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا نور کبھی جزء نہیں ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور سے کیسے پیدا ہو گئے، یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔

اس سوال کا جواب علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ نے اپنی ایک تقریر میں آسان لفظوں میں دیا ہے، جو درج ذیل ہے، آپ فرماتے ہیں!

''دیکھئے سورج آسمان پر چمک رہا ہے، آپ نیچے زمین پر آئینہ رکھ دیں، ایمان سے کہنا کہ اس آئینے میں سورج چمکتا ہوا نظر آئے گا یا نہیں؟ اس آئینے میں روشنی اور نور آئے گا یا نہیں؟ یقیناً آئے گا، اب بتائیے کہ اس آئینے میں جو روشنی ہے وہ سورج کی روشنی ہے یا نہیں؟ اب اگر کوئی یہ کہے کہ نہیں جناب یہ سورج کی روشنی نہیں، اگر یہ سورج کی روشنی ہے تو جتنی روشنی

[1] علامہ سید احمد سعید کاظمی، اسلام اور عیسائیت، مطبوعہ ملتان ۱۹۶۲ء، ص ۲۲

Marfat.com

اس میں آئی اتنی روشنی سورج میں کم ہو جانی چاہئے، کیا آپ اس بات کو مان لیں گے؟ یقیناً نہیں مانیں گے، آپ دوسرا آئینہ رکھ دیں، تیسرا رکھ دیں، ہر آئینہ میں پورا سورج چمکتا ہوا نظر آئے گا، مگر وہاں کوئی کمی نہیں آئے گی، اگر کوئی کہے کہ نہیں صاحب کمی تو ہو ہی گئی، تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ایک دو آئینے رکھنے سے تو کچھ کمی ہو اور اگر ہزاروں لاکھوں آئینے رکھ دیئے جائیں تو سورج کا تو بالکل صفایا ہی ہو جائے اور سورج کا سارا نور ان آئینوں میں تقسیم ہو کر ختم ہو جائے، تو میرے بھائی اگر کروڑوں اربوں آئینے بھی رکھ دیئے جائیں تو وہاں کمی نہیں آئے گی، جب وہاں کمی نہیں آئی تو پتہ چلا کہ آئینہ جو سورج کے نیچے رکھا ہے وہ سورج کا جز نہیں ہے، اور سورج جو اس آئینے میں چمکتا ہوا نظر آ رہا ہے آپ اس آئینے کے نور کو کیا کہیں گے؟ سورج کا جز تو کہہ نہیں سکتے کیونکہ نہ تو اصل سورج آئینے میں آیا اور نہ ہی آئینہ سورج کا حصہ بنا بلکہ آئینہ سورج کے نور کا مظہر بنا، لہٰذا اس کو سورج کے نور کا جلوہ کہیں گے، حصہ، جز یا ٹکڑا نہیں کہہ سکتے''۔[1]

حدیث میں ایک مشکل کا حل

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے حسن الوہیت کی جلوہ گاہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنایا اور حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حُسن محمدیت کی جلوہ گاہ مقام ولایت ہے، اگر رسول کو علم غیب نہ ہو تو خدا تعالیٰ کے علم غیب کی دلیل کہاں سے آئے گی، میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم غیب معجزہ ہے، یہ معجزہ خدا تعالیٰ کے کمالات الوہیت کی دلیل ہے اور اولیاء اللہ کی کرامات، وہ معجزات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل نہیں ظہور ہیں، نبی کو علم عطائی اور یقینی ہوتا ہے، اور ولی کو علم غیب کا انکشاف ہوتا ہے، جو

[1] علامہ سید احمد سعید کاظمی، تقریر مقصود کائنات، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۵ء، ص ۱۴

Marfat.com

ظنی ہوتا ہے، یہ الہام ولایت ہے، الہام ولایت پر سرکار ﷺ کے زمانہ میں ایک عجیب واقعہ ہوا، وہ یہ کہ حضور ﷺ کے ایک صحابی حسن بن نضر رضی اللہ عنہ کی بہن کی لڑائی کسی دوسری عورت سے ہوگئی اور اس کا دانت توڑ دیا، یہ مقدمہ سرکار ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا کہ انس بن نضر کی بہن نے ہماری بہن کا دانت توڑ دیا، مدعی اور مدعا علیہ دونوں سرکار ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہیں اور سرکار ﷺ کے فیصلے کے منتظر ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا! "یا انس کتاب اللہ والقصاص" اے انس! اللہ سبحانہ تعالیٰ کی کتاب کا فیصلہ یہ ہے کہ تمہیں قصاص دینا ہوگا کہ تیری بہن نے ان کی بہن کا دانت توڑا ہے، لہذا تمہاری بہن کا دانت توڑنا پڑے گا، آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت، حضرت انس کہنے لگے حضور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری بہن کا دانت کبھی بھی نہیں توڑا جائے گا۔[1]

حالانکہ جب اللہ سبحانہ تعالیٰ کا رسول کوئی فیصلہ سنادے اور کوئی اس فیصلہ کے خلاف قسم کھا لے کہ یہ نہیں ہوگا، (تو صحابی رسول ﷺ نے یہ کیا کہہ دیا؟)

اور قرآن کریم کہتا ہے :

فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما۔[2]

(تو (اے محبوب) آپ کے رب کی قسم وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم مانیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان پیدا ہو پھر نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی ہر اس فیصلے سے جو آپ نے کیا اور بخوشی دل سے مان لیں)

مذکورہ بالا حدیث یہ مشکلات حدیث میں سے ایک حدیث ہے، ایک مشہور محدث سے اس حدیث کے بارے میں گفتگو ہوئی اس نے مجھ سے اس حدیث کے بارے میں مطلب

---

[1] بخاری شریف، کتاب بدء الوحی، باب الصلح فی الدیت، حدیث ۲۷۰۳

[2] سورۃ النساء، آیت ۶۵

Marfat.com

پوچھا تو میں نے بتایا کہ حضور ﷺ کا کوئی صحابی حضور ﷺ کے سامنے جس کا آئینہ قلب صاف ہو کہ اگر حضور ﷺ کے علم کی تجلی کا کوئی ذرہ وہاں چمک جائے تو وہ کمال اس صحابی کا نہیں، اس غلام کا نہیں بلکہ آقا ﷺ کا کمال ہے، حضور ﷺ اس وقت حاکم کے مقام پر تھے، حاکم کی حیثیت میں ہی فرمانا تھا کہ یا انس کتاب اللہ والقصاص، اور حاکم کا کام ہے کہ قانون کے مطابق فیصلے کی بات کرے مگر اگلی بات بھی حضور کو معلوم تھی کہ آگے کیا ہوگا؟

میرے آقا ﷺ کے علم کی تجلی حضرت انس کے سینے میں چمکی اس لئے انس کو معلوم ہو گیا تھا کہ مدعی قصاص نہیں لیں گے، دیت لیں گے، چنانچہ لڑکی کے ورثاء نے کہا ہم دیت پر راضی ہوتے ہیں، قصاص نہیں لینا چاہتے، انہوں نے قصاص معاف کر دیا، ان کو اجر حاصل ہوا اور حضرت انس کی قسم بھی پوری ہوگئی، کیوں؟ اس لئے کہ سرکار ﷺ کا فرمان ہے کہ میرے غلاموں میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے موجود ہیں کہ اگر وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرماتا ہے، یہ کیا تھا؟ یہ میرے آقا ﷺ کے علم کی تجلی کا جلوہ حضرت انس کے سینے میں ظاہر ہوا، آپ ﷺ اپنے علم کے جلوے اپنے غلاموں کو عطا فرمانے والے ہیں، لہذا کمال ولایت کیا ہوا؟ کمالات ولایت، کمالات نبوت کی تجلی ہے، تو اب اگر کوئی کمالات ولایت کو نہیں مانتا تو حضرت انس بن النضرؓ کی بات سے اس کا جواب سمجھے، کمالات ولایت ایک حقیقت ہے جس کا تعلق الہام سے ہے جو انس بن نضر کو ہوا، وہ الہام کیا تھا؟ وہ علم نبوی کی تجلی کا ظہور تھا، اگر کمالات ولایت نہ ہوتی تو انس بن نضر یہ قسم کیسے کھاتے؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں: یا انس کتاب اللہ والقصاص اور انس کہتے ہیں خدا کی قسم میری بہن کا دانت نہیں توڑا جائے گا، تو نبی اور ولی کی بات میں بالمشافہ کیسے تضاد ہو سکتا ہے؟ وہ نبی کا معجزہ ہے اور یہ ولی کی کرامت ہے، لہذا نبی کے معجزہ پر بھی ہمارا ایمان ہے اور ولی کی کرامت پر بھی ہمارا ایمان ہے۔

Marfat.com

''امام طیبی شارح مشکوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن نضر کے "لا واللہ" کہنے سے مراد نبی کریم ﷺ کے حکم کا رد نہ تھا بلکہ وقوع کی نفی مراد تھی، اللہ کی قسم دانت نہیں توڑا جائے گا سے عدم وقوع کی اطلاع دی، چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل تھا، انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پختہ یقین حاصل تھا کہ وہ قسم میں حانث نہیں ہونگے، اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرمائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ورثاء کے دل میں عفوو درگزر کے جذبات پیدا فرمادیئے''۔[1]

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدیت، مطبوعہ دار الفکر بیروت، جز ۱۳، ص ۲۸۱
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب القصاص، حدیث ۳۴۶۰
فتح الباری شرح صحیح بخاری: کتاب الدیات، باب السن بالسن، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ص ۲۲۴
تقریر علامہ کاظمی ''توحید و رسالت''، ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ فروری ۲۰۱۸ء

Marfat.com

سلسلۃ الذہب

سندِ حدیث غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ
تا
امام محمد بن اسماعیل البخاری علیہ الرحمۃ الباری

مرتبہ: خلیل احمد رانا

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ جن دنوں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز تھے تو مخالفین نے اعتراض کیا کہ ان کی تو سند حدیث ہی منقطع ہے، کیونکہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت نہیں ہے، شاہ احمد سعید مجددی علیہ الرحمہ کو تو اپنے والد ماجد شاہ ابوسعید دہلوی علیہ الرحمہ سے سمع ہے اور اُن کو شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ سے، تم شاہ احمد سعید مجددی علیہ الرحمہ کی اجازت بلا واسطہ شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ سے ملاتے ہو۔ تو علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے مخالفین کے سامنے مولوی عبدالحی حسنی ندوی (متوفی ۱۳۴۱ھ) کی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' (عربی)، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن (بھارت)، جلد ۷، ص ۴۱ کی یہ عبارت پیش کی:

''وحصلت له الا جازة من الشيخ عبدالعزيز المذكور الصحاح الست والحصن الحصين ودلائل الخيرات والقول الجميل وغيرها''[1]

یعنی حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی علیہ الرحمہ کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے صحاح ستہ، حصن حصین، دلائل الخیرات اور القول الجمیل وغیرہ کی اجازت حاصل

---

[1] نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، مطبوعہ دار ابن حزم، بیروت، لبنان ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، ص ۹۰۶

Marfat.com

ہے۔مخالفین یہ عبارت دیکھتے ہی مبہوت ہو کر لاجواب ہو گئے، حضرت غزالئ زماں کی سند حدیث کئی اور واسطوں سے بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے۔

غزالی زماں ضیغم اسلام علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ

علامہ سید احمد سعید کاظمی بن مولانا سید مختار احمد کاظمی علیہم الرحمہ، ۱۹۱۳ء میں امروہہ (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے، آپ کی تعلیم آپ کے بڑے بھائی اور آپ کے شیخ طریقت علامہ سید محمد خلیل کاظمی محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی مکمل ہوئی، جو ایک جید عالم دین اور صاحب نظر درویش تھے، سترہ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو کر لاہور کی قدیمی درس گاہ جامعہ نعمانیہ میں تدریس کا آغاز فرمایا، ۱۹۳۱ء میں واپس امروہہ تشریف لے گئے اور چار سال تک مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ میں درس دیا، یہاں سے تھوڑا عرصہ کے لئے اوکاڑہ (پنجاب) تشریف لائے، ۱۹۳۵ء میں ملتان تشریف لائے، مسجد حافظ فتح شیر خاں بیرون لوہاری دروازہ اور مسجد حضرت چُپ شاہ میں اٹھارہ سال تک قرآن وحدیث کا درس دیا، ۱۹۴۴ء میں کچہری روڈ پر مدرسہ عربیہ انوار العلوم کی بنیاد رکھی، آپ عظیم محقق، مفسر، محدث، فقیہ اور علم کے بحر ذخار تھے، ہزاروں طلبہ آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے، ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۴ء اسلامی یونیورسٹی بہاول پور میں شیخ الحدیث کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے، پھر ملتان تشریف لے آئے۔آپ اسلامی مشاورتی کونسل (پاکستان) کے ممبر بھی رہے اور ہر دور میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور قوانین کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے پاکستان کی حکومتیں آپ کی فقیہانہ آراء سے مستفید ہوتی رہیں۔ ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ/ ۴ جون ۱۹۸۶ء کو ملتان میں وصال ہوا۔[1]

---

[1] ماہنامہ السعید، ملتان، متفرق شمارے

Marfat.com

استاذ العلماء علامہ سید محمد خلیل کاظمی محدث امروہوی قدس سرہٗ

علامہ سید محمد خلیل کاظمی رحمۃ اللہ علیہ بن مولانا سید مختار احمد کاظمی علیہم الرحمہ یکم شوال ۱۳۱۳ھ/ ۱۶؍مارچ ۱۸۹۶ء کو صبح صادق کے وقت امروہہ ضلع مراد آباد (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے پائی، شرح جامی تک پڑھ کر مدرسہ عالیہ رام پور میں داخلہ لیا اور جلیل القدر اساتذہ سے تمام علوم وفنون میں تعلیم مکمل کی، تکمیل کے آخری سال میں حفظ قرآن کا شوق ہوا اور اڑھائی تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا، تکمیل علوم کے بعد چونڈیرہ ضلع بلند شہر، شاہ جہانپور اور امروہہ میں کئی سال تدریس فرمائی، پاک وہند اور دیگر ممالک اسلامیہ میں آپ کے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں ہیں، علوم طریقت، تصوف اور سلوک میں آپ کا بلند مقام تھا، آپ کی غالب نسبت سلسلہ چشتیہ صابریہ میں تھی، شاعری میں خاکی تخلص فرماتے تھے، آپ کا وصال بحالت روزہ ۲۷؍رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ/ ۲۸؍نومبر ۱۹۷۰ء بروز ہفتہ صبح چھ بجے ہوا، مزار مبارک امروہہ ضلع مراد آباد (یوپی، بھارت) میں ہے۔[۱]

شمس المحدثین مولانا ریاست علی خاں شاہ جہان پوری قدس سرہٗ

حضرت مولانا ریاست علی خاں حنفی بن مطیع اللہ خاں علیہم الرحمہ، محلہ خلیل غربی، شاہ جہان پور (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے، ابتدائی کتابیں اپنے شہر کے علماء سے پڑھیں پھر رام پور جا کر مولانا ارشاد حسین عمری رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب علم کیا اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں انہیں سے بیعت ہوئے، تحصیل علم کے بعد شاہ جہانپور آ کر اپنے مکان پر ہی تدریس شروع فرمائی، آپ معقول ومنقول پڑھانے والے اکابر علماء میں سے تھے، زمانہ ترک

---

[۱] ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ فروری ۱۹۶۲ء
پیش لفظ دایوان نور ونکہت، سید مرغوب امین کاظمی، مطبوعہ امروہہ ۱۹۸۸ء

Marfat.com

موالات ۱۹۲۰ء میں مسئلہ خلافت پر آپ نے فرض منصبی کو نہایت دلیری اور ہمت سے انجام دیا، شاہ جہان پور میں آپ کا سلسلہ بیعت کافی وسیع تھا، آپ نہایت ہی نیک طبیعت، سادہ مزاج، بے تکلف، پابند شریعت بزرگ تھے۔ [۱]

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی بلا سود بینکاری پر مشہور کتاب "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" کی تائید میں آپ کا فتویٰ کتاب کے آخر میں شائع ہے۔ [۲]

آپ کا ایک فتویٰ نداء "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاً للہ" کے جواز میں انجمن نعمانیہ ہند لاہور نے ۱۹۳۶ء میں مطبع خادم التعلیم لاہور سے شائع کیا۔ [۳]

حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی علیہ الرحمہ کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں :

''ایک مرتبہ حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین فاروقی نقشبندی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء) سجادہ نشین خانقاہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ، خانقاہ میں تشریف فرما تھے، مولانا سیف الرحمن صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی اور چند دوسرے علماء اور اہل حلقہ بیٹھے تھے کہ شاہ جہان پور کے مولانا ریاست علی خاں تشریف لائے، یہ مولانا ارشاد حسین رامپوری کے شاگرد و مرید تھے، انہوں نے التحیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور مبارک کے متعلق "صراط مستقیم" (از اسماعیل دہلوی) کی گندی عبارت کا ترجمہ آپ کو روتے ہوئے سنایا اور کہا حضرت! یہ لوگ ایسی عبارتیں لکھ رہے ہیں، آپ کو نہایت ملال ہوا اور آیت "ان الذین یؤذون اللہ

۱۔ محمد صبیح الدین، تاریخ شاہ جہان پور، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۲ء، ص ۱۸۹

۲۔ کفل الفقیہ الفاھم، مطبوعہ نوری بک ڈپو، ص ۱۲۱

۳۔ مولانا محمد حسن بجنوری، فتویٰ جواز یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ، مطبوعہ انجمن نعمانیہ ہند لاہور، ص ۳۸

155844

Marfat.com

ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرۃ" پڑھ کر فرمایا ایسے افراد پر لعنت ہے اور انتہائے رنج والم کی وجہ سے آپ اُٹھ کر حرم سرا میں چلے گئے"۔[1]

آپ کی تصانیف میں "زلالین شرح جلالین" اور "لباب التنزیل فی حل المشکلات القرآن"، التحقیقات لدفع التحریفات (ردّ المھند) مشہور ہیں، "زلالین شرح جلالین" مطبوعہ بمبئی کا ایک نسخہ علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ (ملتان) کے کتب خانہ میں موجود ہے، ۲۰۱۶ء میں راقم الحروف (خلیل احمد رانا) دعوت اسلامی کے مرکز فیضان مدینہ کراچی گیا، وہاں شعبہ علمیہ کا دورہ کیا تو ایک جگہ دیکھا کہ حاشیہ جلالین لکھنے پر کام ہو رہا ہے، وہاں حاشیہ درسی جلالین پر کام کرنے والے دعوت اسلامی کے ایک نوجوان نے بتایا کہ حاشیہ لکھنے کے سلسلہ میں ہمیں مولانا ریاست علی خاں شاہ جہان پوری علیہ الرحمہ کے حاشیہ کی ضرورت پڑی تو ہمیں بابائے اُردو مولوی عبدالحق لائبریری کراچی سے یہ نسخہ ملا، جب ہم نے دیوبندی مکتبہ کے مطبوعہ نسخہ کو دیکھا تو وہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ وہی حاشیہ ہے جو مولانا ریاست علی شاہ جہاں پوری علیہ الرحمہ کا ہے لیکن انہوں نے مولانا کا نام نہیں لکھا۔

مولانا ریاست علی خاں شاہ جہان پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ/ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۰ء کو بعارضہ ہیضہ وصال فرمایا اور اپنے مدرسہ بحر العلوم جو آپ کے مکان کے قریب مسجد محلہ خلیل شاہ جہان پور میں ہے، دفن ہوئے، اللہ کریم جل مجدہٗ آپ کے مزار اقدس پر رحمتیں فرمائے، آمین[2]

---

[1] شاہ ابوالحسن زید فاروقی، مقامات خیر، مطبوعہ دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۵۰۶

[2] نزھۃ الخواطر، عبدالحی لکھنوی ندوی، جلد ۸، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۱۵۴
حافظ عبدالستار قادری، مرآۃ التصانیف، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء، ص ۲۳
ماہنامہ السواد الاعظم، مراد آباد (یوپی، بھارت) شمارہ محرم ۱۳۵۰ھ، ص ۱۰

Marfat.com

نبراس الفقہاء مولانا ارشاد حسین فاروقی مجددی رامپوری قدس سرہٗ

مولانا ارشاد حسین بن مولانا حکیم احمد حسین بن غلام محی الدین بن فیض احمد بن شاہ کمال الدین بن شیخ درویش احمد بن شیخ زین العابدین معروف بہ شاہ فقیر اللہ بن شیخ فیاض الدین بن یوسف بن شاہ محمد یحییٰ بن مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمہم اللہ تعالیٰ، ۱۴ر صفر ۱۲۴۸ھ کو رام پور (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے، کتب فارسی اپنے والد ماجد اور شیخ احمد علی اور اپنے بھائی مولوی امداد حسین سے پڑھیں، صرف ونحو کی تعلیم حافظ غلام نبی، مولوی جلال الدین اور مولوی نصیر الدین خاں سے حاصل کی، یہ تینوں حضرات مشہور زمانہ اور اپنے کمالات میں یگانہ تھے، لکھنؤ جا کر منقول کی کتابیں پڑھیں، پھر رام پور واپس آ کر علامہ دوراں ملا محمد نواب بن سعد اللہ افغانی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء) سے باقی کتب معقول کا درس لیا، مولانا محمد نواب مکی علیہ الرحمہ کی ہدایت پر دہلی جا کر حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی سرحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، آپ حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے اجل خلفاء میں سے تھے، آپ نے اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر تصوف، حدیث وتفسیر کی کتابیں بھی پڑھیں، حضرت شاہ احمد سعید دہلوی علیہ الرحمہ آپ کے حال پر بہت عنایت فرماتے تھے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانہ میں جب حضرت شاہ احمد سعید مجددی علیہ الرحمہ حرمین شریفین کو ہجرت کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کو پانی پت سے رام پور رخصت کیا، کچھ دنوں بعد آپ ایک خادم خاص محمد موسیٰ بخاری کو ساتھ لے کر زیارت حرمین شریفین کو روانہ ہوئے، یہ سفر آٹھ مہینوں میں پیدل طے کیا، ایک سال تک مدینہ منورہ میں حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی کی خدمت میں رہے، پھر رام پور واپس تشریف لائے اور حضرت عبد الکریم رامپوری المعروف ملا اخوند فقیر قادری قدس سرہٗ (متوفی ۱۲۰۶ھ) کی مسجد کے حجرہ میں قیام کیا، یہیں نو ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا، بعد میں ایک بیوہ سے نکاح فرمایا، توکل پر گذارہ ہوتا تھا، ہر جمعہ کو

Marfat.com

اپنی مسجد میں وعظ فرماتے، ذوق وشوق اور گریہ وبکاہ سے مجلس نمونہ حشر معلوم ہوا کرتی تھی، اورادووظائف، حلقہ ذکراور درس وتدریس سے آپ کے اوقات معمور تھے۔[۱]

سفید عمامہ سر پر باندھتے تھے، لباس سنت کے موافق پہنتے تھے، تسبیح وعصا ہاتھ میں رکھتے تھے، گفتار نرم وشریں اور کلام محبت بڑھانے والا ہوتا تھا، تمام اہل شہر آپ کے گرویدہ تھے، جب ایک تہائی شب رہ جاتی تو نماز تہجد ادا فرماتے، پھر ادعیہ ماثورہ سے فراغت کے بعد صبح تک تلاوت کلام مجید میں مشغول رہتے، پھر سنت فجر ادا کر کے بائیں پہلو پر قدرے آرام فرماتے، پھر فجر کے فرض طویل قرأت کے ساتھ مسجد میں باجماعت ادا فرماتے، پھر اشراق تک تسبیح خانہ میں اورادووظائف میں مشغول رہتے۔

صبح کو بعد نماز اشراق اور شام کو بعد نماز مغرب ختم حضرت امام ربانی اور ختم حضرات خواجگان کے بعد حلقہ فرماتے، صبح کو حلقہ سے فارغ ہوکر دو پہر تک درس وتدریس میں مشغول رہتے، نماز عصر کے بعد مثنوی مولانا روم اور مکتوبات امام ربانی کا درس دیتے، ہفتہ میں دو دن منگل وجمعرات فتاویٰ کی تحریر کے لئے مقرر تھے۔

جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ تا نماز عصر قرآن مجید کی تفسیر بیان فرماتے، انداز بیان بڑا مؤثر ہوتا تھا، ایک مرتبہ مولوی محمد قاسم نانوتوی (دیوبند)، رامپور آئے اور حضرت سے ملاقات کے لئے بعد نماز جمعہ مسجد میں پہنچے، اس وقت تفسیر ہورہی تھی، حضرت کی عادت شریفہ تھی کہ اثنائے بیان میں آنکھیں بند رکھتے تھے، مسجد سامعین سے بھری ہوئی تھی، مولوی قاسم نانوتوی ایک طرف بیٹھ گئے، جب اُٹھ کر گئے تو یہ کہتے ہوئے گئے کہ ''بیان اس کو کہتے ہیں اور تفسیر ایسی ہوتی ہے''۔

---

[۱] تذکرہ کاملان رامپور، حافظ احمد علی شوق، مطبوعہ پٹنہ ۱۹۸۶ء، ص ۳۰، ۳۱
تذکرۃ المشائخ، مولانا حامد علی خاں رامپوری ثم ملتانی، مطبوعہ ملتان ۱۹۶۸ء، ص ۱۱۹ تا ۱۲۲
مقامات ارشادیہ، مقصود احمد عمری، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۹ء، ص ۳۰۶ تا ۳۱۲

Marfat.com

آپ کے مشہور تلامذہ میں مولانا عنایت اللہ خاں رام پوری (متوفی ۱۳۴۵ھ)، مولانا ریاست علی خاں شاہجہانپوری (متوفی ۱۳۴۹ھ)، مولانا عبدالغفار خاں رام پوری (متوفی ۱۳۴۸ھ)، مولانا ظہور الحسین رامپوری (۱۳۴۲ھ)، مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری (متوفی ۱۳۳۸ھ)، مولانا سید دیدار علی شاہ الوری (متوفی ۱۳۵۴ھ) اور شبلی نعمانی اعظم گڑھی (متوفی ۱۳۳۲ھ) مشہور ہیں۔

آپ ہم عقیدہ مسلمانوں پر غایت شفقت فرماتے اور باطل پرستوں سے شدید نفرت برتتے تھے، مولوی نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کی کتاب ''معیار الحق'' کا جواب ''انتصار الحق'' کے نام سے لکھا، جس میں دلائل عقلیہ ونقلیہ سے تقلید شخصی کا وجوب وثبوت ثابت کیا۔[۱]

فتاویٰ ارشادیہ بھی آپ کی عظیم تالیف ہے، مولانا محمد اول جونپوری (متوفی ۱۳۳۹ھ) ''فتاویٰ ارشادیہ کے متعلق لکھتے ہیں :

''مصنف اس کے حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری متوفی ۱۳۱۱ھ ہیں، یہ فتاویٰ ہنوز چھپا نہیں، کئی جلدوں میں ہے، مگر راقم الحروف نے اس کی ایک جلد کلاں بخدمت محب الفقراء والمساکین الداعی الی السبیل مولاہ مولانا محمد سلامت اللہ اعظم گڑھی متوطن رامپوری دیکھی ہے''۔[۲]

اس کے علاوہ ''ارشاد الصرف'' علم صرف میں (یہ مولانا عنایت اللہ خاں رامپوری کے لئے لکھی گئی)[۳]

---

۱ محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، مطبوعہ مظفر پور (بہار، انڈیا) ۱۳۹۱ھ، ص ۲۴
مولانا حامد علی خاں رامپوری ثم ملتانی، تذکرۃ المشائخ، مطبوعہ ملتان ۱۹۶۸ء، ص ۱۲۵،۱۲۴
مقصود احمد عمری، مقامات ارشادیہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۹ء، ص ۳۱۶،۳۱۴

۲ محمد اول جونپوری، مفید المفتی۔ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ، ص ۲۶۲

۳ مولانا حامد علی خاں رامپوری ثم ملتانی، تذکرۃ المشائخ، مطبوعہ ملتان ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۷

Marfat.com

انوار ساطعہ فی جواز مولود و فاتحہ بھی آپ کی تصنیف ہے۔ [۱]
ترجمہ کتاب الحیل عالمگیری اُردو قلمی ۱۳۶ صفحات کی کتاب کتب خانہ ریاست رامپور میں ہے۔ [۲]

آپ کی اولاد میں آپ کے بعد چار بیٹے اور دو بیٹیاں زندہ رہیں، بڑے صاحبزادے مولانا احسان حسین (متوفی ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء)، دوسرے صاحبزادے میاں رضوان حسین (دس برس کی عمر میں انتقال کیا)، تیسرے صاحبزادے مولانا معوان حسین رامپوری (متوفی ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء)، آپ کچھ عرصہ بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب بھی رہے، چوتھے صاحبزادے مولانا ریحان حسین (متوفی ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء)۔

۸ر جمادی الآخر ۱۳۱۱ھ کو تپ محرقہ ہوا، اسی حالت میں تمام امانتیں واپس کیں، شدت تپ میں اوقات نماز میں فرق نہ ہوا، دوشنبہ کے دن ۱۵ر جمادی الآخر ۱۳۱۱ھ کو وصال فرمایا تمام شہر نماز جنازہ میں اُمڈ آیا، عیدگاہ کے میدان میں نماز ہوئی اور اپنی مسجد کے متصل جانب شرق اپنی ملکیت کی زمین میں دفن ہوئے۔ [۳]

شیخ المشائخ حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی مہاجر مدنی قدس سرہٗ

حضرت ابو المکارم شاہ احمد سعید بن شاہ ابو سعید بن شیخ صفی القدر بن شیخ عزیز القدر بن شیخ محمد عیسیٰ بن شیخ سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم بن امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہم۔ [۴]

یکم ربیع الآخر ۱۲۱۷ھ/ ۳۱ر جولائی ۱۸۰۲ء کو ریاست رام پور میں پیدا ہوتے، ”مظہر

---

[۱] ارشاد احمد عارف، ضمیمہ مفید المفتی، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ، ص ۲۷۵

[۲] حافظ احمد علی شوق، تذکرہ کاملان رامپور، مطبوعہ پٹنہ (بھارت) ۱۹۸۶ء، ص ۳۳

[۳] حافظ احمد علی شوق، تذکرہ کاملان رامپور، مطبوعہ پٹنہ (بھارت) ۱۹۸۶ء، ص ۳۲، ۳۳

[۴] شاہ محمد مظہر مجددی مہاجر مدنی، رشحات عنبریہ، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۱۸

Marfat.com

یزداں'' تاریخی نام ہے، آپ کے نانا حضرت شاہ غلام صدیق نے جو نہایت عالم اور بزرگ صاحب باطن تھے، آپ کا مشرب باطنی از روئے طریقہ درویشی جان کر غلام غوث نام رکھا، کیونکہ رشد و ہدایت کے آثار خورد سالی سے آپ میں ظاہر تھے، بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا، جس زمانہ میں آپ قرآن مجید حفظ کر رہے تھے، اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوسعید دہلوی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء) کے ساتھ حضرت شاہ درگاہی مجذوب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء) کے پاس جایا کرتے تھے، وہ آپ کو محبت سے اپنے پاس بٹھاتے اور قرآن مجید سنتے، جب آپ کی عمر دس سال کی تھی تو آپ کے والد ماجد حضرت شاہ ابوسعید دہلوی نے آپ کو حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۴۰ھ) سے بیعت کرا دیا، حضرت شاہ صاحب آپ پر نہایت مہربان تھے، حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے لوگوں سے ایک بچہ طلب کیا کسی نے نہیں دیا، ابوسعید نے میری طلب پوری کر دی اور اپنا بیٹا مجھے دے دیا۔[1]

حضرت شاہ احمد سعید علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ سے کتب تصوف رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف، احیاء العلوم، نفحات الانس، رشحات، مکتوبات امام ربانی، مثنوی معنوی وغیرہ، اور حدیث میں مشکوٰۃ، ترمذی شریف پڑھیں، باقی کتب معقول و منقول علمائے دہلی مولانا فضل امام خیرآبادی (متوفی ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء)، مولانا رشید الدین خاں (متوفی ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء) شاہ رفیع الدین دھلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء)، شاہ عبدالقادر (متوفی ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۴ء) اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) وغیرہ سے پڑھیں، رام پور میں مفتی شرف الدین (متوفی ۱۲۶۸ھ) اور اپنے والد ماجد کے خالو مولانا سراج احمد (متوفی ۱۲۳۰ھ) بن حضرت محمد مرشد بن محمد ارشد بن حضرت فرخ شاہ بن حضرت محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی علیہم الرحمہ سے بھی کتابیں پڑھیں، لکھنؤ میں مولانا محمد

---

[1] شاہ ابوالحسن زید فاروقی، مقامات خیر، مطبوعہ دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۸۲، ۸۳، ۸۴

Marfat.com

اشرف اور مولانا نور صاحب سے بھی پڑھا، بیس سال کی عمر میں دستار فضیلت بندھی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے حدیث کی اجازت لی، آپ کی سند حدیث ''مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ'' میں موجود ہے۔[1]

سرسید احمد خاں علی گڑھی لکھتے ہیں :

''علم حدیث و فقہ تفسیر بدرجہ کمال حاصل تھا، دن رات مشغلہ تدریس جاری رہتا تھا۔ مسائل دینی آپ کے فیض سے حل ہوتے تھے اور فتویٰ شرع شریف آپ کی مہر سے مسجل کئے جاتے تھے''۔[2]

مولوی عبدالحی حسنی ندوی لکھتے ہیں :

''وحصلت له الاجازة من الشيخ عبدالعزيز المذكور الصحاح الست والحصن الحصين ودلائل الخيرات والقول الجميل وغيرها''۔[3]

سلوک کی اجازت سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں شاہ غلام علی دہلوی اور والد ماجد شاہ ابوسعید دہلوی سے ملی، اور شاہ صاحب نے ہی آپ کو خلافت عطا کی، چونکہ آپ نے جمیع مقامات میں اپنے والد بزرگوار سے توجہات لیں، اسلئے شجرہ میں آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی بھی لیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنے ایک رسالہ ''کمالات مظہری'' تالیف ۱۲۳۷ھ میں حضرت شاہ احمد سعید علیہ الرحمہ کے بارے میں لکھا ہے :

''حضرت احمد سعید فرزند حضرت ابوسعید بہ علم و عمل و حفظ قرآن مجید و احوال نسبت شریفہ قریب است بہ والد ماجد خود''۔

---

[1] حافظ احمد علی شوق، تذکرہ کاملان رامپور، مطبوعہ خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ ۱۹۸۶ء، ص ۱۵

[2] مقالات سرسید، مرتبہ مولوی اسماعیل پانی پتی، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء، ص ۲۲۶

[3] عبدالحی حسنی ندوی، نزہۃ الخواطر، جلد ۷، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن، ۱۹۵۹ء، ص ۴۱

Marfat.com

۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۴ء میں آپ کے والد ماجد جب حج کے لئے روانہ ہوئے تو خانقاہ شریف آپ کے حوالے کی، جہاں آپ نے طالبان حق کو چوبیس سال سات ماہ تک فیض یاب کیا۔[۱]

۱۲۴۹ھ/ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حجاز مقدس کی طرف ہجرت کی، اُن انتہائی خراب حالات میں بھی آپ چار ماہ تک کامل استقامت کے ساتھ دہلی میں مقیم رہے، جب کوئی آپ سے ہجرت کے لئے کہتا تو آپ فرماتے کہ ہم اپنے مشائخ کرام کی اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہیں جاسکتے، اِن حالات میں آپ خود مع فرزندان و مریدین، سراج الدین محمد ابوظفر بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے اور کتاب وسنت کے موافق بادشاہ کی فہمائش کی۔[۲]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جن علماء نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا، اس فتوے کے اولین محرک اور دستخط کنندہ آپ ہی تھے۔[۳]

آخر استخارہ مسنونہ کے بعد آپ ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں مع اہل وعیال حرمین شریفین کی طرف ہجرت کے لئے روانہ ہوئے اور راستے میں بے شمار مصائب کے باوجود آپ اپنے خلیفہ نامدار حضرت خواجہ حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء) کے پاس اُن کی خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لے گئے، حاجی صاحب نے نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا، حضرت حاجی دوست محمد قندھاری علیہ الرحمہ نے

---

[۱] شاہ ابوالحسن زید فاروقی، مقامات خیر، مطبوعہ دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۸۴

[۲] محمد اقبال مجددی، مقدمہ اثبات المولد والقیام، عربی (بحوالہ محمد معصوم شاہ، ذکر السعدین فی سیرۃ الوالدین، ص ۲۳)، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۴

[۳] محمد اقبال مجددی، مقدمہ اثبات المولد والقیام، عربی ص ۵ بحوالہ عبد اللطیف، روزنامچہ ۱۸۵۷ء، مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ کمال الدین حیدر، قیصر التواریخ، جلد ۲، ص ۴۵۔ غالب، خطوط۔ جلد ۲، ص ۵۴۔ محمد ایوب قادری، جنگ آزادی، ص ۴۰۷، ۴۰۸۔ عتیق صدیقی، اٹھارہ سو ستاون اخبار اور دستاویزیں، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۶ء، ص ۱۹۹

Marfat.com

اپنے خلیفہ مولوی رحیم بخش علیہ الرحمہ (متوفی ۱۲۸۳ھ) کو اسی وقت حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں انہیں خانقاہ شریف دہلی جانے کا حکم دیا، وہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔[۱]

موسیٰ زئی سے آپ بمبئی روانہ ہوئے، جہاں آپ کی تاریخ ورود ۲۳/مارچ ۱۸۵۸ء ہے، وہاں سے بحری جہاز میں سوار ہو کر حجاز کا قصد کیا۔[۲]

جہاز آخر شوال میں جدہ پہنچا، آپ نے ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء کا حج ادا کیا، یہاں کثرت سے لوگ داخل طریقہ ہوئے، چار مہینے مکہ معظمہ میں قیام فرما کر ربیع الاول ۱۲۷۵ھ میں اپنے فرزندوں اور درویشوں کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہوئے، اہل مدینہ بھی نہایت تعظیم وتکریم سے پیش آئے، خالد پاشا محافظ مدینہ منورہ حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، اور ایک مکان کرایہ پر لے کر اس کی کنجی حضرت کے پاس بھیج دی، یہ مکان محلہ مناخہ میں متصل مسجد حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھا، مدینہ منورہ کے قیام میں زیادہ حصہ مسجد نبوی میں گزرتا تھا، بہت سے لوگ مرید ہوئے۔[۳]

حضرت شاہ احمد سعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے باب میں تحریر ہے کہ آپ کسی کو برے الفاظ سے یاد نہیں کرتے تھے لیکن وھابیہ کی قباحت اور ان کے اقوال وافعال کے فریب سے آگاہ فرماتے رہتے تھے، آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ محمد مظہر مجددی مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولم یذکر احدا بالسوء الفرقۃ الوھابیۃ لتحذیر الناس من قباحۃ افعالھم واقوالھم"[۴]

۱۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی، مقامات خیر، مطبوعہ دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۸۹، ۹۰

۲۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۶۶۳

۳۔ حافظ احمد علی شوق، تذکرہ کاملان رامپور، مطبوعہ پٹنہ ۱۹۸۶ء، ص ۱۸

۴۔ المناقب الاحمدیہ والمقامات السعیدیہ، مطبوعہ قزان، ۱۸۹۶ء، ص ۱۷۶

Marfat.com

(حضرت شاہ احمد سعید قدس سرہٗ کسی کی برائی نہیں کرتے تھے سوائے وھابیہ کے گمراہ فرقہ کے تاکہ لوگوں کو ان کے افعال و اقوال کی قباحت سے ڈرائیں)

اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :

وکان قدس سرہٗ یقول ادنیٰ ضرر صحبتھم ان محبة النبي ﷺ التي ھي من اعظم ارکان الایمان تنقص ساعة فساعة لا یبقي منھا غیر الاسم والرسم فکیف یکون اعلاہ فالحذر الحذر عن صحبتھم ثم الحذر الحذر عن رؤیتھم فاحفظہ''۔[1]

(حضرت فرمایا کرتے تھے کہ وھابیوں کی صحبت کا معمولی نقصان یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت جو ایمان کے بڑے ارکان میں سے ہے، لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ نام ونشان کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ جاتا، جب معمولی ضرر کا یہ حال ہے تو بڑے نقصان کا کیا عالم ہوگا، لہٰذا ان کی صحبت سے بچو، ضرور بچو بلکہ ان کی صورت تک دیکھنے سے ضرور بالضرور اجتناب کرو۔)

آپ کی اولاد میں چار صاحبزادے حضرت عبدالرشید (متوفی ۱۲۸۷ھ)، حضرت عبدالحمید، حضرت محمد عمر (متوفی ۱۲۹۸ھ)، حضرت محمد مظہر (متوفی ۱۳۰۱ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ اور ایک صاحبزادی روشن آرا تھیں، حضرت عبدالحمید اور صاحبزادی روشن آرا کا بچپن میں انتقال ہوا، باقی تینوں صاحبزادے بزرگوار خلیفہ اور صاحب ارشاد ہوئے۔

حافظ احمد علی شوق نے تذکرہ کاملان رامپور، ص ۱۹، ۲۰ پر آپ کے خلفاء کی تعداد تہتر لکھی ہے، جب کہ حضرت شاہ محمد مظہر علیہ الرحمہ نے مناقب احمدیہ میں اسّی افراد کے نام لکھے ہیں، اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ کہاں تک آپ کے خلفاء اور اصحاب اجازت کے نام لکھوں وہ

---

[1] المناقب الاحمدیہ والمقامات السعیدیہ، مطبوعہ قزان، ۱۸۹۶ء، ص ۱۷۶

Marfat.com

بہت ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا ارشاد حسین رام پوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری وغیرہ مشہور ہیں۔

۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۷۰ء کو مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔[۱]

آپ کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں :

۱۔سعید البیان فی مولد سید الانس والجان (اُردو)

۲۔الذکر الشریف فی اثبات المولد المنیف (فارسی)

۳۔الفوائد الضابطہ فی اثبات الرابطہ (فارسی)

۴۔انہار اربعہ (فارسی)

۵۔تحقیق الحق المبین فی اجوبۃ المسائل الاربعین (فارسی)

۶۔اثبات المولد والقیام (عربی)

۷۔مکتوبات، آپ کے تمام مکاتیب تا حال جمع نہیں کئے گئے، صرف ایک سو سینتیس مکاتیب آپ کے خلیفہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری علیہ الرحمہ نے جمع کئے، جنہیں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (حیدآباد، سندھ) نے تحفہ زواریہ کے نام سے ۱۳۷۳ھ میں کراچی سے شائع کیا۔

۸۔فتاویٰ، آپ احیاناً فتویٰ بھی دیتے تھے لیکن کسی نے انہیں جمع نہیں کیا۔[۲]

---

[۱] تذکرہ کاملان رامپور، حافظ احمد علی شوق، مطبوعہ پٹنہ ۱۹۸۶ء
محمد مظہر مجددی مدنی، مناقب احمدیہ ومناقب سعیدیہ، فارسی، مطبوعہ دہلی ۱۲۸۴ھ

[۲] محمد اقبال مجددی، مقدمہ اثبات المولد والقیام، عربی، مطبوعہ خانقاہ موسیٰ زئی شریف ۱۳۹۹ھ، ص ۷۔۸

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی قدس سرہٗ

سراج الہند، حجۃ اللہ، آیۃ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی بن شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہم اللہ، ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، سلسلہ نسب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے،، پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کی اور کمالات ظاہری و باطنی بھی انہی سے حاصل کئے، بعض کتب حدیث شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ امین اللہ کشمیری سے پڑھیں، آپ کی ذات سے برصغیر پاک وہند میں علوم اسلامیہ خصوصاً تفسیر وحدیث کا بڑا چرچا ہوا۔

آپ کے شاگردوں میں مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی، مولانا مخصوص اللہ دہلوی، مولانا فضل حق خیر آبادی، شاہ ابوسعید دہلوی، شاہ احمد سعید مجددی دہلوی، مخدوم آل رسول مارہروی، شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی، شاہ رؤف احمد نقشبندی وغیرہ مشہور ہیں۔

۷ رشوال ۱۲۳۹ھ کو دہلی میں وصال فرمایا، ترکمان دروازہ کے باہر قبرستان مہندیاں میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ

حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم عمری دہلوی، ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ کو قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر (یوپی،، بھارت) میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا اور پندرہ سال کی عمر میں جملہ علوم متداولہ اور فنون متعارفہ سے فراغت حاصل ہوئی، سترھویں سال آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا، والد ماجد کی وفات کے بعد تقریباً بارہ سال تدریس وتعلیم میں مشغول رہے، ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین حاضر ہوئے، وہاں ایک سال قیام فرما کر شیخ ابو طاہر مدنی وغیرہ مشائخ سے حدیث کی روایت کی اور وہاں کے علماء وفضلاء کی صحبت سے

[1] احوال وآثار شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، خلیل احمد رانا، مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۱۴۱۸ھ

Marfat.com

مستفیض ہوئے، ۱۱۴۵ھ میں دوسرا حج ادا کر کے واپس دہلی آئے، آپ کی تصانیف مشہور ہیں، بعض لوگوں نے جعلی تصانیف بھی آپ کی طرف منسوب کر دیں، مثلاً ''قرۃ العین فی ابطال شہادت الحسین، جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ، بلاغ المبین، تحفۃ المواحدین، اشارہ مستمرہ، اورقول سدید۔ حال ہی میں آپ کے صحیح حالات وافکار پر مبنی کتاب ''القول الجلی فی ذکر آثار الولی'' (مخطوطہ) مؤلفہ شاہ محمد عاشق پھلتی، کاکوری ضلع لکھنؤ (بھارت) میں دستیاب ہوا ہے، شاہ محمد عاشق پھلتی علیہ الرحمہ، شاہ ولی اللہ کے قریبی عزیز اور شاگرد ہیں، اور یہ کتاب انہوں نے شاہ ولی اللہ کی حیات ہی میں لکھ کر اُن سے تصدیق کروائی، اس کتاب کا ذکر پُرانی کتابوں میں آتا رہا لیکن دستاب نہیں تھی، اب اس کتاب کے مخطوطے کا عکس ۱۹۸۹ء میں دہلی سے شائع ہو گیا ہے اور ۱۹۹۷ء میں کاکوری ضلع لکھنؤ سے اس کا اُردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے، پاکستان میں اس کا یہی اُردو ترجمہ ''مسلم کتابوی'' دربار مارکیٹ لاہور سے شائع ہو چکا ہے، اس کتاب کے شائع ہونے سے حضرت شاہ ولی اللہ کے عقائد کو غلط طور پر متعارف کرانے والوں کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوٹ گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء میں دہلی میں انتقال فرمایا۔[1]

شیخ ابوطاہر محدث کُردی مدنی قدس سرہٗ

شیخ ابو طاہر جمال الدین محمد عبدالسمیع بن ابراہیم الکردی المدنی الشافعی، ۲۱ر رجب ۱۰۸۱ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد اور دیگر ارباب کمال سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی نیز محدث محمد بن عبدالرسول برزنجی، حسن بن علی عجیمی، عبداللہ بن سالم بصری وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، حرم نبوی شریف میں درس دیتے تھے۔ دُور دُور سے طلباء نے آکر اکتساب علم کیا، رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ/ ۱۷۳۲ء میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا،

---

[1] شاہ ولی اللہ اور اُن کا خاندان، حکیم محمود احمد برکاتی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء
القول الجلی کی بازیافت، شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

Marfat.com

بقیع میں دفن ہوئے۔ [1]

شیخ ابراہیم محدّث کُردی قدس سرہٗ

شیخ العرفان برہان الدین ابراہیم بن حسن الشہر زوری الکردی الکورانی الشافعی ۱۰۲۵ھ میں پیدا ہوئے، والد بزرگوار کے علاوہ دیگر نامور علماء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی پھر بغداد میں دو برس قیام کرکے اکابر علماء ومشائخ سے استفادہ کیا، پھر چار سال شام میں گزار کر مصر ہوتے ہوئے حرمین آئے، یہاں شیخ قشاشی سے فیض یاب ہوئے، اُنہوں نے آپ کو تمام مرویات کی اجازت دے کر خرقہ خلافت پہنایا اور اپنی دختر کا نکاح ان سے کردیا، آپ حرم میں درس دیتے تھے، ۱۸ ربیع الاول ۱۱۰۱ھ کو وصال فرمایا اور بقیع میں دفن ہوئے۔ [2]

شیخ احمد محدّث قشاشی مدنی قدس سرہٗ

شیخ صفی الدین احمد بن محمد البدری القشاشی المدنی المالکی ۹۹۱ھ میں پیدا ہوئے، تعلیم وتربیت والد ماجد شیخ محمد مدنی سے پائی، ۱۰۱۱ھ میں والد ماجد کے ساتھ یمن کا سفر کیا، وہاں مشائخ یمن سے استفادہ کیا، پھر مکہ معظمہ آگئے، ایک عرصہ تک یہیں مقیم رہے، پھر مدینہ منورہ آکر مشائخ مدینہ اور شیخ احمد بن علی شاوی کی صحبت اختیار کی، ان کے جانشین ہوئے، تمام عمر حرم نبوی میں حدیث کا درس دیتے رہے، ۱۰۷۱ھ/ ۱۶۶۱ء میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں قُبہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے شرقی گوشہ میں دفن ہوئے۔ [3]

---

[1] سلک الدرر، ج ۲، ص ۷۲، انسان العین فی مشائخ الحرمین، مطبع احمدی دہلی ص ۱۳، ۱۴، الیانع الجنی فی اسانید شیخ عبد الغنی، طبع دہلی ۱۳۴۹ھ، ص ۲۰

[2] انسان العین فی مشائخ الحرمین، الانتباہ فی سلاسل اولیاء، سلک الدرر، ج ۱، ص ۵، ۶، الرحلۃ العیاشیہ، ج ۱، ص ۳۲۰، البدر الطالع، ج ۱، ص ۱۱، ۱۲، معجم المصنفین، ج ۳، ص ۱۰۴ تا ۱۰۷، ہدیۃ العارفین، ج ۱، ص ۳۵

[3] انسان العین فی مشائخ الحرمین، الانتباہ فی سلاسل اولیاء، الرحلۃ العیاشیہ، ج ۱، ص ۴۰۷ تا ۴۲۹، خلاصۃ الاثر، ج ۱، ص ۳۴۳ تا ۳۴۶، الفہرس الفہارس، ج ۲، ص ۳۲۰، ہدیۃ العارفین، ج ۱، ص ۱۶۱

Marfat.com

شیخ احمد محدّث الشناوی المصری قدس سرہٗ

شیخ ابوالمواہب احمد بن علی الشناوی المصری المدنی الشہیر بالحنائی ۹۷۵ھ میں مصر کے مشہور محلہ روح میں پیدا ہوئے، علوم ظاہری کی تکمیل مصر کے مشہور محدّث شیخ شمس الدین رملی اور دوسرے علماء سے کی، پھر مدینہ منورہ آکر طریقت کی تعلیم سید صبغۃ اللہ سندھی سے لی، ان ہی سے خرقہ خلافت ملا، ۸/ ذی الحجہ ۱۰۲۸ھ کو مدینہ منورہ میں وصال ہوا اور بقیع میں دفن ہوئے۔[۱]

شیخ محمد بن احمد محدّث رملی قدس سرہٗ

شیخ شمس الدین محمد بن احمد الرملی المنوفی الانصاری الشافعی المصری، جمادی الاوّل ۹۱۹ھ میں منوفہ (مصر) میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کیا پھر تمام دینی تعلیم اپنے والد بزرگوار شیخ احمد رملی سے حاصل کی، حدیث کی سند شیخ الاسلام زکریا انصاری اور شیخ برہان الدین ابی شریف سے حاصل کی، تفسیر، حدیث، فقہ کا درس دیتے تھے، آپ کا شمار مجدّدین میں ہوتا ہے، ۱۳/ جمادی الاوّل ۱۰۰۴ھ کو مصر میں وصال ہوا۔[۲]

شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری محدّث مصری قدس سرہٗ

شیخ الاسلام ابویحییٰ زین الدین زکریا محمد الانصاری الخزرجی السنیکی ثم القاہری الشافعی ۸۲۳ھ میں سنیکہ (مصر) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن یہیں مکمل کیا، پھر قاہرہ آئے اور جامعہ ازہر میں علوم اسلامیہ کی تکمیل کی، علامہ ابن حجر عسقلانی کے علاوہ سینکڑوں شیوخ سے استفادہ کیا اور افتاء وتدریس کی اجازت لی، آپ کی عمر سو سال سے زیادہ

---

[۱] انسان العین فی مشائخ الحرمین، الانتباہ فی سلاسل اولیاء، خلاصۃ الاثر، ج ۱،ص ۲۴۳ تا ۲۴۶، ہدیۃ العارفین، ج ۱،ص ۱۵۴

[۲] خلاصۃ الاثر، ج ۳،ص ۳۴۲ تا ۳۴۸، المجددون فی الاسلام،ص ۳۷۴ تا ۳۷۶، تاج العروس مادہ، رمل

تھی، بڑھاپے میں کھڑے ہو کر نفل ادا کرتے تھے، ۳/ ذی قعدہ ۹۲۶ھ کو وصال ہوا۔[1]

شیخ ابن حجر محدّث عسقلانی قدس سرہٗ

شیخ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی عسقلانی المعروف ابن حجر المصری القاہری الشافعی، شعبان ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے، بچپن میں والدین کا سایہ اُٹھ گیا، یتیمی کی حالت میں پرورش پائی، پانچ برس کی عمر سے تعلیم کا آغاز کیا، نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر حج پر چلے گئے، وہاں تعلیم حاصل کی، شیخ زین الدین ابراہیم محدّث تنوخی سے سند حدیث لی، اس کے علاوہ بہت سے شیوخ حدیث سے بھی اجازت ہے، جن میں مصر، شام، قطیہ، غزہ، رملہ، اور قدس شریف کے شیوخ ہیں، پھر قاہرہ آگئے، آپ کی ذات جامع کمالات تھی، ۲۸/ ذی الحجہ ۸۵۲ھ کو وصال ہوا۔[2]

شیخ زین العابدین ابراہیم بن احمد محدّث تنوخی قدس سرہٗ

شیخ ابوالاسحاق زین الدین ابراہیم بن احمد التنوخی البعلی ثم الشامی، ۷۰۹ھ میں پیدا ہوئے، دمشق میں تعلیم و تربیت پائی، علم فقہ مصر میں پڑھا، جن شیوخ سے روایت حدیث کی اجازت ہے ان کی تعداد چار سو ہے، علم حدیث میں بڑا کمال حاصل تھا، ۸۰۰ھ میں وصال ہوا۔[3]

---

[1] الکواکب السائرۃ، ج۱، ص ۱۹۶ تا ۲۰۷، النور السافر، ص ۱۲۰ تا ۱۲۵، شذرات الذہب، ج۸، ص ۱۳۴ تا ۱۳۶، البدر الطالع، ج ۲، ص ۲۵۲، ۲۵۳، فہرس الفہارس، ج۱، ص ۳۴۲، ۳۴۵، ہدیۃ العارفین، ج۱، ص ۳۷۴

[2] شذرات الذہب، ج۷، ص ۲۷۰، ۲۷۳، البدر الطالع، ج۱، ص ۸۷ تا ۹۲، فہرس الفہارس، ج۱، ص ۲۳۶ تا ۲۵۰، ہدیۃ العارفین، ج۱، ک ۱۵۴، بستان المحدثین، ص ۱۲۶ تا ۱۲۹، اتحاف النبلاء، ص ۱۹۳ تا ۱۹۷

[3] الدرر الکامنہ، ج۱، ص ۱۱، فہرس الفہارس، ج۱، ص ۱۵۷

Marfat.com

شیخ ابوالعباس احمد بن ابی طالب محدّث حجار قدس سرہٗ

شیخ ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ابی طالب حجار الصالحی ۶۲۴ھ سے قبل پیدا ہوئے، ۶۳۰ھ میں دمشق میں محدث زبیدی سے صحیح بخاری کا سماع کیا اور اپنے عہد کے نامور محدثین سے حدیثیں سنیں، پھر حدیث کا درس دینا شروع کیا، بہت طویل عمر پائی، ۲۵؍ صفر ۷۳۰ھ کو عصر کے وقت وصال ہوا۔[1]

شیخ سراج الدین حسین بن مبارک محدّث زبیدی قدس سرہٗ

شیخ ابوعبداللہ سراج الدین حسین بن مبارک زبیدی بغدادی حنفی ۵۴۶ھ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید مختلف قرأت سے پڑھ کر علوم وفنون کی تکمیل کی، اپنے دادا شیخ ابوالوقت سے فقہ وحدیث پڑھی، وزیر ابوالمظفر بن ہبیرہ کے مدرسہ میں درس حدیث دیتے تھے، نہایت نیک اطوار، متواضع اور بااخلاق تھے، ۲۳؍ صفر ۶۳۱ھ میں وصال فرمایا، جامع منصور بغداد میں دفن ہوئے۔[2]

شیخ عبدالاوّل بن عیسیٰ السجزی محدّث ہروی قدس سرہٗ

شیخ ابوالوقت عبداللہ بن عیسیٰ السجزی ۴۵۸ھ میں پیدا ہوئے، ہرات میں تعلیم وتربیت پائی، ۵۰۲ھ میں بغداد میں شیخ عبدالرحمن بن محمد بن مظفر داؤدی اور دوسرے مشائخ سے حدیث کا سماع کیا، علم حدیث میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، ۶؍ ذی قعدہ ۵۵۲ھ کو وصال ہوا اور شونیزیہ بغداد میں دفن ہوئے۔[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ، ج ۱۴، ص ۱۵۰، الدرر الکامنہ، ج ۱، ص ۱۴۳، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث، ص ۳۱۰، شذرات الذہب، ج ۶، ص ۹۳، فہرس الفہارس، ج ۱، ص ۲۵۲

[2] الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، ج ۱، ص ۲۱۶، ذیل تذکرۃ الحفاظ، از محمد زاہد کوثری، ص ۲۵۹، شذرات الذہب، ج ۵، ص ۱۴۴، تاج العروس، (مادہ زب د

[3] وفیات الاعیان، ج ۱، ص ۳۳۱، النجوم الزاہرہ، ج ۵، ص ۳۲۸، ۳۲۹، شذرات الذہب، ج ۴، ص ۱۶۶، اتحاف النبلاء، ص ۳۰۲

Marfat.com

شیخ عبدالرحمن بن محمد بن مظفر محدّث داوَدی قدس سرہٗ

شیخ ابوالحسن جمال الاسلام عبدالرحمن بن محمد بن مظفر داوَدی، ۳۷۴ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد نیشاپور میں فقہ کی تعلیم حاصل کی، ابوعلی دقاق اور ابوعبدالرحمن سلمی سے تصوف کی تحصیل کی، محدّث ابوالحسن بن الصلت سے بغداد میں، ابوعبداللہ الحافظ سے نیشاپور میں اور ابومحمد ابن ابی شریح وغیرہ سے بوشنج میں حدیثوں کا سماع کیا، پھر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، بخاری شریف کا سماع ابومحمد عبداللہ سرخسی سے بچپن میں ۳۸۱ھ میں ہوا، شوال ۴۶۷ھ میں وصال ہوا اور بوشنج میں دفن ہوئے۔ [۱]

شیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد محدّث سرخسی قدس سرہٗ

شیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد سرخسی، ۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے، اپنے زمانے کے اکابر محدّثین سے حدیث کا سماع کیا، شیخ محمد بن یوسف فربری کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے، راوی صحیح بخاری کے الفاظ سے مشہور تھے، ماہ ذی الحجہ ۳۷۳ھ میں وصال ہوا۔ [۲]

شیخ ابوعبداللہ محمد بن یوسف محدّث فربری قدس سرہٗ

شیخ ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری الشافعی ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے، علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد اہل علم سے حدیثیں سُنیں، فربر میں علی بن خشرم سے حدیثیں سنیں، امام بخاری سے دومرتبہ صحیح بخاری کا سماع کیا، پہلی مرتبہ اپنے وطن فربر میں ۲۴۸ھ میں اور دوسری مرتبہ مصنف کے وطن بخارا میں ۲۵۲ھ میں، ۳ر شوال ۳۲۰ھ کو وصال ہوا، فربر بخارا سے متصل دریائے جیحوں کے کنارے چھوٹا قصبہ ہے۔ [۳]

---

۱ کتاب المنتظم، ج ۸، ص ۲۹۶، کتاب العبر، ج ۳، ص ۲۶۵، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج ۳، ص ۲۲۸، ۲۲۹، فوات الوفیات، ج ۱، ص ۲۶۲، ۲۶۳، شذرات الذیب، ج ۳، ص ۳۲۷

۲ کتاب العبر، ج ۳، ص ۱۷، النجوم الزاہرہ، ج ۴، ص ۱۶۱، شذرات الذہب، ج ۳، ص ۱۰۰

۳ کتاب العبر، ج ۲، ص ۱۸۲ تاج العروس، (مادہ ف رر) اتحاف النبلاء، ص ۳۸۵ وفات الاعیان، ج ۳، ص ۴۱۷

Marfat.com

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل شافعی محدّث بخاری قدس سرہٗ

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل شافعی بخاری، ۱۳؍شوال ۱۹۴ھ کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم علامہ داخلی سے حاصل کی، سولہ سال کی عمر میں عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابوں کو یاد کرلیا تھا، پھر علم حدیث کے لئے مکہ کا سفر کیا، اس کے علاوہ اور بھی دور دراز کے سفر کئے، بے مثال قوت حافظہ کے مالک تھے، سماع حدیث میں اساتذہ کی فہرست طویل ہے، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں بڑا مقام تھا، تقریباً بائیس کتابیں تصنیف کیں، یکم شوال ۲۵۶ھ کو باسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا، عید کے دن ظہر کے بعد دفن ہوئے۔[۱]

حضرت ابوکلیم محمد صدیق فانی خوش نویس رحمۃ اللہ علیہ نے ’’اربعین سعیدی‘‘ کا مسودہ راقم کے سپرد کیا کہ اس پر نظر ثانی اور اس کی تخریج وحوالہ جات مکمل کریں، زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، جب بھی مکمل ہوجائے تو اسے شائع ضرور کرانا۔

عربی، فارسی اور اُردو میں اربعین لکھنے کا سلسلہ اسلاف سے چلا آرہا ہے، حال ہی میں مشہور محقق الحاج محمد عالم مختار حق (متوفی ۶؍مارچ ۲۰۱۴ء لاہور) کی تحقیقی کتاب ’’اُردو میں اربعینات‘‘ کا پہلا اڈیشن ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۵ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے، اس میں انہوں نے سات سو چوبیس (۷۲۴) اربعینات کا تعارف کرایا ہے، اربعین سعیدی بھی ان اربعینات کی فہرست میں اضافہ ہے۔

حضرت محمد صدیق ابن حاجی مراد علی قادری ۱۹۴۲ء میں بٹالہ ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب، ہندوستان) میں پیدا ہوئے، قیام پاکستان کے بعد خانیوال میں رہائش اختیار کی، ابتدائی تعلیم خانیوال ہی میں حاصل کی اور ۱۹۵۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا،

---

[۱] بستان المحدثین، تہذیب الاسماء واللغات، وفیات الاعیان، تذکرۃ الحفاظ، طبقات الشافعیہ، البدایہ والنہایہ، مرآۃ الجنان، تہذیب التہذیب، ہدیۃ العارفین اتحاف النبلاء وغیرہ

Marfat.com

حضرت امام بخش نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (جڑانوالہ، فیصل آباد) سے بیعت تھی، امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ (فیصل آباد) اور غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ (ملتان) سے بہت عقیدت رکھتے تھے، ذریعہ معاش کے طور پر کتابت اور خوش نویسی کے پیشہ کو اختیار کیا، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور تلاوت قرآن سے قلبی لگاؤ تھا، جمعہ کے روز سورۃ الکہف کی تلاوت کرتے، ایک مرتبہ راقم سے فرمایا کہ اس سورۃ کی تلاوت کی برکت سے فقیر کو اصحاب کہف کی زیارت نصیب ہوئی، انتہائی منکسر المزاج اور شرم وحیا کے پیکر تھے، ۱۹۷۳ء میں خشکی کے راستے بغداد شریف کی زیارت کے بعد حج کیا، ۲۵؍نومبر ۲۰۰۶ء کو وصال ہوا، آپ کی وصیت کے مطابق وہ قمیض جسے پہنے ہوئے آپ کو حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تھی اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے مزار مبارک کی چادر آپ کے کفن میں رکھی گئی، بعد نماز عشاء جامعہ عنایتیہ خانیوال کے قریب پارک میں آپ کی نماز جنازہ جگر گوشۂ غزالی زماں پروفیسر مظہر سعید کاظمی مدظلہٗ العالی نے پڑھائی، راقم الحروف بھی نماز جنازہ میں شامل تھا، راقم کے سامنے حضرت پروفیسر قبلہ مظہر سعید کاظمی مدظلہٗ نے نماز جنازہ سے پہلے آپ کے چہرہ کی زیارت کی، دیکھتے ہی فرمایا ’’ارے یہ تو جنتی ہیں‘‘۔

الحمد للہ راقم نے حضرت فانی صاحب علیہ الرحمہ سے ’’اربعین سعیدی‘‘ کی تکمیل کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا، اللہ کریم جل جلالہٗ اس کوشش کے وسیلہ سے راقم الحروف اور اس کے والدین اور تمام مومنین ومومنات کی بخشش فرمائے۔ اللھم آمین

احقر فقیر

خلیل احمد عفی عنہ

Marfat.com

اربعین سعیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضیلت حفظِ حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث یاد کرنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔
بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من حفظ علي امتي اربعين حديثاً في امر و فيها بعثه الله فقها وكنت له شافعاً يوم القيامة وشهيدا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا:

"کسے کہ یاد گیر دو بر ساند امت مرا چہل حدیث از کار دین ایشاں... بر انگیزد ادرا خدائے تعالیٰ روز قیامت در زمرہ فقہاء... و باشم من مر ادرا روز قیامت شفاعت کنندہ مر گناہاں اورا و گواہی دہندہ بر طاعت او"۔ [۱]

---

[۱] اشعۃ اللمعات، جلد اول، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۴ء، ص ۱۸۶

Marfat.com

یعنی جو شخص یاد کرے اور پہنچائے میری اُمت کو چالیس احادیث جو ان کے امر دین سے ہوں، اُٹھائے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن فقہاء کے زمرہ میں اور میں اس کے لئے اس کے گناہوں کی شفاعت کرنے والا اور اس کی طاعت پر گواہی دینے والا ہوں گا۔

ابن عدی نے الکامل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

من حفظ علي اُمتي اربعين حديثا من السنة كنت له شفيعاً وشهيداً يوم القيٰمة، نیز ابن نجار نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا من حفظ علي اُمتي اربعين حديثا من سنتي ادخلته يوم القيٰمة في شفاعتي۔ [1]

بیہقی کی روایت کے متعلق امام احمد (بن حنبل) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "هذا متن مشهور فيما بين الناس وليس له اسناد صحيح" اور امام نووی نے اپنی اربعین میں کہا کہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کے طرق متعددہ ہیں جس کی وجہ سے اس حدیث میں قوت پیدا ہوگئی۔ [2]

روایت ابن عباس کو امام سیوطی نے ضعیف قرار دیا اور حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصحیح فرمائی۔ (جامع الصغیر، جلد دوم)

اس میں شک نہیں کہ آئمہ کبار نے ان احادیث کو تلقی بالقبول کے ساتھ اور ان پر عمل کرکے ان کے مقبول اور حجت ہونے کو تسلیم کرلیا ہے، کیونکہ علماء کبار سلف و خلف نے

---

[1] جامع الصغیر لسیوطی، ج ۲ ص ۱۴۹۔ الفتح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، حدیث ۱۱۷۰۴، ۱۱۷۰۵، ۱۱۷۲۹

[2] اشعۃ اللمعات، جلد اول، مطبوعہ نول کشور ۱۸۹۴ء ص ۱۸۷

Marfat.com

اربعین تصنیف کی ہیں، اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اور اپنی مغفرت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے اُمیدوار ہوئے۔

قطع نظر اس سے کہ ضعاف فضائل اعمال میں مقبول ہیں، اس امر میں کسی شک وشبہ کے لئے گنجائش باقی نہیں کہ احادیث مذکورہ قابل قبول حجت شرعیہ ہیں کیونکہ تینوں احادیث ایک دوسرے کے لئے شاہد ہیں، اور حدیث ابوسعید خدری کے صحیح ہونے کی تصریح تو خود امام جلال الدین سیوطی نے فرمادی ہے۔

خلاصہ یہ کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کرنا اور انہیں مسلمانوں تک پہنچانا ایسی فضیلت اور اجروثواب کا موجب ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن فقہاء کے گروہ میں اُٹھایا جائے گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لئے شفیع اور شہید ہوں گے، بشرطیکہ ایمان اور اخلاص کامل کے ساتھ یہ عمل ہو، اور مرتے دم تک کوئی ایسا گناہ سرزد نہ ہو جس سے یہ نیکی ضائع ہو جائے، کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے انما الاعمال بالخواتیم (مشکوٰۃ، باب الایمان)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان، اخلاص اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے، آمین

Marfat.com

حدیث نمبر (۱)

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

عمر بن خطاب رضي الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: انما الاعمال بالنيات وانما لكل امريء ما نوىٰ فمن كانت هجرته الي دنيا يصيبها او الي امرأة ينكحها فهجرته الي ما هاجر اليه۔ [1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعمال صرف نیتوں سے ہے اور انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی، تو جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اس کو پہنچے یا کسی عورت کی طرف ہو کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

محدثین کرام اپنی تالیفات میں عموماً اس حدیث کو پہلے لکھتے ہیں، اس سے ان کی مراد اخلاص، قصد اور تصحیح نیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہوتی ہے۔

ابوداؤد کا قول ہے کہ وہ آٹھ سو حدیثیں ہیں جن میں مسائل دینیہ کی تفصیل ہے، انسان کو اپنے دین کے لئے ان میں سے چار حدیثیں کافی ہیں۔

۱۔ الاعمال بالنیات (عمل صرف نیت میں)

۲۔ الحلال بین و الحرام بین الخ (حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر)

۳۔ من حسن اسلام المرءِ ترکہ مالا یعنیہ۔ (آدمی کے حسن اسلام یہ بات کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو اسے نفع نہ دے)

۴۔ لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ۔ (اس وقت تک مومن

---

[1] بخاری شریف، کتاب بدء الوحی، حدیث ۱

Marfat.com

نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے مومن بھائی کے لئے اس چیز کو پسند نہ کرے جسے اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

معلوم ہوا کہ حدیث الاعمال بالنیات ایک ہزار حدیثوں کے برابر ہے۔

قاضی عیاض نے کہا! آئمہ فرماتے ہیں کہ حدیث ثلث اسلام، دین کا تہائی حصہ ہے۔[۱]

آئمہ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقدیر حدیث اس طرح ہے (صحۃ الاعمال بالنیات) اعمال کی صحت نیتوں سے ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "ثواب الاعمال لا یکون الا بالنیۃ" عملوں کا ثواب بغیر نیت کے نہیں ہوتا۔

جن کاموں سے ثواب متعلق ہوتا ہے وہ دو قسم ہیں، عبادت مقصودہ، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وغیرہ اور عبادت غیر مقصودہ، جیسے وضو، غسل، طہارت وغیرہ، عبادات غیر مقصودہ کی وہ حقیقت جو شرعاً معتبر ہے صرف ثواب ہے، اگر ثواب کو ان عبادتوں سے الگ کرلیا جائے تو ان کی حقیقت ہی باقی نہ رہے اور عبادات غیر مقصودہ کی حقیقت ثواب نہیں ہوتی وہ کسی عبادت مقصودہ کے لئے آلہ ہوتی ہیں، اگر ثواب کو ان سے علیحدہ کرلیا جائے تو وہ عبادات مقصودہ کے لئے آلہ رہیں گی۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر عمل کا ثواب نیت سے ہے، نیت ہوگی تو ثواب ہوگا ورنہ نہیں۔

اگر عبادات مقصودہ میں نیت نہ کی تو ان کا ثواب نہیں ہوگا، اور چونکہ ان کی حقیقت ثواب ہی تھی لہٰذا اس کے نہ ہونے سے ان کی حقیقت باطل ہوجائے گی اور شرعاً عبادتیں صحیح نہ ہوں گی، جیسے نماز روزہ وغیرہ میں اگر نیت نہ کی جائے تو نماز روزہ صحیح نہ ہوگا، اور اگر عبادات

---

[۱] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (عربی) طبع ملتان، ص ۴۲

Marfat.com

غیر مقصودہ میں نیت نہ کی جائے تو ثواب نہ ہوگا، لیکن ان عبادتوں کی حقیقت چونکہ عین ثواب نہیں اس لئے باوجود ثواب نہ ہونے کے یہ کام شرعاً صحیح قرار پائیں گے، مثلاً غسل و وضو وغیرہ بغیر نیت کے صحیح ہیں نماز کا آلہ ہونے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں اگرچہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے ثواب سے خالی ہیں۔

اگر اس مقام پر یہ شبہ پیدا کیا جائے کہ تیمم بھی عبادت غیر مقصودہ ہے اور وہ بھی بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیمم میں جو نیت فرض ہے وہ حصول ثواب کے لئے نہیں بلکہ تیمم کو وضو کے قائم مقام کرنے کے لئے ہے، حصول ثواب کے لئے نیت ثواب بالکل علیحدہ ہے، اگر وہ نیت ہوگی تو ثواب ہوگا، ورنہ تیمم ہو جائے گا ثواب نہ ملے گا۔

ایک اعتراض کا جواب

"انما الاعمال بالنیات" یعنی عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے لہذا علماء دیوبند کی عبارتوں میں اگرچہ کلماتِ توہین پائے جاتے ہیں مگر ان کی نیت توہین اور تنقیص کی نہیں اس لئے اُن پر حکم کفر عائد نہیں ہوسکتا۔

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ حدیث کا مفاد صرف اتنا ہے کہ کسی نیک عمل کا ثواب نیت ثواب کے بغیر نہیں ملتا، یہ مطلب نہیں کہ ہر عمل میں نیت معتبر ہے، اگر ایسا ہو تو کفر و الحاد اور توہین و تنقیص نبوت کا دروازہ کھل جائے گا، ہر دریدہ دہن بے باک جو چاہے گا کہتا پھرے گا، جب گرفت ہوگی تو صاف کہہ دے گا کہ میری نیت توہین کی نہ تھی، واضح رہے کہ لفظ صریح میں جیسے تاویل نہیں ہوسکتی، ایسے ہی نیت کا عذر بھی اس میں قابل قبول نہیں ہوتا، اکفار الملحدین ص ۷۳ پر مولوی انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں:

" المدار في الحكمبالكفر علي الظواهر ولانظر للمقصودوالنيات ولانظرلقرائن حاله۔"

Marfat.com

ترجمہ: کفر کے حکم کا دارو مدار ظاہر پر ہے قصد و نیت اور قرائن حال پر نہیں۔

نیز اسی اکفار الملحدین کے ص ۸۶ پر ہے :

" وقد ذکر العلماء ان التهور في عرض الانبياء وان لم يقصد السب كفر "

ترجمہ: علماء نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں جرأت و دلیری کفر ہے، اگرچہ توہین مقصود نہ ہو۔

(توہین کا تعلق عرف عام اور محاورات اہل زبان سے ہوتا ہے)

بعض لوگ کلمات کے معنی میں قسم قسم کی تاویلیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اگر کسی تاویل سے معنی مستقیم بھی ہو جائیں اور اس کے باوجود عرف عام و محاورات اہل زبان میں اس کلمہ سے توہین کے معنی مفہوم ہوتے ہوں تو وہ سب تاویلات بے کار ہوں گی، مثلاً ایک شخص اپنے والد یا استاد کو کہتا ہے کہ آپ بڑے ولد الحرام ہیں، اور تاویل یہ کرتا ہے کہ لفظ حرام کے معنی فعل حرام نہیں بلکہ محترم کے ہیں، جیسے المسجد الحرام اور بیت اللہ الحرام، لہٰذا ولد الحرام سے مراد ولدِ محترم ہے، اور معنی یہ ہیں کہ آپ بڑے ولد محترم ہیں، تو یقیناً کوئی اہل انصاف کسی بزرگ کے حق میں اس تاویل کی رُو سے لفظ ولد الحرام بولنے کو قطعاً جائز نہیں رکھے گا، اور ان کلمات کو بر بنائے عرف و محاوراتِ اہل زبان کلماتِ توہین ہی قرار دے گا۔

لہٰذا ہم ناظرین کرام سے درخواست کریں گے کہ وہ علمائے دیوبند کی توہین آمیز عبارات پڑھتے وقت اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھیں کہ عرف و محاورہ کے اعتبار سے اس عبارت میں توہین ہے یا نہیں ؟

Marfat.com

(توہین رسول اللہ ﷺ میں قائل کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا)

ناظرین کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ توہینی عبارات پڑھتے ہوئے یہ خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ قائل کی نیت توہین کی ہے یا نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین آمیز الفاظ بولتے وقت نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، اور کلمہ توہین بہر صورت توہین ہی قرار پاتا ہے، بشرطیکہ قائل کو یہ علم ہو جائے کہ یہ کلمہ کلمۂ توہین ہے، یا یہ کلمہ توہین کا سبب ہو سکتا ہے، تو ایسی صورت میں بغیر نیت توہین کے بھی اس کلمے کا بولنا یقیناً موجب توہین ہوگا، دیکھئے صحابۂ کرام رسول اللہ ﷺ کو بہ نیت تعظیم راعنا کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے، لیکن یہودی چونکہ اس کلمہ کو حضور ﷺ کے حق میں بہ نیت توہین استعمال کرتے تھے، یا ادنیٰ تصرف سے اس کو کلمۂ توہین بنا لیتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو راعنا کہنے سے منع کر دیا، اور اس حکم کے بعد اس کلمہ کا حضور ﷺ کے حق میں بولنا توہین اور موجب عذاب الیم قرار دے دیا، معلوم ہوا کہ ابنائے زمانہ کی رکیک تاویلوں سے ساحتِ نبوت بہت بلند و بالا ہے، اور مؤلین (تاویل کرنے والے) کی من گھڑت تاویلات ان کو توہین کے جرم عظیم سے بچا نہیں سکتیں، جیسا کہ ہم اس سے پہلے مولوی انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی کی تصریحات اسی اعتراض کے جواب میں نقل کر چکے ہیں۔

توہین کا دارو مدار واقعیت پر نہیں ہوتا

بعض لوگ توہین کو واقعیت پر موقوف سمجھتے ہیں، حالانکہ توہین و تنقیص کا تعلق الفاظ و عبارات سے ہوتا ہے، بسا اوقات کسی واقعہ کو اجمال کے ساتھ کہنا موجب توہین نہیں ہوتا، لیکن اسی امر واقعہ میں بعض تفصیلات کا آجانا توہین کا سبب ہو جاتا ہے، اگرچہ ان تفصیلات کا بیان واقعہ کے مطابق بھی کیوں نہ ہو، ملاحظہ فرمائیے، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مجتبائی، ص ۶۴، بار سوم ۱۹۰۷ء میں ہے۔

Marfat.com

''عالم میں کوئی شئے ایسی نہیں جس کے ساتھ ارادۂ الٰہیہ متعلق نہ ہو، اور اس بناء پر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی مراد (یعنی ارادہ کی ہوئی) ہے تو اس میں کوئی توہین نہیں، لیکن اگر اسی واقعہ کو اس تفصیل سے کہا جائے کہ ظلم، چوری، شراب خوری اللہ تعالیٰ کی مراد ہے، تو اگرچہ یہ کلام واقعہ کے مطابق ہے، لیکن ظلم فسق وغیرہ کی تفصیلات آجانے کے باعث خلاف ادب اور توہین آمیز ہو گیا، اسی طرح بدلیل آیۂ قرآنیہ اللہ خالق کل شیٔ یہ کہنا بالکل جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے کا خالق ہے، لیکن اللہ خالق القاذورات وغیرہا (اللہ تعالیٰ گندگیوں اور دوسری بری چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے) کہنا جائز نہیں، کہ ذلیل اور رذیل اشیاء کی تفصیل ایہام کفر کی وجہ سے یقیناً موجب توہین ہے''۔ (ملخصاً)

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی آخری تصنیف ''بوادر النوادر'' میں بھی یہی لکھا ہے کہ ''اسی لئے حق تعالیٰ کو خالق کل شیٔ کہنا درست ہے، اور خالق الکلاب والخنازیر (کتوں اور سوروں کا خالق) کہنا بے ادبی ہے''۔ بوادر النوادر ص ۲۰۹

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کی روشنی میں ہمارے ناظرین کرام پر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی عبارت حفظ الایمان کا توہین ہونا بخوبی واضح ہو گیا ہو گا، اور تھانوی صاحب نے اپنی عبارت کی تائید کے لئے ''شرح مواقف'' کی عبارت سے استدلال کیا ہے، اس کا بے سود ہونا بھی اہل علم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بعض علم غیب حیوانات و بہائم اور پاگلوں کو ہوتا ہے، تب بھی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی طرح یہ کہنا کہ اگر حضور ﷺ کے لئے بعض علم غیب مانا جائے تو ایسا علم غیب تو ہر زید و عمرو اور ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے، یقیناً حضور ﷺ کے حق میں موجبِ توہین ہو گا، کیونکہ اس عبارت میں بچوں، پاگلوں، حیوانات اور بہائم کے الفاظ ایسے ہیں جن کی تصریح ہر اہل فہم کے نزدیک

Marfat.com

اس کلام میں ایسی صریح توہین پیدا کر رہی ہے، جس کا انکار بجز معاند متعسف کے کوئی شخص نہیں کرسکتا، بخلاف عبارت شرح مواقف کے کہ اس میں بچوں، پاگلوں، جانوروں اور حیوانوں کی قطعاً کوئی تفصیل مذکور نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند کی اکثر عبارات اسی نوعیت کی ہیں کہ ان میں کہیں چوہڑے چمار کی تفصیل مذکور ہے، کہیں شیطان لعین کی، اس لئے ہمارے منقولہ بالا بیان کی روشنی میں علماء دیوبند کی ایسی عبارات کا توہین آمیز ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہے، اوران میں جو تاویلات کی جاتی ہیں، ان سب کا لغو و بے کار ہونا اظہر من الشمس ہے۔[1]

---

[1] مقالات کاظمی، حصہ سوم، مطبوعہ ساہیوال ۱۹۸۷ء، ص ۲۷۸۔ الحق المبین، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء، ص ۱۹

Marfat.com

حدیث نمبر (۲)

پنجتن پاک

بسم الله الرحمن الرحیم

''محمد بن المثني قال ثنا بكر بن يحيي بن زبان العنزي قال ثنا مندل عن الاعمش عن عطية عن ابي سعيد الخدري قال قال رسول الله ﷺ نزلت هذه الاٰية في خمسة في وفي علي رضي الله عنه وحسن رضي الله عنه وحسين رضي الله عنه وفاطمه رضي الله عنها انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا''[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت ''پنجتن'' کی شان میں نازل ہوئی ہے، میری شان میں اور علی رضی اللہ عنہ کی اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کہ جزیں نیست اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اے اہل بیت کہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تمہیں پاک کردے خوب پاک کردے۔

پنجتن کے معنی ہیں پانچ افراد، اور ان سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، حسنین کریمین، سیدہ فاطمہ زہرا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں، اور آیت تطہیر ان پانچوں مقدسین کے بارے میں نازل ہوئی، جس میں ویطہرکم تطہیرا موجود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں پاک کردے پاک کرنا، جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ پنجتن واقعی پاک ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جب خود اپنی زبان مبارک سے ''خمسۃ'' کا لفظ فرمادیا اور خمسہ سے

---

[۱] علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ بیروت (لبنان) ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ج ۲۲ ص ۵

Marfat.com

اپنی مراد کو ظاہر فرمانے کے لئے تفصیل ارشاد فرمادی اور صاف صاف ارشاد فرمادیا کہ آیہ تطہیر کی شان نزول یہ پانچ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک قرار دیا، تو اب اس کے بعد کسی شقی القلب کا یہ کہنا کہ معاذ اللہ پنجتن کو پاک کہنا جائز نہیں اور پنجتن آیہ تطہیر میں داخل نہیں، بارگاہ رسالت سے بغاوت اور اور اللہ کے رسول کی تکذیب نہیں تو اور کیا ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک اس کا مقصد یہ نہیں کہ معاذ اللہ ان پانچ کے سوا ہم کسی کو پاک نہیں مانتے، ہمارے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی آیہ تطہیر میں شامل ہیں، اسی لئے ہم ان کے ساتھ مطہرات کا لفظ لازمی طور پر استعمال کرتے ہیں اور ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار مقدس محبوب بندے اور بندیاں یقیناً پاک ہیں اور ہم ان کی پاکی کا اعتقاد رکھتے ہیں، لیکن پنجتن پاک بولنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ حدیث منقولہ بالا میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے خمسۃ کا کلمہ مقدسہ ادا ہوا، پھر ان کی تفصیل بھی خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی اور ان کی شان میں آیہ تطہیر کے نزول کا ذکر فرمایا۔ اگر پنجتن پاک کے لفظ کا یہ مفہوم لیا جائے کہ معتقدین پنجتن کے نزدیک ان پنجتن کے سوا کوئی پاک ہی نہیں تو معاذ اللہ یہ الزام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر بھی عائد ہوگا، کیونکہ خمسۃ کا لفظ زبان رسالت کا ارشاد ہے، معلوم ہوا کہ پنجتن کو پاک کہنے والے سب سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس کلمہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پاکی انہیں پانچ میں منحصر ہے اور معاذ اللہ ان پانچ کے سوا کوئی اور پاک نہیں، بلکہ یہ بھی پاک ہیں اور ان کے سوا وہ سب پاک ہیں جن کی پاکی پر کتاب وسنت سے دلیل قائم ہے۔ [1]

---

[1] ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ اکتوبر ۱۹۶۲ء، ص ۲۲۔۲۳

Marfat.com

حدیث نمبر (۳)

حدیث قسطنطنیہ

اوّل جیش من اُمتي یغزون مدینة قیصر مغفورٌ لھم۔[۱]

ترجمہ: میری اُمت میں سے جس نے مدینہ قیصر پر پہلے چڑھائی کی ان کے لئے بخشش ہے۔

بعض لوگ اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ "مغفورٌ لھم" میں یزید بن معاویہ داخل ہے، کیوں کہ اس نے مدینہ قیصر پر پہلے چڑھائی کی اور وہ اس لشکر میں شامل تھا، مستدلین مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ مراد لیتے ہیں اور یزید کو "مغفورلھم" میں شامل کرتے ہیں۔ تو عرض ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا، اُس وقت قسطنطنیہ (ترکی) مدینہ قیصر نہیں تھا، بلکہ اُس وقت حِمص (شام) مدینہ قیصر تھا، اور حمص پر یزید بن معاویہ نے چڑھائی نہیں کی، بلکہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے چھ ماہ پہلے حمص پر لشکر بھیجا تھا، چھ ماہ یہ لشکر جنگ کرتا رہا، فتح حاصل نہ ہوئی، ۲۲/جمادی الثانی ۱۳ھ سنہ میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال فرمایا، لشکر وہیں رہا، جب حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو مزید کمک بھیجی، پھر حمص فتح ہوا، جہاد کی ابتداء دور صدیقی میں ہوئی اور انتہا دورفاروقی میں ہوئی۔

لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا ہی غلط ہے، کیونکہ مدینہ قیصر اس وقت حمص تھا اور اس پر یزید نے چڑھائی نہیں کی۔ اگر میں علی السبیل التنزل مان لوں کہ مدینہ قیصر اس وقت قسطنطنیہ تھا تو پھر میں کہوں گا کہ اوّل تو یزید اوّل جیش میں داخل ہی نہیں اور اوّل جیش کا مصداق یزید نہیں ہوسکتا، اگر جیش میں داخل ہو تو یہ ایک ایسا لفظ ہے جو جماعت پر بولا جاتا

---

[۱] بخاری شریف، جلد اوّل طبع کراچی، ص ۴۰۱

Marfat.com

ہے، ایک کو جیش نہیں کہتے، لفظ جیش "عام" ہے اور تمام افراد کو شامل ہے۔

قرآن کریم میں ہے: "والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثة قروءٍ (سورۃ بقرہ، آیت ۲۲۸)" اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک"۔

اس آیت میں "المطلقٰت" عام ہے اور تمام افراد کو شامل ہے، جس طرح حاملہ عورت "المطلقٰت" میں شامل ہے اسی طرح یزید بھی جیش میں شامل ہے مگر "مغفور لھم" کا حکم اس پر نہیں لگے گا، کیونکہ دلیل خاص سے اس کا استثناء ثابت ہے اور جس چیز کا استثناء دلیل خاص سے ثابت ہو جائے وہ چیز حکمِ عام میں داخل نہیں ہوتی، جیسے لفظ "مطلقٰت" بغیر الف لام کے، اس کا معنی ہے تین کا مجموعہ، یعنی اس میں "جمعیت" ہے، جب اس پر "الف لام" داخل کیا گیا، جیسے "المطلقٰت" تو جمعیت ختم ہوگئی، اب ایک سے لے کر لا تعداد کی تعداد اس میں داخل ہے، "مطلقٰت" کہیں گے تو اس میں تین طلاق والی شامل ہوں گی اور "المطلقٰت" کہا تو اس میں ہر طلاق والی شامل ہے، کیونکہ "المطلقٰت" عام ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں حکم عام مذکور ہے کہ طلاق والیاں تین حیض گزاریں، لیکن دوسری جگہ دلیل خاص مذکور ہے کہ جو عورتیں حاملہ ہیں ان کی مدتِ عدت وضع حمل ہے۔

قرآن کریم میں ہے: " واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (سورۃ الطلاق، آیت ۴)" اور حمل والیوں کی معیاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں"۔

"واولات الاحمال" دلیل خاص ہے اور " یتربصن بانفسھن" دلیل عام ہے، اب "اولات الاحمال" اس میں شامل نہیں رہیں گی، کیونکہ جس چیز کا استثناء دلیل خاص سے ہو، وہ عام میں داخل نہیں ہوتی۔

یزید کا دلیل خاص سے استثناء اس طرح ہے، دلیل خاص حدیث شریف ہے:

"جو شخص کہ اہل مدینہ سے بدی کا ارادہ کرے گا اور ان کو ایذا پہنچانے کی غرض سے کسی

Marfat.com

مقام پر کھڑا ہو گا، وہ شہنشاہ جبار کے عذاب میں گرفتار ہو گا اور آگ میں مانند رانگ کے اور نمک کے پانی میں پگھل جائے گا"۔ [1]

دوسری حدیث :

"اے اللہ جو شخص میرے اور میرے اہل شہر کے ساتھ برائی کا خیال کرے اس کو جلد ہلاک کر"۔ [2]

تیسری حدیث :

"من اخاف اهل المدينة ظالماً اخافه الله وكانت عليه لعنة الله والملٰئكة والناس اجمعين"

"جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے اس کو اللہ تعالیٰ ظلماً ڈراتا ہے اور اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے"۔ [3]

اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں کی اور جمیع مؤمنین کی لعنت، اسی طرح نمک کی طرح پانی میں پگھلنا، مغفرت میں مطابقت نہیں رکھتا، ثابت ہوا کہ ان احادیث نے یزید کو جیش سے مذکورہ قاعدہ کے تحت نکال دیا، یہاں اتنی بات ضرور یاد رکھیں کہ حدیث میں اگر تعدد طرق کی بنا پر تفاوت ہو جائے تو صحت حدیث میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

اب کون نہیں جانتا کہ یزید نے مدینہ منورہ والوں پر ظلم نہیں کیا، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ (متوفی ۹۳ھ) جو کبار تابعین میں ہیں، مسلم بن عقبہ کے پاس لائے گئے اور کہا یزید کی بیعت کرو، سعید بن مسیب نے فرمایا کہ میں نے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم کی سیرت پر بیعت کی، مسلم بن عقبہ نے کہا کہ میں ان کی گردن مارنے کا حکم دیتا ہوں، ایک آدمی نے کھڑے

---

[1] جذب القلوب الی دیار المحبوب، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (اردو ترجمہ) طبع کراچی ص ۳۱

[2] جذب القلوب ص ۳۱ [3] جذب القلوب ص ۳۲

Marfat.com

ہو کر گواہی دی کہ یہ مجنون ہے تو مسلم بن عقبہ نے ان کے جرم سے در گزر کیا۔ [۱]

یزید اگر جیش میں داخل ہے تو دلیل میں یہ جو احادیث ہیں انہوں نے یزید کو خارج کر دیا، قاعدہ یاد رکھیں کہ ''کل'' کا لفظ جہاں بھی آئے تو قرآن پاک میں یا حدیث پاک میں، اس سے وہ تمام احوال جن کی دلیل خاص سے تخصیص ہو گئی ہو، مستثنیٰ ہوں گے، اس سے ثابت ہوا کہ تخصیص کی ایک صورت قرآن کی قرآن سے اور حدیث کی حدیث سے ہے۔ [۲]

---

[۱] جذب القلوب، ص ۴۰

[۲] ہفت روزہ ''احوال'' کراچی، شمارہ ۲۵/اپریل تا یکم مئی ۱۹۹۱ء۔ ''نوائے انجمن'' کاظمی نمبر، شمارہ مارچ، اپریل ۱۹۹۳ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۴)

وسیلہ

عن انس بن مالك ان عمر بن الخطاب كان اذا قحطوا استسقي بالعباس بن عبد المطلب فقال اللّٰهم اناكنا نتوسل اليك بنبينا صلي الله عليه وسلم فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا قال فيسقون۔ رواه البخاري[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے بارانِ رحمت طلب کرتے، اور کہتے کہ اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں (بلا واسطہ) تیرے نبی علیہ السلام کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا تو ہمیں سیراب فرمادیا کرتا تھا، اے مولا! ہم (اب) تیری بارگاہ قدس میں تیرے پیارے نبی علیہ السلام کے چچا کا وسیلہ لے کر حاضر ہوئے ہیں، ہمیں سیراب فرمادے (اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ) وہ سیراب کردیئے جاتے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ طلب حاجات میں اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے، منکرین وسیلہ کی طرف سے اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث سے زندوں کا وسیلہ پکڑنا جائز ثابت ہوتا ہے، مُردوں کا نہیں، اسلئے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ تھے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو اسی حدیث سے فوت شدہ بزرگوں کے توسل کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ حدیث میں مذکور ہے، کہ اے اللہ ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے، اب تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ پکڑتے ہیں، صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ پکڑتے تھے، اگر کسی بزرگ کے فوت ہوجانے کے بعد اس

---

[1] صحیح البخاری، (نور محمد کراچی) جلد اوّل، صفحہ ۱۳۷

Marfat.com

کا وسیلہ جائز ہوتا تو صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی حضور ہی سے توسل کرتے، حضور کی بجائے حضرت عباس سے توسل کرنا اس بات کی دلیل ہے، کہ کسی بزرگ کے فوت ہو جانے کے بعد اس سے توسل جائز نہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حدیث مبارک میں نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں توسل مذکور ہے، جس میں زندہ اور مردہ کا کوئی تفاوت نہیں، اور نہ حدیث کا کوئی لفظ فوت شدہ بزرگوں سے توسل کی نفی پر دلالت کرتا ہے، رہا یہ امر کہ صحابہ کرام حضور سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضور کا توسل نہیں کرتے تھے، قطعاً غلط ہے، نہ اس حدیث میں حضور ﷺ سے وسیلہ نہ کرنا مذکور ہے اور نہ کسی اور حدیث میں اس کی نفی ہے، بلکہ بکثرت احادیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ صحابہ کرام حضور سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد بھی سرکار سے توسل کو جائز سمجھتے تھے، اس بات میں حدیثِ اعرابی رفع شبہات کے لئے کافی ہے۔ [۱] جس میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام کی موجودگی میں وہ اعرابی سید عالم ﷺ کے مزار مقدس پر حاضر ہوا، اور سرکار دو عالم ﷺ سے توسل کیا، وہ اعرابی اپنے گناہوں کی مغفرت کی حاجت لے کر مزار پر انوار پر حاضر ہوا تھا، سرکار ابد قرار کے توسل کی برکت سے اس کی حاجت پوری ہوئی اور قبرِ انور سے آواز آئی "ان اللہ قد غفر لك" بے شک اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہوں کو معاف کر دیا۔

نیز مشکوٰۃ شریف باب الکرامات (مطبوعہ کراچی، ص ۵۴۵) میں ہے:

"حدثنا ابوالجوزاء اوس بن عبدالله قال: قحط اهل المدينة قحطاً شديداً فشكوا الي عائشة فقالت: انظروا قبر النبي ﷺ فاجعلوا منه كواً الي السماء حتيٰ لا يكون بينه وبين السماء سقفٌ ـ قال: ففعلوا، فمطرنا مطراً حتي نبت العشب، وسمنت الابل حتي تفتّقت من الشحم،

---

[۱] تفسیر احکام القرآن للقرطبی، ج ۵، ص ۲۶۵، مطبوعہ مکہ مکرمہ۔ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ مکتبہ اولاد الشیخ للتراث، قاہرہ ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء، ج ۴، ص ۱۴۰

Marfat.com

فسمي عام الفتن (رواه الدارمي)۔[1]

''حضرت ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ ایک سال اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شکایت لائے، انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اقدس کو دیکھو اور مزار اقدس سے ایک روشن دان آسمان کی طرف کھول دو، یہاں تک کہ مزار انور اور آسمان کے درمیان چھت نہ ہو، اہل مدینہ نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی حتیٰ کہ جانوروں کا چارہ بھی بکثرت پیدا ہوا اور اونٹ چربی سے خوب موٹے ہو گئے، اور معلوم ہوتا تھا کہ چربی سے پھٹے جاتے ہیں، تو اس سال کا نام عام الفتن رکھ دیا گیا۔ (اس حدیث کو دارمی نے روایت کیا ہے)

حضرت ملا علی قاری ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری میں بھی قحط سالی اور خشک سالی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسل کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصال اقدس کے بعد بھی مزار انور سے توسل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسل کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل کی برکت سے خلق اللہ اسی طرح خوشحال ہوئی جس طرح پہلے ہوتی تھی، اس مبارک حدیث سے آفتاب عالمتاب سے زیادہ روشن اور واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد بھی حضور سے توسل کرتے تھے اور دونوں توسلوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ دیکھئے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات میں بھی بارانِ رحمت کی طلب اور قحط سالی دور ہونے کے لئے توسل کیا گیا، اور وصال کے بعد بھی قبر انور سے خشک سالی دور ہونے اور باران نازل ہونے کے لئے توسل کیا گیا، اب معترض کا یہ کہنا کہ فوت شدہ بزرگوں سے توسل نہ کرتے تھے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

البتہ یہاں ایک شبہ باقی رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ جب زندہ اور فوت شدہ دونوں قسم کے کے بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خاص موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے حضرت عباس سے توسل کیوں کیا؟

---

[1] سنن دارمی، دار المغنی للنشر والتوزیع، ریاض، سعودی عرب ۱۴۲۰ھ، ج ا ص ۲۲۷

Marfat.com

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ یہاں حضرت عباس کی ذات سے توسل نہیں، یہ توسل بھی حضور سید عالم ﷺ ہی سے ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "انا نتوسل الیك بعم نبینا"۔ اے اللہ ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں، عم مضاف ہے نبی کی طرف یعنی حضرت عباس سے جو توسل کیا جا رہا ہے، وہ نسبت اور اضافت کی بنا پر ہے، جو انہیں حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ ہے، اس نسبت سے قطع نظر کر کے توسل نہیں، جب توسل کا دارومدار اس نسبت و اضافت پر ہوا، تو ثابت ہوا کہ یہ توسل حضرت عباس سے نہیں، بلکہ حضور ﷺ سے ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ قبل الوصال حضور ﷺ سے بلا واسطہ توسل ہوتا تھا، اور یہ توسل بالواسطہ ہے۔

اور بالواسطہ توسل میں حکمت یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام ہمیشہ بلا واسطہ توسل کرتے، اور حضور سید عالم ﷺ کی ذات گرامی کا بغیر واسطہ کے وسیلہ اختیار کرتے رہتے، نیز سرکار مدینہ ﷺ کے کسی غلام کے واسطہ سے کبھی توسل نہ کرتے، تو منکرین وسیلہ کہہ دیتے کہ حضور ﷺ کے سوا کسی سے توسل جائز ہی نہیں، یہ اگر جائز ہوتا تو صحابہ کرام کبھی تو کسی غیر نبی کا وسیلہ پکڑتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے توسل کر کے اس دعویٰ پر دلیل قائم کر دی کہ جس طرح حضور ﷺ سے بلا واسطہ توسل جائز ہے، اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے واسطہ سے بھی بلا شبہ توسل جائز اور صحیح ہے، اب قیامت تک ہر ولی اور بزرگ کے واسطہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کا جواز ظاہر ہو گیا۔

مختصر یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل فرما کر توسل کو آگے بڑھایا، اور وسیلہ کو عام کیا، اور اس امر پر نص فرما دی کہ یہ توسل حضور ﷺ کے ساتھ نسبت اور اضافت پر مبنی ہے، لہٰذا قیامت تک اللہ تعالیٰ کا جو نیک بندہ بھی اس نسبت اور اضافت کے شرف سے مشرف ہو، اس کے ساتھ وسیلہ اختیار کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔[1]

---

[1] ماہنامہ "القائد" ملتان، شمارہ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ/ جولائی ۱۹۵۰ء

Marfat.com

حدیث نمبر(۵)

علم"ماکان ومایکون"

عن عمر رضي الله تعالیٰ عنه قال قام فينا رسول الله صلي الله عليه وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتي دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذالك من حفظه ونسيه من نسيه رواه البخاري۔[1]

ترجمہ: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں ابتداء پیدائش عالم سے خبر دینی شروع کی یہاں تک کہ جنتی اپنی جگہوں میں داخل ہو گئے اور دوزخی اپنی جگہوں میں داخل ہو گئے، اس بیان مبارک کو جس نے (جتنا) یاد رکھا، یاد رکھا، اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

تشریح

حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ابتداء عالم سے انتہا تک کائنات کا حال بیان فرمادیا، اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم شریف میں بایں الفاظ مروی ہے: " عن عمرو بن اخطب الانصاري رضي الله عنه قال صلّي بنا رسول الله ﷺ يوماً الفجر وصعد علي المنبر فخطبنا حتي حضرت الظهر فنزل فصلي ثم صعد المنبر فخطبنا حتي حضرت العصر ثم نزل فصلي ثم صعد المنبر فخطبنا حتي

---

[1] بخاری، ج ۲، پ ۱۳، کتاب بدء الخلق۔ مشکوٰۃ، جلد ۳

Marfat.com

غربت الشمس فاخبرنا بما هو کائن الی یوم القیٰمة قال فاعلمنا احفظنا[1]

''حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہو کر ہمیں خطبہ سنایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے اُترے اور نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر رونق افروز ہو گئے اور خطبہ فرمایا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا، حضور ﷺ نے منبر سے اُتر کر عصر کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ فرمایا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، اس دوران میں (فجر سے مغرب تک) حضور سید عالم ﷺ نے ہمیں اُن تمام چیزوں کی خبر دی جو ہو گئیں اور جو ہونے والی ہیں، ہم میں جو سب سے زیادہ علم والا تھا وہ ہم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی بیان فرمودہ چیزوں کو یاد رکھنے والا تھا''۔

بخاری و مسلم کی ان دونوں حدیثوں سے حضور سید عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے تمام ماکان و مایکون کا علم روز روشن کی طرح ثابت ہوا، منکرین صاحبان ان دونوں حدیثوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں کہ حضور ﷺ نے ابتداء سے انتہا تک تمام مخلوق کے حالات بیان فرما دیئے، بلکہ قرب قیامت کے فتنے مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب جو فتنے پیدا ہونے والے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان فتنوں کو فجر سے مغرب تک بیان فرمایا۔

منکرین کے اس جواب سے یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے کہ ان کے دل آقائے نامدار تاجدار مدنی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی عداوت سے لبریز ہیں، وہ ایک آن کے لئے بھی اس بات کو گوارہ نہیں کر سکتے کہ حضور ﷺ کے لئے کوئی کمال ثابت ہو، دونوں حدیثوں کے الفاظ پر غور فرمائیے، پہلی حدیث جو بخاری کی روایت ہے، اس میں

---

[1] مسلم شریف، جلد ثانی ص ۳۹۰

Marfat.com

صاف موجود ہے " فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ " حضور ﷺ نے ابتداء خلق سے ہمیں خبر دی، یہاں تک کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو گئے، دوسری حدیث جو مسلم نے روایت کی ہے، اس میں یہ جملہ صراحۃً موجود ہے " فَاَخْبَرَنَا بِمَا کَانَ وَ بِمَا هُوَ کَائِنٌ " رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اُن تمام چیزوں کی خبر دی جو ہو چکیں اور جو ہونے والی ہیں۔

قارئین کرام انصاف فرمائیں گے کہ دونوں میں سے ایک حدیث میں بھی فتنوں کا ذکر نہیں، بلکہ ابتداء سے انتہا تک تمام مخلوقات کے حالات کی خبر دینا مذکور ہے، اور تمام گذشتہ اور آئندہ چیزوں سے اخبار وارد ہے، ایسی صورت میں حدیثوں کو فتنوں کی خبر میں منحصر کرنا فتنہ شدیدہ میں مبتلا ہونا نہیں تو اور کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ منکر ہمارے آقا و مولا ﷺ کے علم اقدس کی وسعتوں کا ذکر نہیں سُن سکتا، اس کی دلی عداوت اسے مجبور کرتی ہے کہ باوجود اقامتہ دلیل کے حبیب خدا ﷺ کی وسعت علمی کو سمیٹ کر کسی نہ کسی طرح تنگی اور اختصار کے دائرہ میں محصور و مقصور کیا جائے۔

اَب دیکھئے محدثین اور شارحین حدیث ان دونوں حدیثوں کا کیا مطلب بیان کرتے ہیں:

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے تحت ارقام فرماتے ہیں "والغرض انه اخبر عن المبداء والمعاش والمعاد جمیعاً" (اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مبداء اور معاش اور معاد سب کی خبر دی)، اس کے بعد فرماتے ہیں "و فیه دلالة علی انه اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من ابتدائها الی انتهائها وفی ایراد ذالك كله فی مجلس واحد امر عظیم من خوارق العادة و كیف وقد اعطی جوامع الكلم مع ذالك"

Marfat.com

(اور اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ حضور ﷺ نے ابتداء سے انتہا تک ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے تمام احوال کی خبر دی اور اس سب کا ایک ہی مجلس میں وارد فرمانا خوارق عادۃ سے اعظم (یعنی عظیم الشان معجزہ) ہے، اور اس کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے، حالانکہ عظیم الشان معجزہ کے باوجود حضور ﷺ کو جوامع الکلم (بے شمار معانی کثیرہ کو جمع کرنے والے) بھی عطا فرمائے ہیں)۔[1]

علامہ عینی کی اس ایمان افروز عبارت نے منکرین کی عیاری کا پردہ چاک کر دیا اور واضح طور پر بتا دیا کہ سید عالم ﷺ نے صرف فتنوں ہی کا بیان نہیں فرمایا بلکہ ابتداء سے انتہا تک مخلوقات کے تمام احوال کو بیان فرما دیا، حضور اکرم سید عالم ﷺ کے اس بیان مبارک پر منکرین ہی کو شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صبح سے شام تک ایک دن میں مخلوقات کے تمام احوال ابتداء سے انتہا تک کس طرح بیان فرما دیئے، مومن کے دل میں تو اس شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں، کیونکہ وہ اپنے آقا و مولا ﷺ کے معجزات عظیمہ پر ایمان رکھتا ہے، وہ جانتا ہے جس ذات مقدسہ کو یہ طاقت حاصل ہے کہ زمین پر کھڑے ہو کر آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے فرما سکتے ہیں اور ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لا سکتے ہیں، بلکہ اپنے رب کریم کے حکم سے رات کے قلیل ترین حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے ساتوں آسمانوں اور عرش و کرسی تک جا کر واپس آ سکتے ہیں، اُن کے لئے یہ کیا دشوار ہے کہ صبح سے شام تک ایک دن میں ابتداء عالم سے انتہا تک ذرہ ذرہ کے تمام احوال کو بیان فرما دیں۔ والحمد للہ علی امانہ۔[2]

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: جلد سابع ص ۲۱۴۔ ۲۱۵

[2] ماہنامہ "قائد" ملتان، شمارہ ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ/ستمبر ۱۹۵۰ء، ص ۳۰۔ ۳۱

Marfat.com

حدیث نمبر (۶)

ایمان دار کون؟

"عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ (متفق علیہ)"[۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان دار نہ ہوگا کوئی فرد تمہارا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں (یہ حدیث بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کا مومن کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہونا بایں معنی ہے کہ اس کے اعتقاد میں رضائے رسول اللہ ﷺ ہر شخص کی رضا پر مقدم ہو، اور اس کا عقیدہ ہو کہ رضائے رسول کے خلاف کسی کی رضا قابل اعتناء نہیں، باپ ہو یا بیٹا، یا دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی کیوں نہ ہو، جس کی رضا رضائے رسول کے خلاف ہو وہ یقیناً واجب الرد ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی فرض وواجب اور لازم وضروری ہے، اس اعتقاد کا مفاد یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے نزدیک باپ، بیٹا اور بیٹی اور تمام جہان کے لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں، کیونکہ تقدیم رضا جوئی اَحبیت کی دلیل ہے، محبت کے معنی ہی یہ ہیں کہ محب کے اعتقاد میں محبوب کی رضا سب پر مقدم ہو، اگر بتقاضائے بشریت عملاً اس سے کوئی فروگذاشت ہو جائے اور وہ رضائے رسول کے خلاف ورزی کا گناہ کر بیٹھے، جیسے کوئی شخص احکام خداوندی پر ایمان رکھتے ہوئے حکم عدولی کرے، لیکن اس کا اعتقاد اس وقت بھی یہی ہو کہ جو کچھ میں نے کیا ہے، وہ معصیت ہے، میرے لئے ضروری تھا کہ حکم خداوندی اور رضائے رسول کو اپنی ہوائے نفس

---

[۱] بخاری شرف، کتاب الایمان

Marfat.com

پر مقدم رکھتا، بایں معنی رسول اللہ ﷺ ہر مومن کے نزدیک اس کے ماں باپ اولاد اور تمام جہان کے لوگوں سے یقیناً زیادہ محبوب ہیں، دنیا میں کوئی ایسا مسلمان نہیں جو رضائے رسول کو ہر شخص کی رضا پر مقدم نہ سمجھتا ہو اور یہ اعتقاد نہ رکھتا ہو، اس اعتقاد کے ساتھ اس کی حکم عدولی اور خلاف ورزی فسق وفجور ضرور ہے، لیکن اس کو دائرۂ ایمان سے خارج نہیں کرتی، ہاں اگر عمل بھی اس اعتقاد کے موافق ہو جائے تو یہ مومن مناسباتِ ایمان اور مقتضیات اسلام کا حامل ہو کر صالحیت کے درجاتِ عالیہ پر بھی فائز ہو سکتا ہے۔

حدیث مذکور اس مفہوم میں بالکل صریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان نہیں ہوتا، نہ صرف محبت بلکہ سارے جہان سے زیادہ حضور ﷺ کی محبت جب تک نہ ہو گی، مومن ہونا متصور نہ ہو گا۔

اگر اس مقام پر یہ کہہ دیا جائے تو بعید از صواب نہ ہو گا کہ جس کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے، محب کے دل میں اسی کی صورت نقش ہو جاتی ہے، اسی لئے وہ کسی وقت محبوب کو نہیں بھولتا۔ میت کو جب قبر میں رسول اللہ ﷺ کا جمال مبارک اور صورت زیبا نظر آئے گی اور اس وقت فرشتے اس سے سوال کریں گے ما تقول فی ھذا الرجل؟ بتا اس ذات مقدسہ کے متعلق کیا کہتا ہے؟ انہیں پہچانتا ہے یا نہیں؟ اس وقت مومن، جس کے دل میں حضور ﷺ کی محبت سب سے زیادہ ہو گی، فوراً حضور ﷺ کو پہچان لے گا اور کہے گا کہ یہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اور کافر، جو حضور ﷺ کی محبت سے قطعاً محروم رہنے کے باعث اپنے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت جمیلہ کا نقشِ جمیل نہیں رکھتا، وہ قطعاً نہیں پہچانے گا اور انتہائی پریشانی کی حالت میں کہے گا "ھاہ ھاہ لا ادری ھاہ ھاہ لا ادری" ہائے ہائے میں نہیں جانتا، ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی محبت کا سب سے زیادہ ہونا ہی ایمان اور موجب حصولِ نجات ہے۔

Marfat.com

علامت محبت

اس مقام پر یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ تمام اسلامی فرقے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے مدعی ہیں، محبت ایسی چیز نہیں ہے جو ظاہر ہو، اس کا تعلق دل سے ہے، اور ظاہر ہے کہ دلوں کا حال ہمیں معلوم نہیں ہوسکتا، ایسی صورت میں ہم کس گروہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا محب قرار دے کر اسے مومن سمجھیں اور کس فرقہ کے دعوائے محبت کو غلط جان کر اسے ناری قرار دیں۔

اس اُلجھن کو دُور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دین متین اور عقلِ سلیم کی روشنی میں محبت کا ایسا معیار تلاش کریں جس کے ذریعہ حقیقت واقعیہ منکشف ہو جائے اور ہم بخوبی جان لیں کہ اصلی محبت کا حامل کون ہے؟

اس سلسلہ میں بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ محبت کا معیار محبوب کی اتباع اور اس کی پیروی ہے، قاعدہ ہے ان المحب لمن یحب مطیع "محب محبوب کا مطیع اور طابع فرمان ہوتا ہے"۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: " قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" "میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا"۔

آیۃ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ محبت کی شرط تباع واطاعت ہے، لہٰذا جو گروہ متبع سنت اور پابندِ شریعت ہے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا محب اور صحیح معنی میں مومن ہے۔

اس کے متعلق گذارش ہے کہ اتباع واطاعت جسے معیارِ محبت قرار دیا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوالِ مبارکہ و اعمالِ مقدسہ کے مطابق مطلقاً عمل کرنے کا نام اتباع واطاعت ہے، یا اس میں کوئی قید بھی ملحوظ ہے؟

اگر "مطلق عمل"، یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان اعمال مقدسہ کی صرف نقل کو اتباع واطاعت قرار دیا جائے، جن کی موافقت شرعاً مطلوب ہے تو تمام منافقین اور اعداء دین حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متبع اور اللہ تعالیٰ کے محبوب قرار پائیں گے، جو باوجود منافق ہونے

Marfat.com

اور اپنے دل میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت رکھنے کے نماز روزہ اور دیگر اعمال حسنہ کرتے تھے، قرآن وحدیث سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ منافقین کلمۂ شہادت پڑھتے تھے، نمازیں ادا کرتے اور مسجدیں بھی تعمیر کراتے تھے، جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے، صحاح کی حدیثوں میں یہاں تک وارد ہوا کہ ایک بے دین وگمراہ قوم آخر زمانہ میں پیدا ہوگی، وہ قرآن پڑھے گی مگر قرآن اِن کے گلوں سے نیچے نہیں اُترے گا، سچے اور خاص مسلمان ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اپنی نمازوں کو حقیر جانیں گے، ایسی صورت میں اس ظاہری اتباع واطاعت اور سنن کریمہ کی نقل کو کیونکر معیارِ محبت اور دلیل ایمان قرار دیا جاسکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن کریمہ اور آپ کے اقوال واعمال مقدسہ کی نقل محض اتباع واطاعت نہیں، نہ یہ نقل خاص معیارِ محبت اور دلیل ایمان ہے، یہ تو نری نقالی ہے جو کسی حال میں محمود ومستحسن نہیں ہوسکتی، بلکہ اگر ایسی نقالی کو تضحیک وتمسخر پر محمول کیا جائے تو بعید از عقل نہ ہوگا، اس لئے ضروری ہے کہ اتباع واطاعت کے معنی پر غور کیا جائے اور صحیح معیارِ محبت تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔

اتباع واطاعت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فاتبعونی یحببکم اللہ فرما کر ہمیں بتادیا کہ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت ہے، محبوب کا دشمن کبھی محبوب نہیں ہوسکتا، پھر خدا کے محبوب کا دشمن خدائے قدوس کا محبوب کیونکر ہوسکتا ہے؟ ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ میں اتباع کے معنی بغیر محبتِ رسول کے ان کے سنن کریمہ کو نقل کرنا نہیں، بلکہ فاتبعونی کے معنی یہ ہیں کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے نشہ میں مخمور اور ان کے جذباتِ اُلفت سے مجبور ہوکر بتقاضائے الفت ومحبت ان کی اداؤں کے سانچہ میں ڈھل جاؤ، یہ اتباع قطعاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی دلیل ہے، مگر بات جہاں تھی وہیں رہی، سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ

Marfat.com

فلاں گروہ یا فلاں شخص حضور سید عالم ﷺ کی الفت ومحبت کے ساتھ ان کی سنن کریمہ پر عمل کر رہا ہے، اور فلاں آدمی بغیر محبت کے محض نقالی میں مصروف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ محبت کا صحیح معیار نہ ملنے کی وجہ سے ہم اس اشکال کو حل کرنے سے عاجز رہے، آئیے دین متین کی روشنی میں محبت کا صحیح معیار تلاش کریں۔

حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عن ابی الدرداء عن النبی ﷺ قال حبك الشئی ویصم " کہ انسان کو جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ محبت اس کو (محبوب کا عیب دیکھنے سے) اندھا اور (محبوب کا عیب سننے سے) بہرا کر دیتی ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ محبت کی نا قابل تردید دلیل اور صحیح معیار یہ ہے کہ مدعی محبوب کی آنکھ اور کان، محبوب کا عیب دیکھنے اور سننے سے پاک ہو، عقل سلیم کے نزدیک بھی محبت کا صحیح معیار یہی ہے، کیونکہ محبت کا مرکز حسن وجمال ہے، یہ ممکن ہی نہیں کہ محبت والی آنکھ کو محبوب کی ذات میں کوئی عیب نظر آئے، اور اگر کسی کو محبوب میں عیوب اور نقائص نظر آتے ہیں تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے۔

اسی معیار پر موجودہ اسلامی فرقوں کو پرکھ لیجیے، کوئی گروہ خلفاء راشدین اور محبوبین رسول اللہ ﷺ کو کافر و منافق کہہ کر ذات پاک مصطفیٰ ﷺ پر کفر و نفاق کی محبت کا عیب لگا رہا ہے، کوئی آل اطہار کی شان میں گستاخی کر کے سرور عالم کی شان گھٹا رہا ہے، کسی نے آقائے نامدار ﷺ کے کمالِ خاتمیت کا انکار کر کے تنقیص شان نبوت پر کمر باندھی ہوئی ہے، کوئی جماعت تاجدار مدنی ﷺ کی مقدس حدیثوں کی حجت کا انکار کر کے سرکار کی توہین میں مصروف ہے، کسی نے آقائے دو عالم ﷺ کے کمالاتِ علمیہ وعملیہ کا انکار کر کے تنقیصِ رسالت کی، کوئی کہتا ہے (نعوذ باللہ) وہ مر کر مٹی میں مل گئے، وہ ہمارے جیسے بشر اور بڑے بھائی کے برابر ہیں (نعوذ باللہ) ان کا علم شیطان اور ملک الموت سے بھی کم ہے، کوئی علی الاعلان کہہ رہا ہے کہ ان سے بے شمار غلطیاں ہوئیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کیا۔

Marfat.com

معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی اس حقیقت کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ عقل وشرع سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اہل محبت کو محبوب میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، نہ ان کا کان محبوب کا عیب سن سکتا ہے تو جس قوم کا شب وروز یہی وطیرہ ہو کہ قرآن وحدیث اور دلائل عقلیہ ونقلیہ سے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں عیوب ونقائص ثابت کرنے کے درپئے ہو، وہ کیونکر سرکار کی محبت کے دعویٰ میں صادق ہوسکتی ہے؟ محبت والی آنکھ کو محبوب کا واقعی عیب نظر نہیں آتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بے عیب ہیں، جسے بے عیب میں عیب نظر آئے اس کا دعوائے محبت کہاں تک درست ہوگا۔

چشمِ بد اندیش کہ بر کندہ باش
عیب نماید نہرش در نظر

[1]

---

[1] ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ مارچ ۱۹۶۳ء، ص ۸ تا ۱۰

Marfat.com

حدیث نمبر(۷)

کمال عبدیت

لاتطروني كما اطرت النصاري ابن مريم فانما انا عبده فقولوا عبدالله ورسوله (بخاري-مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے نہ بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا، میں اللہ کا صرف عبد ہوں، لہٰذا تم مجھے عبداللہ ورسولہ کہو۔

"یہ حدیث صحیحین (بخاری ومسلم) کی متفق علیہ ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ مجھے الوہیت اور معبودیت کے درجہ تک نہ بڑھاؤ ، جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہہ کر انہیں اِلٰہ اور معبود بنایا اور مقام عبدیت ورسالت سے بڑھا کر معبودیت اور الوہیت تک پہنچا دیا۔

جو لوگ اس حدیث کو پڑھ کر رسول اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رسالت اور کمال عبدیت بیان کرنے سے روکتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شان رسالت اور کمال عبدیت کے مقام پر اور مرتبہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں مبالغہ ممکن نہیں، اس لئے کہ عبدیت ورسالت کا کوئی کمال ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا نہ فرمادیا ہو، نیز یہ کہ اس مقام عبدیت ورسالت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کوئی حد نہیں نہ اس میں زیادتی اور مبالغہ متصور ہے، البتہ الوہیت اور معبودیت کی صفت اگر کوئی شخص معاذ اللہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرے تو یقیناً اس نے مبالغہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حد سے بڑھایا، لیکن کسی مسلمان کے حق میں یہ گمان کرنا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو الوہیت

Marfat.com

اور معبودیت کے درجہ تک پہنچایا ہے، بڑا جرم اور گناہ عظیم ہے، کوئی مسلمان جو لاالہٰ الااللہ محمد رسول اللہ اپنی زبان سے پڑھتا ہو اور دل سے اس کا یقین رکھتا ہو اس کے حق میں ان کا گمان شدید قسم کی سوءظنی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان بعض الظن اثم'' یعنی بعض ظن گناہ ہوتے ہیں، مختصر یہ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس بیان کرنے میں مبالغہ ممکن نہیں بجز اس کے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے الوہیت ثابت کی جائے اور اس حدیث میں خود اس کی تصریح موجود ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ (الحدیث) یعنی مجھے ایسا نہ بڑھاؤ جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھایا۔

ظاہر ہے کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اِلہٰ مانا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' واذقال اللہ یعیسیٰ أانت قلت للناس اتخذونی وامی اِلٰھین من دونِ اللہ''۔ ثابت ہوا کہ حدیث مبارک میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِلہٰ ماننے کی نہی وارد ہے، یہ نہیں کہ ماسوائے الوھیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان تسلیم کرنے سے منع کیا گیا ہو، حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں، بلکہ ہر وہ خوبی اور کمال جو الوہیت کے ماسویٰ ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ثابت و متحقق ہے، حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (۸۵۹۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء) اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں!

(فارسی سے ترجمہ) ''پس مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو، مقام عبدیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام خاص اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت مخصوصہ ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد حقیقی ہیں اور اس وصف عبدیت میں سب سے زیادہ اتم واکمل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کمال مدح اور علو مقام اسی صفت عبدیت کی طرف اسناد کرنے میں ہے، حد سے بڑھانا اور مبالغہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح شریف میں راہ نہیں پاتا،

Marfat.com

جس صفت کمال کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اثبات کریں اور جس کمال وخوبی کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کریں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ سے قاصر ہے، بجز اثبات صفتِ الوہیت کے کہ وہ درست نہیں۔

(شعر کا ترجمہ) ''یعنی امر شرع اور دین کو محفوظ رکھنے کے لئے انہیں خدا نہ کہو، اس کے علاوہ جو صفت چاہو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں بیان کرو۔''

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کی حقیقت جانتا ہے نہ ان کی تعریف کرسکتا ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حقیقت میں جیسے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، جیسا کہ خدا تعالیٰ کو ان کی طرح کوئی نہیں پہچانتا۔''[۱]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے اس بیان سے واضح ہوگیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں جو کمالات اور خوبیاں بیان کی جائیں وہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ سے قاصر ہیں اور کسی قسم کے اطراء ومبالغہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں راہ نہیں ملتی، بجز اثبات الوہیت کے، اور یہ امر ظاہر ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو روحانی طور پر حاضر ناظر سمجھنا، ابتداء آفرینش خلق سے دخول جنت ونار تک جمیع ماکان ومایکون کے علم کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم ماننا، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور کہنا، اسی طرح خزائن الٰہیہ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست کرم میں بعطاء الٰہی تسلیم کرنا، علیٰ ہذا القیاس جس قدر صفات وکمالات تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اہل سنت قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت مانتے ہیں، ان میں سے کوئی وصف بھی صفت الوہیت نہیں، لہٰذا کمالات مذکورہ کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا کو معاذ اللہ اطراء اور مبالغہ کہنا دروغ بے فروغ ہے، امام شرف الدین بوصیری رحمتہ اللہ علیہ (۶۱۰۔۶۹۶ھ / ۱۲۱۳۔۱۲۶۹ء) نے قصیدہ بردہ میں کیا خوب فرمایا!

---

[۱] اشعۃ اللمعات، ج ۴، ص ۹۳۔۹۴

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النصاريٰ في نبيهم
واحكم بما شئت مدحاً فيه و احتكم

ترجمہ: چھوڑ دے اس چیز کو (یعنی الوہیت کو) جس کا دعویٰ کیا تھا نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اور حکم کر ہر اس چیز کے ساتھ جو تو چاہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وثنا میں اور اس پر اچھی طرح پختہ اور مظبوط رہ۔[1]

[1] ماہنامہ السعید، ملتان، ستمبر ۱۹۶۲ء، ص ۸۔۹

Marfat.com

حدیث نمبر (۸)

کیا نبی کا ہر قول وحی ہے؟

بسم الله الرحمن الرحیم

عن عبدالله بن عمرو قال کنت اکتب کل شئي اسمعه من رسول الله ﷺ ارید حفظه فنهتني قریش وقالوا اتکتب کل شئي تسمعه ورسول الله ﷺ بشر یتکلم في الغضب والرضاء فامسکت عن الکتابته فذکرت ذلك الی رسول الله ﷺ فاوماء باصبعه الی فیه فقال اکتب فوالذي نفسي بیده مایخرج منه الاحق۔[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر سنی ہوئی حدیث کو یاد کرنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا، قریش کے چند لوگوں نے مجھے روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر سنی ہوئی بات کو لکھ لیتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں وہ غضب اور رضا دونوں حالتوں میں کلام فرماتے ہیں، (قریش کی یہ بات سن کر) میں کتابت حدیث سے رُک گیا اور میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سب کچھ لکھ لیا کرو، اور اپنی مبارک انگلی سے اپنے دہن اقدس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس ذات پاک کے قبضۂ قدرت میں میری جان مقدس ہے، میں اس کی قسم کھا کر فرماتا ہوں کہ اس دہن مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔[2]

---

[1] سنن ابوداؤد: ج ۳: ص ۱۰۱۔ ۱۰۲

[2] مجموعہ احادیث، از علامہ سید احمد سعید کاظمی، مطبوعہ بہاول پور ۱۳۸۳ھ، ص ۱۶،۱۵

Marfat.com

ایک سوال:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ”تحفہ اثنا عشریہ“ میں مطاعن فاروق اعظم کے تحت لکھا ہے کہ نبی کا ہر قول وحی الٰہی نہیں، اپنے اس دعوے کی دلیل میں انہوں نے چند آیات پیش کی ہیں، مثلاً:

ا۔ ”عفا الله عنك لم اذنت لهم “(سورۃ توبہ)، یہاں رب نے عتاب فرمایا۔

۲۔ ”لولا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم“ سورۃ الانفعال)، بدر کے قیدیوں سے فدیہ قبول کرنے پر اس قدر سختی کیوں وقوع میں آئی۔

حالانکہ ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کا ہر قول وحی ہے، جیسے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے ”فو الذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الاحق“۔[1]

جواب:

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کا ہر قول من حیث النبوۃ والرسالت وحی ہے، قرآن وحدیث میں واضح طور پر فرمادیا گیا ہے کہ نبی کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔

(۱) نبوت اور رسالت

(۲) بشریت

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول وحی منزل من اللہ ہونا پہلی جہت کے ساتھ مختص ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے قول کو قبول نہ کرنا کفر ہے جو نبوت و رسالت کی جہت سے صادر ہوا ہو، بخلاف اس قول کے جس کا صدور من حیث البشریت ہو کہ اسے تسلیم نہ کرنا ہرگز کفر نہیں۔

---

[1] یہ سوال غالباً مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمۃ (کراچی) نے کیا تھا۔ فانی

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ تحفہ اثنا عشریہ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات مقدسہ سے اس طعن کو دفع فرمارہے ہیں کہ انہوں نے حکم نبوی "ایتونی بقرطاس" حسبنا کتاب اللہ کہہ کر رد کردیا، طعن کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر کا ہر قول وحی منزل من اللہ ہے اور وحی منزل من اللہ کا رد کفر ہے، لہذا حضرت عمر (معاذ اللہ) کافر ہوگئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر حکم وحی نہیں، شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ وحی منزل من اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہی حکم ہے جو من حیث الرسالت ہو اور اسی کا رد کرنا کفر ہے، لیکن جو حکم من حیث البشریت ہو وہ وحی منزل من اللہ نہیں ہوسکتا نہ اس کا انکار کفر قرار پاسکتا ہے، لہذا جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ یہ حکم من حیث الرسالت ہے، اس وقت تک اس کے انکار کو کفر قرار دینا ہرگز صحیح نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم "ایتونی بقرطاس من جهت الرسالت" نہ تھا کیونکہ اس کے مقتضیٰ پر کسی نے عمل نہیں کیا، اگر اس حکم کو من جهت الرسالت کہا جائے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر بھی حکم خداوندی فاستقم کما اُمِرت کے خلاف ورزی کا الزام عائد ہوگا جو باطل محض ہے، لہذا واضح ہوگیا کہ یہ امر من جہت الرسالت نہ تھا پھر اسے تسلیم نہ کرنے کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرنا اور ان پر کفر کا الزام لگانا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

یہ امر آخر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر وہ قول جو من حیث البشریت ہو وحی منزل من اللہ نہ ہونے کے باوجود بھی حق ہے، کیونکہ حق ہونے کے لئے وحی ہونا ضروری نہیں، ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، ہر وحی کا حق ہونا ضروری ہے اور ہر حق کا وحی ہونا ضروری نہیں، (ابوداؤد شریف) کی حدیث میں مایخرج منہ الا حق وارد ہے الا وحی نہیں، حضرت شاہ صاحب نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول کے وحی ہونے کی نفی کی ہے، حق

Marfat.com

ہونے کی نفی نہیں کی۔

رہا یہ امر کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ: "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" کو قرآن مجید کے ساتھ مخصوص قرار دیا تو یہ مثال نزول کے اعتبار سے ہے اور اس کی تخصیص کا مقصد صرف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جو نطق من حیث الرسالت نہ ہو اس آیت کریمہ سے اسے وحی منزل من اللہ ثابت کرنا اور اس پر طعن کی بنیاد رکھنا بنا الفاسد علی الفاسد ہے، یہ مقصد ہرگز نہیں کہ قرآن مجید سے سوا حضور ﷺ کا کوئی نطق بھی وحی الٰہی نہیں ہے خواہ وہ من جہت الرسالت ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس تقریر پر علی الاطلاق تمام احادیث نبویہ کے وحی ہونے کا انکار لازم آئے گا جو کفر خالص ہے، جن آیات کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش فرمایا، ان کے مطالب میں ادنیٰ تامل کے بعد یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جن اقوال وافعال مبارکہ پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی طرف عتاب نازل فرمایا وہ فی الواقع من حیث الرسالت حضور اکرم ﷺ سے سرزد نہ ہوئے تھے، اسی لئے وہ وحی الٰہی بھی نہیں ہوسکتے لیکن ان کے وحی نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ معصیت یا حق کے خلاف تھے، کیونکہ حضور ﷺ اس سے معصوم ہیں کہ آپ سے کوئی معصیت یا خلاف حق قول یا فعل صادر ہو، البتہ یہ ممکن ہے کہ من حیث البشریت حضور ﷺ سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہوجائے جو خلاف حق تو نہ ہو مگر کسی اعتبار سے خلاف اولیٰ ہو اور واقعہ یہ ہے کہ ایسے ہی امور منشاء عتاب ہیں۔

یہاں اس امر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ عتاب میں خواہ شہرت بھی کیوں نہ ہو وہ محض صورۃً عتاب ہے، حقیقتاً مبنی برحکمت ہونے کی وجہ سے وہ خطاب محبت ہے، اس اجمال کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہم نے دیگر مضامین میں مدلل طور پر سے بیان کردیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کا نطق مبارک مطلقاً ہوس سے پاک ہے اور وہ دو حال سے خالی نہیں یا من جہت الرسالت ہوگا یا من جہت البشریت، پہلی صورت میں وحی الٰہی ہے،

Marfat.com

عام اس سے کہ وحی متلو ہو یا غیر متلو اور دوسری صورت میں حق ہے عام اس سے کہ کسی اعتبار خاص سے وہ خلاف اولیٰ (یعنی افضل کو چھوڑ کر فاضل کرنا، احسن کو چھوڑ کر حسن کرنا، اصوب کو چھوڑ کر صواب کرنا۔ از علامہ منظور احمد فیضی، مقام رسول، ص ۵۰۵) ہو یا نہ ہو، جن علماء اہل سنت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جمیع اقوال وافعال اور جملہ احوال شریفہ کو وحی قرار دیا، ان کے پیش نظر صرف جہت رسالت ہے اور جن حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمیع اقوال وافعال واحوال کے وحی ہونے کا انکار کیا ان کے پیش نظر جہت بشریت بھی ہے، ان حضرات نے صرف انہی اقوال وافعال کو وحی قرار دیا جو جہت رسالت سے ہوں، اور جن کا صدور جہت بشریت سے ہو ان کے وحی منزل من اللہ ہونے کی انہوں نے نفی فرمائی، اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں، لیکن کسی اہل سنت عالم دین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی قول یا فعل یا حال کو خلاف حق قرار نہیں دیا حتیٰ کہ بعثت مقدسہ سے قبل بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خلاف حق امور سے پاک مانا، مضمون کی حد تک فقیر نے وضاحت کر دی ہے اور یہ وضاحت ایسی ہے کہ اس کی روشنی میں اہل علم پر اس کے دلائل واضح ہوتے چلے جائیں گے اگر اب بھی کوئی شبہہ باقی رہ گیا ہو تو تحریر کیجئے ان شاء اللہ پھر جواب دیا جائے گا اور اگر آپ مطمئن ہو جائیں تو بذریعہ خط فقیر کو اطلاع ضرور دیں تا کہ تردد نہ رہے۔ [1]

---

[1] ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی، شمارہ اگست ۱۹۷۱ء

Marfat.com

حدیث نمبر(۹)

عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ

"حدثنا مُسددٌ قال حدثنا يحيي بن سعيد عن عبيد الله قال حدثني نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما، ان عبدالله بن ابي لما توفي جاء ابنه الي النبي صلي الله عليه وسلم فقال يارسول الله اعطي قميصك اكفنه فيه، وصل عليه واستغفر له ـ فاعطاه النبي صلي الله عليه وسلم قميصه فقال: آذني أُصلي عليه ـ فآذنه ـ فلما اراد أن يصلي عليه جذبه عمر رضي الله عنه فقال: اليس الله قد نهاك ان تصلي علي المنافقين؟ فقال: انا بين خيرتين، قال (استغفرلهن اَو لا تستغفر لهم إن تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم) فصلي عليه ـ فنزلت (ولا تصل علي احدٍ منهم مات ابداً ولا تقم علي قبره)" [1]

"حدثنا مالك بن اسمٰعيل قال حدثنا ابن عيينة عن عمرو سمع جابرا قال اتي النبي صلي الله عليه وسلم عبدالله بن ابي بعد ما دفن فاخرجه فنفث فيه من ريقه و اَلبسه قميصه ـ" [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روائت ہے کہ عبداللہ بن اُبی (منافق) مرگیا تو اس کا بیٹا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! مجھے اپنا کرتہ دیں اس کو اس میں کفن دوں، اور آپ اس نماز پڑھیں اور اس کے لئے مغفرت کی دُعا کریں،

---

۱ صحیح بخاری : حدیث ۱۲۶۹

۲ بخاری، کتاب الجنائز، حدیث ۱۲۷۰

Marfat.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کرتہ اسے دیا اور فرمایا مجھے اطلاع کرنا میں اس پر نماز پڑھوں گا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس پر نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن کھینچا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقوں پر نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے (یعنی ان کے لئے دُعا کروں یا نہ کروں)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ان کے مغفرت کی دُعا کریں یا نہ کریں، اگر ان کے لئے ستر بار مغفرت کی دُعا کریں اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا" پس آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تو آئت کریمہ نازل ہوئی "اور ان (منافقوں) میں سے جو مر جائے اس کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں"۔

ترجمہ: سفیان بن عیینہ نے عمرو سے روایت کی انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن اُبی کے پاس تشریف لے گئے جب کہ اُسے دفن کر دیا تھا، اُسے نکالا گیا تو آپ نے اُس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اُسے اپنی قمیص پہنائی۔

Marfat.com

شبہات

حضور سید عالم ﷺ نے عبداللہ بن اُبی منافق کی نماز جنازہ پڑھائی، اس کے لئے استغفار فرمایا، اپنی قمیص مبارک اور لعاب دہن اقدس اسے عطا فرمایا، لیکن حضور ﷺ کی کسی چیز کا فائدہ متحقق نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا "اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۔"[1]

"آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر ستر مرتبہ بھی آپ ان کے لئے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا"۔

اس واقعہ سے حسب ذیل شکوک پیدا ہوئے :

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اس بات کا علم ہوتا کہ عبداللہ بن ابی کی مغفرت نہ ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے ہرگز استغفار نہ فرماتے، نہ اس کی نماز جنازہ پڑھتے۔

۲۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہوتا تو اپنی دُعا اور استغفار کو نیز قمیص مبارک اور لعاب دہن اقدس کو بے فائدہ ہونے سے بچا لیتے اور عبداللہ بن ابی کو فائدہ پہنچا دیتے۔ جب ایسا نہ ہوسکا تو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح علم نہ تھا ایسے ہی اختیار بھی نہ تھا۔

واقعہ عبداللہ بن اُبی منافق

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول، بنو حبلیٰ کا سردار اور یثرب کا ذی اثر آدمی تھا، لوگوں کا خیال تھا کہ اسے اپنا سردار مان لیں، لیکن جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے، پھر وہ اس حیثیت میں نہ رہا کہ لوگ اسے اپنا سردار مان لیں، یہ ایسا صدمہ تھا جو اس کے لئے نفاق کا مرض بن گیا، جب اس نے

---

[1] سورۃ التوبہ، آیت ۸۰

Marfat.com

دیکھا کہ اسلام دن بدن پھیلتا جارہا ہے تو اس نے مجبور ہو کر بظاہر مسلمان ہونے کا اعلان کیا، لیکن اس کے دل میں عداوت تھی اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو بڑا عناد تھا، درپردہ سازشوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے درپے آزار رہتا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی موقع ملے تو میں نقصان پہنچاؤں، بہرحال اُس نے کسر نہ چھوڑی، جہاں جہاں اس کو موقع ملا اس نے نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا۔

۱۰ ہجری میں شوال کے آخر میں بیس دن بیمار رہ کر وہ مرگیا، اس کا بیٹا (حباب) جس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا، جو مخلص صالح مومن تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور! میرا والد فوت ہوگیا ہے، آپ اپنا کرتہ شریف عنایت فرمائیں تا کہ اس کو اس میں کفن دوں اور آپ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں اور اس کی مغفرت کی دُعا بھی فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس استدعا کو قبول فرمالیا، کیونکہ مومن کا دل خوش کرنا بھی عبادت اور بڑی نیکی ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے، جب آپ نے اس پر نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے (کہ مغفرت طلب کروں یا نہ کروں)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو نہ بخشے گا، اور ایک روایت یہ بھی ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه انه قال لما مات عبدالله بن ابي سلول دُعي له رسول الله ﷺ يصلي عليه

Marfat.com

فلما قام رسول الله ﷺ وثبت اليه فقلت يا رسول الله اتصلي علي ابن ابي وقد قال يوم كذا وكذا، كذا وكذا أُعدد عليه قوله۔ فتبسم رسول الله ﷺ وقال اخر عني يا عمر فلما اكثرت عليه قال: اني خيرت فاخترت۔ لو اعلم اني ان زدت علي سبعين يغفر له لزدت عليها۔ قال فصلي عليه رسول الله ﷺ، ثم انصرف فلم يمكث الا يسيرا حتي نزلت الآيتان من براءة (ولا تصل علي احد منهم مات ابدا۔ الي۔ وهم فاسقون) قال: فعجبت بعد من جرأتي علي رسول الله ﷺ يومئذ، والله ورسوله اعلم[1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ عبداللہ بن ابی پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اُس نے فلاں فلاں روز ایسا کہا تھا اور اُس کی باتیں شمار کیں، تو حضور نبی کریم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا اے عمر مجھ سے پرے ہٹ جاؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیادہ عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں اختیار دیا گیا ہوں (کہ مغفرت طلب کروں یا چھوڑ دوں) اگر میں جانتا ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ مغفرت طلب کرنے سے اس کی بخشش ہوگی تو میں ضرور کرتا، پس آپ نے نماز جنازہ پڑھی یہاں تک سورہ توبہ کی دو آیتیں نازل ہوئیں "وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ فَٰسِقُونَ"۔ (سورۃ التوبہ، آیت ۸۴)

''اور آپ ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ (کبھی) ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہوں بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں مر گئے''۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۳۶۶

Marfat.com

یہ سب کچھ میرے آقا حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی اس رحمت کی بنا پر کیا جو دوست اور دشمن سب کے لئے عام تھی، یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس بدترین دشمن کے حق میں دعائے مغفرت کرنے میں تامل نہ کیا، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت میں آیت نازل ہوئی تو پھر اس کے بعد آپ نے کبھی بھی کسی منافق کی نماز نہیں پڑھائی۔

حضور نبی کریم ﷺ پر شفقت کا ایسا غلبہ تھا کہ اُس غلبہ حالِ رحمت میں جو نبی کریم ﷺ کی شفقت تھی وہ بے اختیار عام ہوگئی اور اُس عموم شفقت غلبہ حال کا جو طاری ہونا تھا وہ حضور ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا مظہر تھا، جب کریم پر رحمت اور سخاوت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ رحمت کا حق دار ہے یا نہیں، جب بارانِ رحمت ہوتی ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ شور والی زمین پر بارش نہ ہو اور اچھی زمین پر ہو، بلکہ جب رحمت کی بارش برستی ہے تو ہر جگہ برستی ہے، یہ رحمت عام ہے، اس وقت حضور ﷺ کے لئے یہ حکم نہیں تھا کہ مغفرت طلب نہ کریں بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر ستر مرتبہ بھی ان کی مغفرت طلب فرمائیں تو ان کی مغفرت نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کوئی ایسا حکم نہیں دیا تھا کہ آپ ان کے حق میں استغفار نہ فرمائیں جو معصیت قرار پائے، اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہوتی تو معصیت ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہیں دیا، کیونکہ اس سے پہلے ممانعت مشرکین کے حق میں تھی اور یہ منافقین کا معاملہ تھا "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ" [۱] نبی اور ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت طلب کریں۔ تو یہاں مغفرت طلب کرنے سے تو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا اگر آپ اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ بھی ان کی مغفرت طلب فرمائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کرے گا۔

---

[۱] سورۃ التوبہ: آیت ۱۱۳

Marfat.com

شاید کوئی یہ سوچے کہ پھر تو حضور ﷺ کی دُعا قبول نہ ہوئی، تو یہ بات نہیں ہے، یہ غلط ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے "لکل نبیٍّ دعوةٌ مستجابة "(بخاری : حدیث ۶۳۰۴) یعنی ہر نبی متجاب الدعوات ہے، اور حدیث میں ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک دُعا ہے جو ضرور قبول کی جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ بعض دعائیں قبول نہیں کی جاتیں، یہ غلط ہے، اس کا مفہوم یہ نہیں ہے، اس پر ایک اصولی بات کہہ دوں وہ ذہن میں رکھئے، ہمارا ایمان ہے کہ مومن کی دُعا بھی اگر شرائط دعا کے ساتھ متصف ہو تو رد نہیں ہوتی اور نبی کی دُعا کے متعلق یہ مومن کے ذہن میں آہی نہیں سکتا کہ وہ رد ہو جائے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وقال ربکم ادعونی استجب لکم"، میرے بندو مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا، عام بندوں کے لئے ہے کہ تم دعا کرو میں قبول کروں گا تو نبی کے لئے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم دعا کرو میں قبول نہیں کروں گا، شاید کوئی یہ سوچے کہ نبی غلط دُعا مانگے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا رب ارنی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا جمال بشری آنکھوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا، تو میں کہتا ہوں کہ جو غلط دُعا مانگے وہ نبی ہو ہی نہیں سکتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کہا کہ رب ارنی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا جمال بشری آنکھوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

یہ نہ ہوسکنا محال عادی ہے، محال عقلی نہیں ہے اور یہ محال ہوتا حقیقتاً تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی ان لفظوں میں دعا نہ فرماتے، اُن کا دعا فرمانا دلیل ہے کہ یہ ممکن ہے نفسہٖ، کیونکہ امر غیر ممکن کی دعا نبی کے لئے جائز نہیں، مقام نبوت بہت بلند ہے، غیر ممکن دعا نبی کر ہی نہیں سکتا اور اجابت دعا تو حق ہے یہ ممکن نہیں کہ اجابت نہ ہو، لیکن اجابت کی انواع ہیں۔

اجابت کی پہلی قسم یہ ہے کہ مانگنے والے نے جو چیز مانگی وہی چیز بعینہٖ عطا کردی جائے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں کلیۃً اسی نوعیت کی ہوتی ہیں، الا ماشاء اللہ، لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کی دعا تو قبول فرمائے لیکن بعینہٖ قبول کرنے کی

Marfat.com

بجائے اس کی مثل عطا فرما دے، اور یہ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ جو چیز نبی نے مانگی وہ اللہ تعالیٰ دے نہیں سکتا یا جو چیز نبی نے مانگی وہی مل جانی چاہئے تھی یہ بات نہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کے دامن میں نبی کی اُمت کو رکھتا ہے، تو اُمت کی بعض ایسی دُعائیں ہوں گی جو بعطائے مثل کے ماتحت اجابت ہوں گی، اگر نبی کی کوئی دعا اس نوعیت کے ساتھ متجاب نہ ہو تو پھر اُن کی اُمت کی اُن دعاؤں کو کس کے دامن میں پناہ ملے گی، اس حکمت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعض دعائیں ایسی ہوتی ہیں جو متجاب تو یقیناً ہوتی ہیں لیکن کبھی بعطائے مثل کے تحت ان کی اجابت ہوتی ہے۔

میں اس مسئلہ کی وضاحت کر دوں کیونکہ عربی کے الفاظ علماء تو سمجھ سکیں گے لیکن جو عربی نہیں جانتے اُن کے لئے عرض کرتا ہوں کہ ایک آدمی نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے ایک ہزار روپئے عطا فرما دے، اب سجدے سے سر اُٹھایا تو ایک ہزار روپیہ مل گیا، یعنی جو مانگا وہی مل گیا، یہ اجابت کی پہلی قسم ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہزار روپیہ کی دُعا کی، وہ ہزار روپیہ تو نہیں ملا مگر اُس رقم کے برابر وہی چیز عطا فرما دی، اس میں حکمت تھی کہ اُس کو وہی چیز درکار تھی اور اگر یہ ہزار روپئے خرچ کرتا تو وہی چیز مل نہیں سکتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے وہی چیز عطا فرما دی جو اس کے لئے مناسب تھی۔

تیسری قسم اجابت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے ایک ہزار روپئے عطا فرما دے، اَب نہ تو ہزار روپئے ملے اور نہ اس کی مثل کوئی چیز ملی، اَب آپ کہیں گے کہ دُعا قبول نہ ہوئی، تو ایسا نہیں، آپ پر کوئی مصیبت آنے والی تھی وہ اس ہزار روپیہ سے بھی رفع نہ ہوتی، وہ مصیبت ٹال دی، اس مصیبت کا ٹلنا اس دُعا پر تھا کہ یہ بندہ دُعا کرے اور میں اس مصیبت کو ٹال دوں۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ بندے نے دُعا کی اے اللہ مجھے ایک ہزار روپیہ عطا فرما دے،

Marfat.com

اَب نہ تو ہزار روپیہ ملا، نہ اس کی مثل کوئی چیز ملی اور نہ ہی کوئی مصیبت ٹلی، اَب کوئی بات بھی نہ ہوئی، تو عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو آخرت کا ذخیرہ بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی اجابت کو فانی دنیا کے لئے پورا نہ کیا بلکہ باقی رہنے والی اجابت کی صورت میں پورا کیا، تو ذخیرہ آخرت کسی دُعا کا بن جانا یہ بھی اجابت ہے۔

اَب گذارش ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عبداللہ بن ابی کے حق میں استغفار اور اس کی نماز جنازہ وعلیٰ ھذا القیاس قمیض مبارک ولعاب دہن اقدس کا اعطاء عبداللہ بن ابی کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے نہ تھا بلکہ کسی دوسرے مقصد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سب کچھ کیا اور وہ یہ تھا کہ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایسے موذی منافق کو انتہائی کرم سے نوازنا عظیم ترین مکارم اخلاق کا ثبوت ہے، اور قمیص مبارک کا مقصد بھی اس کو نفع پہنچانا نہ تھا بلکہ مکافاۃ مقصود تھی، کیونکہ عبداللہ بن ابی نے عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عباس بن عبدالمطلب کو بدر کے موقع پر اپنی قمیص پہنائی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غیرت نے اس بات کا تقاضا نہ فرمایا کہ اس کے اس فعل کو مکافاۃ اور بدلے کے بغیر چھوڑ دیا جائے، دیکھئے تفسیر خازن میں ہے:

"وقال الشيخ محي الدين النووي انما أعطاه قميصه ليكفنه فيه طيبالقلب ابنه عبدالله : فانه كان صحابيه صالحا وقد سأل ذلك فاجا به اليه وقيل بل أعطاه مكافاة لعبدالله بن ابي المنافق الميت لانه ألبس العباس حين أسر يوم بدر قميصا وفي الحديث بيان مكارم أخلاق النبي صلي الله عليه وسلم فقد علم ماكان من هذا المنافق من الايذاء له وقابله بالحسنيٰ وألبسه قميصه كفنا وصلي عليه واستغفر له قال الله سبحانه وتعاليٰ وانك لعلي خلق عظيم: وقال البغوي سفيان بن عيينه كانت له يد عند

Marfat.com

رسول الله صلي عليه وسلم فاحب ان يكافئه بها ويروي
ان النبي صلي الله عليه وسلم كلم فيما فعل بعبد الله بن
ابي فقال صلي الله عليه وسلم وما يغني عنه قميصي وصلاتي
من الله والله اني كنت ارجوا أن يسلم به الف من قومه،
فيروي انه أسلم ألف من قومه لما رأوه يتبرك بقميص
النبي صلي الله عليه وسلم"۔[1]

ترجمہ: "اور کہا شیخ محی الدین نووی نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو اپنی قمیص مبارک اس کے کفن کے لئے صرف اس لئے دی کہ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دل خوش ہو جائے کیونکہ وہ نہایت صالح صحابی تھے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا جن کی استدعا حضور نے مان لی تھی، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضور نے اپنی وہ قمیص مبارک عبداللہ بن ابی کو محض اس کا بدلہ آتارنے کے لئے دی تھی کیونکہ بدر کے موقع پر عبداللہ بن ابی نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی قمیص پہنائی تھی، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان مکارم اخلاق کا بیان ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن ابی کی تمام ایذا رسانیوں کو جانتے تھے، اس کے باوجود بھی ایسی نیکیوں کے ساتھ اُس کو نوازا، اور اپنی قمیص مبارک اس کو کفن کے لئے دی اور اس پر نماز پڑھی اور اس کے لئے استغفار فرمایا، یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال خلق عظیم ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا انک لعلیٰ خلق عظیم، اور بغوی نے کہا سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بظاہر احسان تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اپنی قمیص مبارک کے ذریعے اس کا احسان اُتار دیں، اور مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے منافق کے ساتھ یہ برتاؤ

[1] تفسیر خازن، ج۳، ص ۳۲۲

Marfat.com

کیونکر کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا میری قمیص اور نماز اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اس سے بالکل دفع نہ کرے گی، خدا کی قسم مجھے اُمید تھی کہ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لائیں گے، چنانچہ مروی ہے کہ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے، جب اس کی قوم نے اسے دیکھا کہ حضور ﷺ کی قمیص مبارک سے تبرک کر رہا ہے"۔

تفسیر سراج المنیر، جلد ا، ص ۱۳۸۲ پر الفاظ یہ ہیں :

"فقال عمر رضي الله عنه لم تعط قميصك للرجس النجس فقال ﷺ ان قميصي لا يغني عنه من الله شيئاً واني أومل من الله ان يدخل في الاسلام كثير بهذا السبب فيروي انه اسلم الف من الخزرج لما رأوه طلب الاستشفاء بثوب رسول الله ﷺ" انتهى[1]

کتب تفاسیر و احادیث کے ان حوالہ جات اور روایات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا یقینی علم تھا کہ عبداللہ بن ابی کو حضور ﷺ کی نماز اور قمیص مبارک سے قطعاً کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

رہا یہ امر کہ حضور ﷺ کا اختیار منفی ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختیار کی نفی اس وقت ہوتی جب حضور ﷺ کا ارادہ نفع پہنچانے کا ہوتا، لیکن حضور ﷺ کے الفاظ مبارک "ان

---

[1] یہی روایت تفسیر ابن جریر طبری، طبع قاہرہ، ج ۱۱، ص ۶۱۴، تفسیر الجامع لاحکام القرآن قرطبی، طبع موسسۃ الرسالۃ، ج ۱۰، ص ۳۲۳، تفسیر کبیر رازی، طبع دار الفکر، بیروت، ج ۱۶، ص ۱۵۵، تفسیر روح المعانی طبع ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، بیروت، ج ۱۰، ص ۱۵۴، تفسیر کشاف طبع مکتبۃ الابیکۃ قاہرہ، ج ۳، ص ۷۹، تفسیر بیضاوی، طبع مکتبہ الشیق، ترکیہ، ج ۲، ص ۴۴۵، تفسیر درمنثور طبع قاہرہ، ج ۷، ص ۴۷۹، تفسیر ابن ابی عطیہ، مطبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج ۳، ص ۶۷، تفسیر نسفی، موافق للمطبوع دار النفائس، بیروت، ج ۳، سورہ التوبہ، تفسیر نیشاپوری، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج ۳، ص ۵۱۳، فتح الباری شرح صحیح بخاری، طبع سعودیہ، ج ۸، ص ۱۹۴ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

Marfat.com

صلوٰتی وقمیصی لا ینفعہٗ" اور" ولا یغنی عنه شیئا" پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارادہ ہرگز نہ تھا، کیونکہ علم کے خلاف ارادہ نہیں ہوسکتا اور جب ارادہ ثابت نہ ہوا تو قدرت اور اختیار کی نفی کیسے ثابت ہو سکتی ہے، بلکہ ہماری منقولہ بالا روایات سے حضور ﷺ کے علم کے ساتھ حضور ﷺ کی قدرت اور اختیار کا بھی ثبوت ملتا ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ کی وہ صلوٰۃ جس کا موجب راحت وسکون ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے، عبداللہ بن ابی کے حق میں غیر مفید رہی، اس لئے کہ حضور ﷺ نے پہلے فرما دیا تھا کہ لا ینفعہ یہ اس کو نفع نہ دے گی، اسی طرح حضور ﷺ کے لباس مبارک اور لعاب دہن اقدس کا مفید ہونا بھی دلائل شرعیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، مسلم شریف میں حضرت اسماء کی یہ حدیث موجود ہے کہ ہم حضور ﷺ کے جبہ مبارک سے اپنے مریضوں کے لئے شفاء طلب کیا کرتے اور لعاب دہن مبارک سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو شدید ترین امراض وتکالیف میں صحت وشفاء کا حصول بھی بے شمار احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، بلکہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں میرا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آگ میں جلانے کا اثر جس قدر یقینی ہے اس سے زیادہ حضور ﷺ کے لباس مبارک اور لعاب دہن اقدس کا مفید ہونا یقینی ہے، اس کے باوجود اس منافق کے حق میں قمیص مبارک اور لعاب دہن اقدس کا مفید نہ ہونا اسی طرح قدرت واختیار نبوی کی دلیل ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں نار نمرود کا ٹھنڈا ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی چمکتی ہوئی دلیل ہے، یعنی نار نمرود باوجود محرق ہونے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف نہ پہنچا سکی، اس لئے کہ ارادۂ الٰہیہ ایذاء خلیل کا مقتضیٰ نہ تھا، بس سمجھ لیجئے کہ دعائے حبیب اور قمیص پاک ولعاب شریف باوجود نافع اور مفید ہونے کے اس منافق عدو اللہ کو نفع اور راحت نہ پہنچا سکے، محض اس لئے کہ ارادۂ حبیب راحت ومغفرتِ خبیث کا مقتضیٰ نہ تھا، جس کی دلیل وہی حدیث ہے جسے ہم تفاسیر جلیلہ اور احادیث عظیمہ سے نقل کر چکے ہیں۔

ہماری پیش کردہ اس حدیث کا آخری حصہ "فیروی انه اسلم الف من

Marfat.com

قومہ" کو غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے اس واقعہ میں اپنی طرف سے جو کچھ بھی کیا یعنی نماز، استغفار، اعطاء قمیص مبارک اور لعاب دہن اقدس ان سب چیزوں کا معرض ظہور میں آنا صرف اس لئے تھا کہ عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان کاموں کے بعد اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی فوراً ہی مسلمان ہو گئے اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارادہ تھا وہ پورا ہو گیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لاعلمی اور عدمِ اختیار کا تصور ہی قائم نہیں ہو سکتا۔ (علامہ کاظمی علیہ الرحمہ کی تشریح یہاں ختم ہوئی)۔ [1]

احقر خلیل احمد رانا عرض کرتا ہے کہ انٹرنیٹ پر ٹورنٹو (کینیڈا) سے ایک اسلامی بھائی نے مذکورہ مضمون پر چند سوالات کئے تھے، احقر نے اُن کو جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ اَب مسئلہ میری سمجھ میں آ گیا ہے، الحمدللہ

پہلا سوال انہوں نے یہ کیا کہ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کی زیادہ دل جوئی تو اُس وقت ہوتی کہ اُس کے باپ کی مغفرت ہو جاتی؟

جواب: عرض ہے کہ جو کچھ قرآن مجید کی تفاسیر اور احادیث میں لکھا ہے وہ میں آپ کو بھیج چکا ہوں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے سے فرما دیتے کہ اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا لہٰذا میں نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا تو پھر اُس کی دل شکنی ہوتی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے سے بھی نہ رکے، اُس کے بیٹے کے تو سارے مطالبے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پورے کئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو کوئی کمی نہ چھوڑی، یہ دل جوئی نہیں تو اور کیا ہے؟ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کو یہ تو پتا تھا کہ میرا باپ دشمن رسول ہے، پھر کیسے بخشش ہو سکتی تھی، اللہ کا حکم حضرت عمر کو پتا تھا تو عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کو بھی علم تھا، اور پھر

---

[1] ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ جون ۱۹۶۲ء۔ مختلف تقاریر علامہ کاظمی، آڈیو کیسٹس مملوکہ حاجی محمد شفیع سعیدی زرگر مرحوم نزد ریلوے پھاٹک ممتاز آباد ملتان

Marfat.com

صاف حکم آگیا کہ ان پر نماز نہ پڑھیں، پھر وہ کیسے رنجیدہ ہوسکتا تھا، وہ مخلص صحابی تھا وہ اللہ ورسول کا حکم مانتا تھا۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ بارانِ رحمت تو اچھی بری دونوں جگہ پر ہوتی ہے، پھر اُس کی مغفرت کیوں نہ ہوئی؟

جواب: بارش جب برستی ہے تو وہ اچھے برے کی تمیز نہیں کرتی، اس سے یہی مراد ہے کہ آپ نے غلبہ رحمت کی بنا پر یہ نہ دیکھا کہ یہ دشمن ہے بلکہ اس کی بھی مغفرت طلب کی۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ حضور ﷺ کا کام تو شفاعت کرنا ہے مغفرت کرنا نہیں، کیا اس سے اختیارات کی نفی نہیں ہوتی؟ مختار کل تو جسے چاہے معاف کرسکتا ہے۔

جواب: میرے خیال میں آپ کا مرکزی سوال یہ ہے کہ پھر آپ ﷺ کا مختار کل ہونا کہاں گیا؟

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختار ہونے میں کسی کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ کو اختیار کسی سے عطا نہیں ہوا، بلکہ ذاتی ہے، بندہ مختار ہونے میں محتاج ہے۔

مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کو الوہیت دے دی ہے، لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کوئی کام نہ کرے اور یہ کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، کیونکہ اللہ نے اب ان کو اپنے حکم میں نہیں رکھا اور استقلال کی صفت ان کو دے دی کہ میرا حکم نہ بھی ہو تو تم کام کرسکتے ہو، یہ تھا ان جاہلوں کا اعتقاد، حالانکہ جو چیز مخلوق ہے وہ مستقل نہیں ہوسکتی۔

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ باذن اللہ مختار کل ہیں، اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیت کے تحت مختار کل ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "ما تشاء ون الا ان یشاء اللہ"۔ (سورۃ الدہر، آیت ۳۰) "اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے" یعنی آپ وہ چاہتے ہی نہیں جو اللہ نہ چاہے۔ تو پھر آپ ﷺ کیسے اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیت کے خلاف اس کو بخشوا سکتے تھے۔ حضور ﷺ کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے۔ حضور ﷺ

Marfat.com

سے اختیارات کی نفی جن دلائل سے لوگ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان سب کا مفاد صرف یہ ہے کہ حکم خداوندی کے خلاف اور مشیت الٰہیہ کے منافی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قطعاً کوئی حکم یا اختیار حاصل نہیں ہے، عطاء الٰہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اختیارات ماننا درست عقیدہ ہے۔

مخالفین اہل سنت لفظ مختار کل میں ''کل'' سے غلط مراد لیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر آپ مختار کل ہیں تو فلاں کام کیوں نہ کیا، یعنی وہ مشرکین والا عقیدہ مراد لیتے ہیں کہ جب آپ مختار کل ہیں تو اللہ کے اذن اور مشیت کی کیا ضرورت ہے، آپ اپنی مرضی سے ہر کام کرسکتے ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک مختار کل سے مراد یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت سے ہر ایک پر با اختیار''۔ نائب ہونے میں اذن و مشیت دونوں آگئے۔

ناکارہ

خلیل احمد رانا

Marfat.com

حدیث نمبر (۱۰)

حدیث حوض

"عن سهل بن سعد، قال: قال رسول الله ﷺ: اني فرطكم علي حوض، من مرّ عليّ شرب، ومن شرب لم يظمأ ابدا، ليردن علي اقوام اعرفهم ويعرفوني، ثم يحال بيني وبينهم، فاقول: انهم مني، فيقال: انك لا تدري ما أحدثوا بعدك؟ فأقول: سحقاً سحقاً لمن غير بعدي، متفق عليه"[1]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا، جو میرے پاس سے گزرے وہ پیئے گا اور جس نے پیا اُسے کبھی پیاس نہیں لگے گی، میرے پاس سے کچھ لوگ گزریں گے جن کو میں پہچانتا ہوں اور وہ مجھے جانتے ہیں، پھر میرے اور اُن کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا، میں کہوں گا کہ یہ تو مجھ سے ہیں، کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا نئی باتیں کھڑی کی ہیں، پس میں کہوں گا: دُوری دُوری، جس نے میرے بعد تبدیلی کر دی (متفق علیہ)۔

اعتراض:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کے دن بھی بعض باتوں کا علم نہ ہوگا۔

جواب:

یہ ایک عجیب شبہ ہے، جو دلیل مثبتِ علم ہو اس کو نفی میں پیش کیا جا رہا ہے، غور فرمائیے یہ واقعہ قیامت کے دن ہوگا لیکن حضور ﷺ اس کو پہلے بیان فرما رہے ہیں، علم نہ تھا

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، البانی، حدیث ۵۵۷۱

Marfat.com

تو بیان کیسے فرمادیا؟

رہی یہ بات کہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم شریف میں منکرین کی یہی حدیث بایں الفاظ میں موجود ہے " فیقال اما شعرت ما عملوا بعدك " یعنی حضور ﷺ سے کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کام کئے؟۔

"ما شعرت" جملہ منفیہ پر ہمزہ استفہام انکاری داخل ہوا ہے، نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے، لہٰذا حدیث مبارک سے مرتدین کے اعمال کا علم حضور ﷺ کے لئے ثابت ہوا، چونکہ واقعہ ایک ہے، صرف اس کی روایتوں میں تعدد ہے، اس لئے جب ایک روایت میں ہمزہ استفہام مذکور ہو گیا تو ہر روایت میں اس کے معنی ملحوظ رہیں گے اور جس روایت میں وہ مذکور نہیں وہاں محذوف ماننا پڑے گا، مثلاً "انك لا تدری" والی حدیث میں ہمزہ مذکور نہیں تو یہاں محذوف مانیں گے اور اصل عبارت یوں ہوگی کہ "أانك لا تدری" کیا آپ نہیں جانتے ؟

ورنہ حدیثوں میں تعارض ہوگا کیونکہ ہمزہ استفہام کا محذوف ہونا تو صحیح ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں محذوف ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ "ھذا ربی" (سورۃ الانعام) مفسرین نے " أھذا ربی" فرمایا ہے یعنی کیا یہ میرا رب ہے؟ لیکن اس کا زائد ہونا صحیح نہیں۔ (تفسیر معالم التنزیل بغوی۔ تفسیر خازن)

اگر "انك لا تدری" والی روایت میں ہمزہ استفہام محذوف نہ مانیں تو "اما شعرت" والی روایت میں ہمزہ کو زائد ماننا پڑے گا جو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، خصوصاً جب کہ حضور ﷺ کے کمال علم کی نفی ہوتی ہو۔

پھر یہ کہ احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی اُمت کے تمام اچھے اور برے اعمال کا علم ہے، مشکوٰۃ شریف میں حدیث وارد ہے: "عرضت علی اعمال اُمتی حسنها وسیئها " الخ (مشکوٰۃ) یعنی میری اُمت کے تمام اچھے اور

Marfat.com

برے اعمال مجھ پر پیش کئے گئے۔

اَب غور فرمائیے کہ مرتدین بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں داخل تھے، اُن کا مرتد ہونا عمل قبیح ہے (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ) جب اُمت کے تمام اعمال حسنہ اور اعمال قبیحہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو ان کا ارتداد جو عمل قبیح ہے وہ بھی ضرور پیش ہوا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے عملوں کا علم نہ ہونا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کے یہی معنی صحیح ہیں کہ "اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا عمل کئے؟" آپ کو معلوم تو ہے پھر بھی آپ غلبہء رحمت کے حال میں ان کو اپنی طرف لے رہے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب کریم کو سخاوت کے لئے بٹھا دیا جائے تو اس وقت اس کے دریائے سخا میں ایسا جوش ہوتا ہے کہ دشمن کی دشمنی کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی اور وہ بے اختیار اپنے کرم کا دامن اس کی طرف پھیلا دیتا ہے، جب اسے توجہ دلائی جائے تو اِس وقت متوجہ ہوتا ہے۔

ساقی کوثر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوض کوثر پر رونق افروز ہوں گے، اپنے غلاموں کو چھلکتے ہوئے جام پلا رہے ہیں، مرتدین کی جماعت اِدھر سے گزرتی ہے، حضور کو ان کے عملوں کا پورا پورا علم ہے مگر اس وقت دریائے جود و سخا موجزن اور شانِ رحمت کا ظہور اتم ہے، اس لئے ان کی بداعمالیوں کی طرف خیال مبارک جاتا ہی نہیں اور اپنے لطفِ عمیم اور کرم جسیم کے غلبہء حال میں بے اختیار فرما دیتے ہیں: اصیحابی! اصیحابی، لیکن جب توجہ دلائی جاتی ہے کہ "اما شعرت ما احدثوا بعدک" پیارے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ پس فوراً توجہ مبارک ان کی بداعمالیوں کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور ارشاد فرماتے ہیں: "سحقاً سحقاً" انہیں دُور لے جاؤ! دُور لے جاؤ۔

طالب حق کے لئے اس حدیث کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے یہ بیان کافی ہے۔

صحابی کی اصطلاح:۔ ہمارے نزدیک وہ شخص صحابی ہے جس نے بحالتِ ایمان نبی

Marfat.com

پاک ﷺ سے ملاقات کی اور اسی حالتِ ایمان پر فوت ہوا۔۔۔۔۔۔ احادیثِ حوض میں بدعتِ کفریہ میں مبتلا ہو کر مرتد ہو جانے والے افراد مراد ہیں جو خود کو صحابی بھی کہتے تھے۔(انہوں نے آپ کے بعد کیا احداث کیا؟) بخاری: ۴۶۲۵، ۶۵۲۶، ۶۵۸۶ میں ہے کہ اُن کے احداث سے مراد اُن کا مرتد ہونا تھا۔ ہماری اصطلاح میں وہ صحابی ہی نہیں ہیں کیونکہ ہم اسے صحابی مانتے ہیں جو (اُسی حالتِ ایمان پر فوت ہوا)۔ احادیثِ حوض والے نام نہاد صحابہ کے بارے میں قرآن میں ہے کہ: اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو "فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ"۔ تو اللہ اپنے محبوں اور محبوبوں کی قوم جو آپس میں نرم اور کافروں پر سخت ہوگی لائے گا جو اللہ کی راہ میں (ان مرتدوں سے) جہاد کریں گے۔ جو کلمہ گو مرتد ہوئے اور منکرین زکوٰۃ یا حامیانِ مسیلمہ کذاب بنے اُن سے حضرت ابوبکر اور آپ کے ساتھیوں نے جہاد کیا۔ پیش کردہ حدیث میں جو مرتد "صحابہ" مذکور ہیں اُن پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلوار چلی ہے اور بخاری، کتاب الانبیاء، باب واذکر فی الکتاب مریم، رقم: ۳۴۴۷ میں حدیثِ حوض کے آخر میں ہے کہ اُن مرتدوں سے جہاد ابوبکرؓ نے کیا ہے۔ ہماری اصطلاح میں مرتد ہو جانے والا صحابی نہیں۔ اُن مرتدوں سے جہاد صحابہؓ نے کیا اور تابعینؒ نے کیا۔ رہ گیا سرکار ﷺ کا اُن مرتدوں کو صحابی کہنا تو وہ یا تو عدمِ توجہ سے اور غلبۂ رحمت سے ہوا، یا پھر زجر و توبیخ کے لئے اُن کے دعوے کے مطابق فرمایا جیسے اللہ کافروں کو فرمائے گا: ذُق انک انت العزیز الکریم۔ (چکھ ہاں ہاں، تُو ہی معزز اور عزت دار ہے)۔[1]

---

[1] سورۃ الدخان ۴۴:۴۹ تقریر منیر، از علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ، مطبوعہ ملتان۔ دیگر تقاریر آڈیو کیسٹس

Marfat.com

حدیث نمبر(۱۱)

نگہبان امت بعداز وصال

"عن ابن عباس قال : قام فینا النبي ﷺ یخطب فقال: انکم محشورون حفاة عراة غرلاً (کما بدأنا اول خلق نعبده) الآیة۔ وان اول الخلائق یُکسٰي یوم القیامة ابراهیم الخلیل، وانه سیجاءُ برجال من اُمتي فیوُخذبهم ذات الشمال، فأقول: یارب اصیحابي، فیقول: انك لا تدري ما أحدثوا بعدك، فأقول کما قال العبد الصالح (وکنت علیهم شهیداً مادمت فیهم۔ الیٰ قوله۔ الحکیم) قال فیقال: انهم لم یزالوا مرتدین علي اقابهم۔"[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم بروز حشر بارگاہ خداوندی میں اکٹھے کر لئے جاؤ گے، اس وقت کچھ لوگوں کو جہنم کی طرف ہانکا جارہا ہوگا تو میں وہی کہوں گا جو اللہ کے بندے (حضرت عیسیٰ) نے کہا کہ "اور میں ان پر مطلع تھا جب تک ان میں رہا، جب تو نے مجھے اُٹھالیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا، اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے۔

(خلاصہ) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اسی طرح کہوں گا جیسے اللہ تعالیٰ کے عبد صالح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: "وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (سورۃ المائدہ:

---

[1] بخاری: رقم ۶۵۲۶

Marfat.com

آیت ۱۱۷) یعنی جب تک میں ان میں رہا ان کے حال کو جانتا تھا، جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی ان کے حال کو جاننے والا ہوگیا۔

شبہ:

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ لفظ توفّی کے معنی وفات ہیں، "رَفع اِلَی السَّمَاء" نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح حضور ﷺ بھی آسمانوں پر اُٹھائے گئے، دوسرے یہ کہ وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اُمت کے حال کا کوئی علم نہیں۔

تشریح:

اس شبہ کے جواب میں سب سے پہلے عرض ہے کہ یہ لفظ "توفّی" قرآن مجید میں کئی جگہ مستعمل ہوا ہے اور تفسیر قرآن کے لئے اس امر کو ذہن نشین کر لینا بھی ضروری ہے کہ ایک کلمہ کا استعمال ہر جگہ یکساں نہیں ہوتا، کیونکہ کلام اور گفتگو کے مواقع مختلف ہوتے ہیں، اس لئے ضروری نہیں کہ ایک لفظ کے جو معنی ایک موقع پر مراد ہیں، ہر جگہ اور ہر موقع پر وہی معنی مراد لئے جائیں (تفصیل کے لئے دیکھئے مفردات القرآن، از امام راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ)، بعض مقامات پر ایک لفظ بطور حقیقت بولا جاتا ہے اور بعض مواقع میں وہی لفظ بطور مجاز استعمال ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اسی طرح کہوں گا جیسے اللہ تعالیٰ کے عبد صالح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: "وَ کُنتُ عَلَیْهِمْ شَهِیدًا مَّا دُمْتُ فِیهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِی

Marfat.com

كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيۡهِمۡ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ شَهِيدٌ"[1]

عرض ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا بعد الوفات اپنی اُمت کے حال کا عالم ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: "فکیف اذا جئنا من کل اُمۃ بشھید وجئنا بك علیٰ ھؤلاءِ شھیدا" (سورۃ النساء: آیت ۴۱) "کیسے ہوگا جب ہم ہر اُمت سے (اس کے نبی کو) گواہ لائیں گے اور آپ کو اے محبوب ﷺ ہم ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے"۔

ظاہر ہے کہ علم کے بغیر گواہی ناممکن ہے، جب ہر نبی کی گواہی اس کی ساری اُمت کے حق میں ثابت ہوگئی تو تمام اُمت کے اعمال واحوال کا علم بھی ثابت ہوگیا، وللہ الحمد (حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں حضور ﷺ پر ہر صبح وشام حضور کی اُمت پیش کی جاتی ہے، حضور ﷺ اپنے ہر اُمتی کا چہرہ اور اس کے اعمال پہچانتے ہیں، اسی علم کامل کے باعث حضور ﷺ قیامت کے روز سب کے گواہ ہوں گے۔ تفسیر قرطبی، جز سادس، ص ۳۲۶)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبیوں سے اُن کی اُمت کے بارے میں سوال فرمائے گا تو وہ کہیں گے لا علم لنا ہمیں کوئی علم نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اُمتوں کے حال سے لاعلم ہوتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نفی علم الٰہی کے مقابلہ میں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے، ہماری اُمتوں کا حال بھی وہ خوب جانتا ہے، لہٰذا از راہِ ادب لاعلم لنا کہہ دیا، یعنی تیرے علم کے مقابلہ میں ہمارا علم نہ ہونے کے برابر ہے، یہ مطلب نہیں کہ

---

[1] سورۃ المائدہ: آیت ۱۱۷

Marfat.com

فی الحقیقت ہم بے خبر ہیں، کیونکہ جو شخص کسی واقع سے بے خبر ہو وہ اس پر شہادت نہیں دے سکتا اور ہم قرآن مجید سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ نبی اپنی اُمت پر گواہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی اُمت پر قیامت کے دن رب تعالیٰ کے حضور گواہی دیں گے لہذا لا علمی کا قول باطل ہوا۔

ایک پرانے شبہ کا ازالہ

"فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي" کی آیت میں بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں نازل ہوں گے تو اس وقت وہ ضرور رقیب ہوں گے پھر ان کا یہ فرمانا کیسے صحیح ہوگا کہ جب تو نے مجھے پورا پورا لے لیا تو پھر تو ہی ان پر نگہبان ہوگیا۔

اس کا ازالہ یہ ہے کہ مَا دُمتُ فیھم قبل الرفع اور بعد النزول دونوں زمانوں کو شامل ہے اور اسی طرح لفظ تَوَفَّيْتَنِي بھی ہر دو توفّی رفع الی السماء اور وفات بعد النزول کو عام ہے کیونکہ اَخذُ الشئی وَافِیاً رفع اور وفات دونوں کو عام ہے، لہذا آیت کریمہ کا واضح اور روشن مفہوم یہ ہے کہ آسمان پر جانے سے پہلے اور نازل ہونے کے بعد جب تک میں ان میں رہا ان کی نگہبانی اور روک ٹوک کرتا رہا اور جب تو نے مجھے آسمان پر اُٹھا کر اور نزول کے بعد وفات دے کر پورا پورا لے لیا تو ان دونوں زمانوں میں صرف تو ہی ان پر نگہبان رہا، آیت کریمہ کا یہ مفہوم ایسا روشن اور واضح ہے کہ جس میں کسی تاویل کی حاجت نہیں ہوتی۔

مرادی معنی کے تفاوت کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی لفظ منسوب الیہ کے بدل جانے سے اس کے مرادی معنی بدل جاتے ہیں مثلاً "لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر" اس آیت کریمہ میں دو لفظ "غفر" اور "ذنب" ایسے استعمال ہوئے ہیں جو قرآن مجید میں بکثرت مستعمل ہیں لیکن اس آیت میں ان دونوں کے وہ معنی مراد نہیں جو دوسری آیات میں مراد ہیں، کتب تفاسیر اور لغت قرآن وحدیث مثلاً بیضاوی، کشاف،

Marfat.com

مفردات امام راغب اصفہانی، مجمع بحار الانوار وغیرہ میں ''ذنب'' بمعنی اثم اور گناہ مرقوم ہیں، غیر معصوم کے لئے جب یہ لفظ ذنب مستعمل ہوگا تو اس کے معنی گناہ ہی ہوں گے، لیکن معصوم کے لئے جب یہ لفظ استعمال کیا جائے گا تو اس کی شان کے لائق معنی مراد ہوں گے، تاکہ دیگر دلائل شرعیہ کے خلاف لازم نہ آئے، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں لفظ ذنب کے معنی خلاف اولیٰ کام کے ہوں گے اور اس کا خلاف اولیٰ ہونا بھی محض ظاہری صورت کے اعتبار سے ہوگا، ورنہ حقیقت میں وہ کام دوسروں کے فرائض وواجبات سے کہیں افضل ہوگا۔

نبی اُمت کے لئے مطاع اور متبوع ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ ہم نبیوں کو اس لئے بھیجتے ہیں کہ ان کے قول وفعل میں ان کی اطاعت کی جائے اور ان کی اُمت ان کے قدم بقدم چلتی رہے اور ان کی اتباع اور پیروی اپنے لئے باعث نجات سمجھے، ظاہر ہے کہ نبی کے قول وفعل میں اگر معصیت پائی جائے تو وہ متبوع اور مطاع کیسے رہ سکتا ہے، اور اس کو متبوع اور مطاع ہونا ضروری ہے ورنہ اس کی نبوت بے معنی ہو کر رہ جائے گی، لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی ہر گناہ اور معصیت سے معصوم ہے، ایسی صورت میں حضور سید المرسلین ﷺ کے حق میں ذنب اور غفر کے وہ معنی کیونکر درست ہو سکتے ہیں جو گنہگاروں کے حق میں مراد ہیں، بلکہ مندرجہ ذیل توجیہات میں سے کوئی توجیہہ اختیار کرنی پڑے گی۔

۱۔ قرآن کریم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذنب سے مراد آدم وحوا علیہما السلام کا دانہ گندم کھانا ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے آپ کے ماں باپ آدم وحوا علیہما السلام کے اس فعل (خلاف اولیٰ) کو آپ کے لئے بخش دیا۔ (الشفاء، قاضی عیاض)

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت کے گناہ مراد ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ آپ کی اُمت کے گناہوں کو آپ کے طفیل بخش دے۔[1]

۳۔ ذنب سے مراد گناہ نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ مبارک کام ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تکمیل دین کی خاطر بیان جواز کے لئے کئے تھے اور وہ کام ظاہری صورت کے اعتبار سے خلاف اولیٰ تھے (اشعۃ اللمعات، جلد اوّل) لیکن در حقیقت ہمارے لئے فرائض وواجبات سے بھی افضل واعلیٰ اور برتر و بالا تھے۔

۴۔ ذنب سے مراد گناہ نہیں بلکہ الزام ہے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے مکہ معظمہ اور کعبہ مطہرہ کو آپ ؐ کے لئے اس لئے فتح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے الزامات کو آپ سے دور کر دے، کیونکہ عرب والوں کا یہ خیال تھا کہ اگر یہ سچے نبی نہیں تو مکہ اور کعبہ ان کے لئے کبھی فتح نہیں ہو سکتا، جب اللہ تعالیٰ نے یہ فتح مبین عطا فرمادی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے تمام الزامات دُور ہو گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی ظاہر ہوگئی، ذنب بمعنی الزام قرآن شریف میں مستعمل ہے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ ''مجھ پر ان کا ایک الزام ہے''، معلوم ہوا کہ ذنب بمعنی الزام بھی مستعمل ہوتا ہے۔

یاد رکھئے جس طرح لفظ ذنب انبیاء علیہم السلام کے حق میں گناہ نہیں ہوتا اسی طرح غفر بھی ان کے لئے بخشش گناہ کے معنی میں نہیں آتا، گنہگاروں کا غفر، گناہوں کی سزا سے بچنا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا غفر نفس گناہ سے بچنا اور خلاف اولیٰ امور کے ناپسندیدہ اثرات سے محفوظ رہنا ہے، مختصر یہ کہ کسی لفظ کے منسوب الیہ کے بدل جانے سے اس کے مرادی معنی بھی بدل جاتے ہیں۔[2]

---

[1] الشفاء، قاضی عیاض، تفسیر خازن

[2] ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ/ مارچ ۱۹۶۰ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۱۲)

بیداری میں زیارت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن ابي هريرة قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول من رأني في المنام فسيراني في اليقظة والا يتمثل الشيطان بي۔[1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا، اور شیطان میرا ہم شکل نہیں ہوسکتا"۔

حدیث شریف کے معنی بالکل واضح ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور حدیث میں یہ اشکال ہے کہ فی الواقع ایسا نہیں ہوتا کہ ہر وہ شخص جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہو وہ بیداری میں بھی حضور کو دیکھ لے۔

اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں لیکن محققین کے نزدیک صرف ایک ہی جواب ایسا ہے جو نہایت ہی واضح اور شکوک وشبہات سے پاک ہے اور وہ جواب سادات صوفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیا ہے جس کو شیخ شنوانی مصری نے پسند فرمایا ہے، حاشیہ الشیخ محمد الشنوانی علی مختصر ابن ابی جمرہ، مطبوعہ مصر ص ۵۳۷ پر ہے:

"وقال السادة الصوفيه يراه يقظة في دار الدنيا فالمعني حينئذٍ ان من راه مناما وكان مشتاقا واشتد شوقه راه في اليقظة كما وقع لكثير من الاولياء منهم الشيخ ابو العباس امرسي قال لو احتجبت عنه صلي الله عليه وسلم طرفة عين ما عددت نفسي من المسلمين وكذلك سيدي ابراهيم

---

[1] بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث ۶۹۹۳

المتبولي كان ينظر النبي ﷺ يقظة وكذلك الشيخ سحيمي وشيخنا البراوي نفعنا الله بالجميع"۔

"اور سادات صوفیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنے والا دار دنیا میں بحالت بیداری حضور ﷺ کو دیکھتا ہے، اس وقت حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور حضور کو بیداری میں دیکھنے کا مشتاق ہوگیا اور اس کا یہ شوق حد سے متجاوز ہوگیا تو وہ حضور ﷺ کو بیداری میں ضرور دیکھ لے گا، جیسا اکثر اولیاء کرام کے لئے واقع ہوا ان میں شیخ ابوالعباس مرسی ہیں، انہوں نے فرمایا اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی حضور ﷺ سے اوجھل ہو جاؤں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں اور اسی طرح سیدی ابراہیم متبولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں دیکھتے تھے اور اسی طرح شیخ سحیمی اور ہمارے شیخ براوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جمال مبارک جاگتے ہوئے کھلم کھلا دیکھا کرتے تھے"۔

روح المعانی پارہ ۲۲، ص ۳۴ میں اسی حدیث کے متعلق صاحب روح المعانی امام ابی محمد ابن ابی جمرہ کا قول نقل فرماتے ہیں :

"هذا الحديث يدل علي ان من يراه ﷺ في النوم فسيراه في اليقظة وهل هذا علي عمومه في حيوته وبعد مماته عليه الصلوٰة والسلام او هذا كان في حيوة وهل ذلك لكل من راه مطلقا او خاص بمن فيه الاهلية والاتباع لسنته عليه الصلوٰة والسلام اللفظ يعطي العموم ومن يدعي الخصوص فيه بغير مخصص مني ﷺ فمتعسف واطال الكلام في ذلك ثم قال وقد ذكر عن السلف والخلف هلم جرا من كانوا رأوه ﷺ في النوم وكانوا اممن يصدقون بهذا الحديث فرأوه بعد ذلك في اليقظة وسألوه عن اشياء

Marfat.com

وکانوا منها متشوشین فاخبرهم بتفریجا ونص لهم علي
الوجوه التي منها یکون فرجها فجاء الامر کذلك بلا
زیادۃ ولا نقص انتهي المراد منه''۔

''یہ حدیث "من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة" دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جس نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا وہ عنقریب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیداری میں دیکھ لے گا، رہا یہ سوال کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے، حضور کی حیات ظاہری اور وفات اقدس کے بعد یا یہ حیات ظاہری کے ساتھ مخصوص ہے، نیز یہ سوال کہ یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جس نے حضور کو دیکھا، مطلقاً یا خاص ہے ان لوگوں کے ساتھ جن میں اہلیت اور اتباع سنت کا وصف پایا جاتا ہے تو ان دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ الفاظ حدیث تو عموم (الفاظ حدیث کے افادۂ عموم کی جو توجیہہ امام ابی محمد ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی ہے نہایت صحیح اور بے غبار ہے، رہا شیخ محمد شنوانی کا قول ہے کہ وکان مشتاقا اشد شوقه اس کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے عن الناس فیما یعشقون مذاهب۔ کاظمی) ہی کا فائدہ دیتے ہیں اور جو شخص حضور کی تخصیص کے بغیر اپنی طرف سے خود بخود تخمیص کا دعویٰ کرے وہ متعصب ہے، اور امام موصوف نے اس کے متعلق کلام طویل فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک چلے آئیے، ان میں سے جو لوگ بھی نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھتے تھے، انہوں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے بعد بیداری میں دیکھا اور حضور ﷺ سے ایسی چیزوں کے متعلق سوال کیا جن میں وہ متردد تھے تو حضور ﷺ نے ان اشیاء میں تردد سے کشادگی کی خبر دی اور ان کے لئے ایسے وجوہ کی تصریح فرما دی جن سے وہ متردد فیہ امور بالکل کشادہ ہو جائیں اور پھر حضور کے فرمان کے مطابق بلا کم وکاست اسی طرح وہ امور واقع ہوئے''۔

نبی کریم ﷺ کے بیداری میں تشریف فرما ہونے اور اپنے غلاموں کو اپنے لطف

Marfat.com

وکرم سے مستفید ہونے پر اکابر علماء اُمت اور علماء محققین کی اتنی تصریحات موجود ہیں کہ ان تمام کو نقل کرنے کے لئے یہ مختصر وقت کسی طرح مکتفی نہیں ہو سکتا۔ مشتے نمونہ از خروارے چند عبارات پیش کرتا ہوں :

تفسیر روح المعانی، پارہ ۲۲، ص ۳۳ پر ہے :

"فقد وقعت رؤيته ﷺ بعد وفاته بغير واحد من الكاملين من هذه الامة والاخذ منه يقظة كما قال الشيخ سرج الدين بن الملقن في طبقات الاولياء الى اخره"۔

"بے شک نبی کریم ﷺ کا دیکھنا آپ کی وفات کے بعد اور بیداری میں حضور سے فیض لینا اُمت محمدیہ کے بکثرت کاملین کے لئے واقع ہوا ہے جیسا کہ شیخ سراج الدین بن الملقن نے طبقات الاولیاء میں فرمایا ہے"۔

اس عبارت کے بعد صاحب روح المعانی نے شیخ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی نقول پیش کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مفصل واقعہ بیان کیا ہے جس میں صاف صاف مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضور علیہ السلام کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہر و باہر تشریف لائے اور حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دہن مبارک میں اپنا مقدس لعاب دہن ڈالا اور وہ فیض پہنچایا جس کی مثال نہیں مل سکتی پھر شیخ خلیفہ بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نقل فرمایا :

"كان كثير الرؤية لرسول الله عليه الصلوٰة والسلام يقظة ومناماً"۔ [1]

"حضرت شیخ خلیفہ بن موسیٰ رضی اللہ عنہ سوتے جاگتے حضور ﷺ کو بہت کثرت سے دیکھنے والے تھے"۔

---

[1] سید محمود آلوسی بغدادی: تفسیر روح المعانی: مطبوعہ ملتان ص ۳۶،۳۵

Marfat.com

اس کے بعد صاحب روح المعانی نے حضرت شیخ تاج الدین ابن عطاء اللہ کا قول "لطائف المنن" سے اس طرح نقل فرمایا:

"قال رجل الشیخ ابي العباس المرسي یا سیدي صافحني بکفك هذه فانك لقیت رجالاً وبلاداً فقال واللہ ماصافحت بکفي هذه الا رسول اللہ ﷺ قال وقال الشیخ لو حجب عني رسول اللہ ﷺ طرفة عین ماعددت نفسي من المسلمین ومثل هذه النقول کثیر في کتب القوم جداً"۔[1]

"کسی شخص نے حضرت شیخ ابوالعباس مرسی سے عرض کیا اے میرے سردار آپ اس ہتھیلی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ فرمائیں اس لئے کہ آپ بڑے شہروں میں گھومے ہیں اور بڑے مردانِ خدا سے آپ نے ملاقات کی ہے حضرت شیخ ابوالعباس مرسی نے فرمایا خدا کی قسم میں نے اس ہتھیلی سے سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا، حضرت امام تاج الدین نے فرمایا کہ حضرت شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر پلک جھپکنے کی مقدار رسول اللہ ﷺ مجھ سے حجاب میں ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں اور اس جیسی نقول کتب قوم میں بہت زیادہ ہیں"۔

اس کے بعد اسی بحث میں صاحب روح المعانی نے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت "تنویر الحلك" سے نقل فرمائی جس کو بلفظہا پیش کرتا ہوں:

"فحصل من مجموع هذا الکلام النقول والاحادیث ان النبي ﷺ حي بجسده وروحه وانه یتصرف ویسیر حیث شاء في اقطار الارض وفي الملکوت وهو بهیئته التي کان

---

[1] تفسیر روح المعانی، پ ۲۲ ص ۳۳، ۳۴، مطبوعہ مصر

علیها قبل وفاته لم یتبدل منه شئي وانه مغیب عن الابصار کما غیبت الملائکة مع کونهم احیاء باجساد هم فاذا اراداللّٰه تعالیٰ رفع الحجاب عمن اراد اکرامه برؤیته راٰه علي هیئته التي هو علیه الصلوٰة والسلام علیها لامانع من ذلك ولاداعي الي التخصیص برؤیة المثال''۔ [1]

''ان تمام نقول اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ اپنے جسم مبارک اور روح اقدس کے ساتھ زندہ ہیں اور بے شک حضور ﷺ اطراف زمین اور ملکوت اعلیٰ میں جہاں چاہتے ہیں سیر اور تصرف فرماتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اسی ہیئت مبارکہ کے ساتھ ہیں جس پر وفات سے پہلے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی چیز بدلی نہیں اور بے شک نبی کریم ﷺ ظاہری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جس طرح ملائکہ غائب کر دیئے گئے ہیں، حالانکہ وہ سب اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنے حبیب ﷺ کا جمال دکھا کر عزت و بزرگی عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو دُور کر دیتا ہے اور وہ مقرب بندہ حضور ﷺ کو اسی ہیئت پر دیکھ لیتا ہے جس پر حضور واقع ہیں، اس روایت سے کوئی چیز مانع نہیں اور روٴیت مثالی کی تخصیص کی طرف کوئی امر داعی نہیں''۔

اور زرقانی، جلد ۱، ص ۸، مطبوعہ مصر میں ہے:

'' لایمتنع رؤیة ذاته علیه السلام بجسده وروحه''۔

''یعنی حضور ﷺ کو حضور کے جسم اقدس اور روح مبارک کے ساتھ دیکھنا محال نہیں ہے''۔

---

[1] تفسیر روح المعانی (عربی)، مطبوعہ ملتان ص ۳۶، ۳۷

Marfat.com

حضور ﷺ کا جمال دیکھنے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دیکھنے والے نے حضور کی ذاتِ اقدس اور روح مبارک کو دیکھا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمالِ محمدی دیکھنے والا حضور سید عالم ﷺ کے اس مبارک جسم مثالی کو دیکھ رہا ہے جس کے ساتھ حضور ﷺ کی روح مجردہ قدسیہ متعلق ہے اور اس امر سے کوئی شئے مانع نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے مثالی اجسام بے شمار تعداد میں متعدد ہو جائیں اور ہر جسدِ اقدس کے ساتھ روحِ مقدس کا بالکل وہی تعلق رہے جو ایک جسم کے الگ الگ اعضاء اور اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ روح المعانی میں نہایت تفصیل کے ساتھ وارد ہے ملاحظہ فرمائیے :

" والمرئي اما روحه عليه الصلوٰة والسلام التي هي اكمل الارواح تجردًا وتقديسا بان تكون قد تطورت وظهرت بصورة مرئية بتلك الرؤية مع بقاء تعلقها بجسده الشريف الحي في القبر السامي المنيف عليٰ حد ما قاله بعضهم من ان جبريل عليه السلام مع ظهوره بين يدي النبي عليه الصلوٰة والسلام في دحية الكلبي اوغيره لم يفارق سدرة المنتهيٰ واما جسد مثالي تعلقت به روحه ﷺ المجردة القدسية ولا مانع من ان يتعدد الجسد المثالي الي ما لا يحصي من الاجساد مع تعلق روحه القدسية عليه من الله تعاليٰ الف الف صلوٰة وتحية بكل جسد منها ويكون هذا التعلق من قبيل تعلق الروح الواحدة باجزاء بدن واحد ولا تحتاج في ادراكاتها واحساساتها في ذلك التعلق الي ما تحتاج اليه من الاٰلات في تعلقها بالبدن في الشاهد وعليٰ ما ذكر يظهر وجه ما نقله الشيخ صفي الدين بن ابي منصور، والشيخ عبد الغفار عن شيخ ابي العباس الطنٰجي

Marfat.com

من انه رأي السماء والارض والعرش والكرسي مملوّة من رسول الله ﷺ وينحل به السوال عن كيفية روُية المتعددين له عليه الصلوٰة والسلام في زمان واحد في اقطار متباعدة ولا يحتاج معه الي ما اشار اليه بعضهم وقد سئل عن ذلك فانشد''

كالشمس في كبد السماء وضؤها
يغشى البلاد مشارقا ومغاربا[1]

''اور جو چیز دیکھنے میں آتی ہے وہ یا روح مبارک ہے نبی کریم ﷺ کی جو تجرد اور تقدس کے لحاظ سے تمام روحوں میں سب سے زیادہ کامل ہے، بایں طور کہ وہ روحِ مبارک ظاہری صورت میں اس روٗیت کے ساتھ نظر آنے لگتی ہے اور اس روح اقدس کا تعلق حضور ﷺ کے اس جسد مبارک کے ساتھ باقی ہے جو قبر مبارک میں زندہ ہے، یہ قول بعض محققین کے اس قول کے بالکل مطابق ہے کہ جبریل علیہ السلام جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت دحیہ کلبی وغیرہ کی صورت میں حاضر ہوتے تھے تو سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہ ہوتے تھے (دیکھئے جبریل علیہ السلام زمین پر بھی ہیں اور اسی وقت سدرۃ المنتہیٰ پر بھی موجود ہیں) اور یا مثالی جسم نظر آتا ہے جس کے ساتھ روح مجردہ قدسیہ متعلق ہے اور اس سے کوئی شے مانع نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے مثالی جسم لا تعداد و لاتحصیٰ ہو جائیں اور روح قدسیہ کا تعلق ہر جسم سے مساوی طور پر رہے اور یہ تعلق بالکل ایسا ہے جیسا کہ ایک روح ایک بدن کے الگ الگ اجزاء و اعضاء سے تعلق رکھتی ہے اور مثالی جسموں میں وہ روح اپنے ادراکات و احساسات میں ان آلات کی قطعاً محتاج نہیں ہوتی جن کی ضرورت اسے کسی مشاہدہ کرنے والے شخص میں اس کے بدن کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے (مثلاً جسم کا کوئی عضو جسم

---

[1] روح المعانی، پ ۲۲ص ۳۵،مطبوعہ مصر

Marfat.com

سے الگ ہو جائے تو روح کا تعلق اس سے نہیں رہتا، اس کے برخلاف مثالی جسم بے شمار تعداد میں الگ الگ اور دور رہوتے ہیں پھر بھی ان سب سے روح کا تعلق ہوتا ہے اور تمام جسموں کے ساتھ روح کے ادراکات اور احساسات اور ہر قسم کے تصرفات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔کاظمی) اور اس بیان پر اس قول کی وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے، جس کو شیخ صفی الدین بن منصور، اور شیخ عبدالغفار نے حضرت شیخ ابوالعباس طنجی سے نقل کیا اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوالعباس طنجی نے آسمانوں اور زمینوں اور عرش اور کرسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھرا ہوا دیکھا، نیز اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد لوگ ایک ہی وقت میں دُور دراز مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں، پھر یہ کہ اس بیان کے ہوتے ہوئے اس مضمون کی بھی حاجت نہیں رہتی جس کی طرف بعض بزرگوں نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے جب ان سے اس رؤیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھ دیا۔

کالشمس فی کبد السماء وضوء ها
یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سورج کی طرح ہیں جو آسمان کے وسط میں ہو اور اس کی روشنی مشرقوں اور مغربوں کے تمام شہروں کو ڈھانک لے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اقطارِ عالم کے اندر تشریف فرما ہونا کیونکر ناممکن ہو سکتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھئے کہ آسمان پر ہونے کے باوجود زمین پر بھی تشریف فرما ہوتے ہیں اور ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس وقت صرف زمین پر ہیں، آسمان پر نہیں، علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی اسی روح المعانی میں فرماتے ہیں :

" اخرجا ابن عدي عن انس بينا نحن مع رسول الله ﷺ اذ رأينا بردا ويدا فقلنا يا رسول الله ماهذا البرد الذي رأينا

Marfat.com

والید؟ قال قد رأیتموہ قالوا نعم قال ذلك عیسیٰ بن مریم سلّم عليّ"۔

"ابن عدی نے حضرت انس سے روایت کیا اس اثناء میں کہ ہم (صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے ناگہاں ہم نے ایک چادر اور ایک ہاتھ دیکھا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کیا ہے یہ چادر جو ہم نے دیکھی اور یہ ہاتھ کیسا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم نے دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا حضور ہاں! فرمایا یہ عیسیٰ بن مریم ہیں جنہوں نے مجھ پر سلام عرض کیا"۔

اور سنئے !

اسی مقام پر بلکہ اسی حدیث کے نیچے صاحب روح المعانی ایک دوسری حدیث ارقام فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیے :

" وفي رواية ابن عساکر عنه کنت اطوف مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم حول الکعبة اذ رأیته صافح شیئا ولم اره قلنا یا رسول اللہ صافحت شیئا ولا نراه قال ذلك اخي عیسیٰ بن مریم انتظرته حتیٰ قضیٰ طوافه فسلمت علیه"۔

"اور ابن عساکر کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، ناگہاں میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ آپ نے کسی سے مصافحہ فرمایا اور میں نے اسے نہیں دیکھا، ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے کسی سے مصافحہ فرمایا مگر ہم نے اس کو نہیں دیکھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ میرے بھائی عیسیٰ ابن مریم ہیں، میں ان کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے طواف سے فارغ ہو گئے پھر میں نے ان پر سلام پیش کیا"۔

Marfat.com

دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر رونق افروز ہوتے ہوئے زمینوں پر بھی موجود ہیں اور ایک عیسیٰ علیہ السلام پر کیا موقوف ہے احادیث صحیحہ کی روشنی میں علیٰ روس الاشہاد عرض کرتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مقربان بارگاہ ایزدی کسی ایک مکان میں مقید نہیں ہوتے، ایک مکان کیا بلکہ ایک جہان میں بھی وہ مقید نہیں ہوتے بلکہ بیک وقت تمام جہانوں میں تشریف فرما ہوں تو ممکن بلکہ واقع ہے، حدیث شریف میں ہے حضور سید عالم ﷺ نے شب معراج بیت المقدس میں انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمائی اور تمام انبیاء و رسل نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی جیسا کہ تفسیر ابن جریر، جزو ۱۵، ص ۳ پر ہے:

"ثم انطلقنا حتي اتينا الي بيت المقدس فصليت فيه بالنبيين والمرسلين اماماً ثم عرج بي الي السماء الدنيا"۔

"حضور ﷺ فرماتے ہیں پھر ہم چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے میں نے وہاں تمام نبیوں اور رسولوں کو امام بن کر نماز پڑھائی، پھر مجھے پہلے آسمان کی طرف لے جایا گیا"۔

یہی مضمون ابو یعلی نے اُم ہانی سے، مسلم نے ابو سلمہ اور سیدنا ابن مسعود سے، طبرانی نے اوسط میں ابی امامہ سے اور بیہقی نے ابو سعید سے، اور امام احمد نے حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے: مواہب اللدنیہ، جزو ۲، ص ۱۶۔۱۷، مطبوعہ مصر، صحیح مسلم، جلد ۱، ص ۹۶، مطبع انصاری دہلی، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ وفرض الصلوات۔

بیت المقدس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھا کر حضور ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور وہاں آدم علیہ السلام، یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام، یوسف علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور ان سب سے ملاقات فرمائی۔ بخاری شریف، جلد ۱، ص ۵۴۸۔۵۴۹، مطبوعہ اصح المطابع، باب المعراج، مسلم شریف، مطبوعہ اصح المطابع، جلد ۱، ص ۹۳، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ۔

یہاں قابل غور یہ امر ہے کہ ان میں سے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات پا چکے ہیں

Marfat.com

وہ اپنی قبور مبارکہ کے اندر عالم برزخ میں بھی موجود ہیں جو ایک مستقل جہان ہے اور اس جہان دنیا میں بھی مسجد بیت المقدس میں حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، اور جب حضور سید عالم ﷺ آسمانوں پر رونق افروز ہوتے ہیں (جسے عالم آخرت کہنا چاہئے) تو وہاں بھی اپنے اپنے مقامات پر یہ حضرات موجود ہیں، معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بیک وقت عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت میں موجود ہیں، جب ہر عالم میں حضرات کا بیک وقت موجود ہونا ثابت ہے تو حضور سید عالم کا ہر مکان میں موجود ہونا کیونکر ناممکن ہوسکتا ہے؟

دیکھئے اسی حدیث معراج سے بالکل یہی مضمون امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کیا ہے، چنانچہ امام موصوف ''الیواقیت والجواہر''، جلد دوم، ص ۳۶، مطبوعہ مصر میں فوائد معراج کی تفصیل فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :

'' ومنها شهود الجسم الواحد في مكانين في آن واحد كما رأي محمد ﷺ نفسه في اشخاص بني آدم السعداء حين اجتمع به في السماء الاولي كما مر وكذلك آدم وموسي وغيرهما فانهم في قبورهم في الارض حال كونهم ساكنين في السماء فانه قال رأيت آدم رأيت موسي رأيت ابراهيم واطلق وما قال رأيت روح آدم ولا روح موسي فراجع ﷺ موسي في السماء وهو بعينه في قبره في الارض قائما يصلي كما ورد فيا من يقول ان الجسم الواحد لا يكون في مكانين كيف يكون ايمانك بهذا الحديث فان كنت مؤمنا فقلد وان كنت عالما فلا تعترض فان العلم يمنعك وليس لك الاختبار فانه لا يختبر الا الله وليس لك ان تتاول ان الذي في الارض غير الذي في السماء لقوله عليه الصلوٰة والسلام رأيت موسي واطلق وكذلك سائر من

Marfat.com

راٰہ من الانبیاء ھناك فالمسمی موسیٰ ان لم یکن عینہ فالاخبار عنہ کذاب انہ موسیٰ ھذا‘‘ ۔

’’اور فوائد معراج میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک جسم آن واحد میں دو مکانوں میں حاضر ہو گیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیک بخت اولادِ آدم کے افراد میں خود اپنی ذاتِ کریمہ کو بھی ملاحظہ فرمایا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پہلے آسمان پر جمع ہوئے تھے جیسا کہ گذرا اور اسی طرح آدم اور موسیٰ علیہما السلام اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پس بے شک وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زمین میں اپنی قبروں کے اندر ہیں دراں حالیکہ وہ آسمانوں میں بھی سکونت رکھتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقاً اس طرح فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو دیکھا، ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، روح کی قید کے ساتھ مقید فرما کر اس طرح نہیں فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کی روح کو دیکھا اور نہ یوں فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی روح کو دیکھا (جس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعینہ ان انبیاء علیہم السلام ہی کو دیکھا تھا نہ کہ ان کی ارواح یا امثال کو) پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو اور مراجعت فرمائی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام بعینہ زمین میں اپنی قبر شریف کے اندر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جیسا کہ (مسلم شریف) کی حدیث میں وارد ہوا ہے، پس انتہائی افسوس ہے اور تعجب اس کہنے والے پر جو یہ کہتا ہے کہ ایک جسم بیک وقت دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا (اے قائل) ذرا یہ تو بتا دے کہ اس قول کے ہوتے ہوئے تیرا ایمان اس حدیث پر کیونکر ہو سکتا ہے، اگر تو مومن ہے تو تجھے مان لینا چاہئے، اگر تو عالم ہے تو اعتراض نہ کر، اس لئے کہ علم تجھے روکتا ہے اور تجھے حقیقت حال کا علم ہے نہیں، اس لئے کہ یہ علم حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اور تیرے لئے یہ بات بھی جائز نہیں کہ تو اس حدیث میں یہ تاویل کر لے کہ جو انبیاء زمین میں ہیں وہ ان کے غیر ہیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمان میں دیکھا، اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رأیت موسیٰ مطلقاً فرمایا، اور اسی طرح باقی انبیاء

Marfat.com

علیہم السلام کے متعلق جنہیں حضور علیہ السلام نے آسمانوں میں دیکھا (یہ نہیں فرمایا کہ میں نے آسمانوں میں ان کے غیر کو دیکھا جو زمین میں ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کو موسیٰ فرمایا، اگر وہ بعینہٖ موسیٰ علیہ السلام نہ ہوں تو ان کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ موسیٰ ہیں کذب ہوگا، العیاذ باللہ۔۔۔

آگے چل کر امام شعرانی نے فرمایا:

"ثم ان المعترض ينكر علي الاولياء مثل هذا في تطوراتهم وقد كان قضيب البان يتطور فيما شاء من الصور في اماكن متعددة وكل صورة خرطب فيها اجاب ان الله علي كل شئي قدير"۔

"فرماتے ہیں پھر معترض اولیاء اللہ کے متعدد صورتوں میں ظاہر ہونے کا انکار کرتا ہے حالانکہ قضیب البان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن صورتوں میں چاہتے تھے مختلف مقامات میں متصور ہو کر ظاہر ہو جاتے تھے اور جس صورت میں بھی آپ کو پکارا جاتا تھا، آپ ضرور جواب دیتے تھے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے"۔[1]

بزرگان دین کا اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ متمثل ہو کر متعدد مقامات میں ظاہر ہونا درحقیقت ایک ایسا کمال ہے جو ان حضرات کو قوتِ قدسیہ کی تکمیل کے بعد حاصل ہو جاتا ہے، دیکھئے صاحب روح المعانی اپنی تفسیر، پارہ ۲۳، ص ۱۳ پر ارشاد فرماتے ہیں:

"والانفس الناطقه الانسانية اذا كانت قدسية قد تنسلخ من الابدان وتذهب متمثلة ظاهرة بصور ابدانها او بصور اخري كما يتمثل جبريل عليه السلام ويظهر بصورة دحية او بصورة بعض الاعراب كما جاء في صحيح الاخبار حيث

---

[1] الیواقیت والجواہر، جلد ۲، ص ۳۶

Marfat.com

یشاء الله عزوجل مع بقاء نوع تعلق لها بالابدان الاصلية يتاتي معه صدور الافعال منها كما يحكي عن بعض الاولياء قدست اسرارهم انهم يرون في وقت واحد في عدة مواضع وما ذاك الا لقوة تجرد انفسهم وغاية تقدسها فتمثل وتظهر في موضع وبدنها الاصلي في موضع اٰخر ''

لاتقل دارها الشرقی نجد

کل نجد للعامرية دار

''اور انسانی روحیں جب مقدس ہو جاتی ہیں تو کبھی اپنے بدنوں سے الگ ہو کر ان ہی بدنوں کی صورتوں یا دوسری شکلوں میں ظاہر ہو کر جبرئیل علیہ السلام کی طرح جیسا کہ دحیہ کلبی یا بعض اعراب کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے جس طرح صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تشریف لے جاتی ہیں، اور ان کا اپنے اصلی بدنوں کے ساتھ ایک قسم کا تعلق بھی باقی رہتا ہے اور وہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے بدنوں سے ان روحوں کے کام صادر ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ بعض اولیاء قدست اسرارہم کے متعلق منقول ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر دیکھے جاتے ہیں اور یہ بات صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کی روحیں قوت تجرد اور انتہائے تقدس میں اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لیتی ہیں، اس وجہ سے وہ روحیں متمثل ہو کر کسی جگہ ظاہر ہوتی ہیں، حالانکہ ان کا اصل بدن دوسرے مقام پر ہوتا ہے ۔

تم یہ نہ کہو کہ اس کا گھر شرقی جانب میں ہے ۔ بلکہ تمام نجد عامریہ کا گھر ہے

اس کے بعد متصلاً صاحب روح المعانی فرماتے ہیں :

''وهذا امر مقرر عند السادة الصوفية مشهور فيما بينهم وهو غير طے المسافة وانكار من ينكر كلا منها عليهم مكابرة لا تصدر الا من جاهل اومعاند وقد عجب العلامة

Marfat.com

التفتازاني من بعض فقهاء اهل السنة اي كابن مقاتل حيث حكم بالكفر علي معتقد ما روي عن ابراهيم بن ادهم قدس سره انهم رأوه بالبصرة يوم التروية وروئي ذلك اليوم بمكة ومبناه زعم ان ذلك من جنس المعجزات الكبار وهو مما لا يثبت كرامة لولي وانت تعلم ان المعتمد عند نا جواز ثبوت الكرامة للولي مطلقا الا فيما يثبت بالدليل عدم امكانه كالاتيان بسورة من احدي سورة القرآن وقد اثبت غير واحد تمثل النفس وتطورها لنبينا ﷺ بعد الوفاة وادعي انه عليه الصلوٰة والسلام قد يري في عدة مواضع في وقت واحد مع كونه في قبره الشريف يصلي وقد تقدم الكلام مستوفي في ذلك وصح انه ﷺ رأي موسي عليه السلام يصلي في قبره عند الكثيب الاحمر وأه في السماء وجري بينهما جري في امر الصلوات المفروضة وكونه عليه السلام عرج الي السماء بجسده الذي كان في القبر بعد ان رأه النبي ﷺ مما لم يقله احد جزما والقول به احتمال بعيد وقد رأي ليلة اسي به جماعة من الانبياء غير موسي عليه السلام في السموات مع ان قبورهم في الارض ولم يقل احد انهم نقلوا منها اليها علي قياس ما سمعت انفا وليس ذلك مما ادي الحكميون استحالة من شغل النفس الواحدة اكثر من بدن واحد بل هو امر وراءه كما لا يخفي من نور الله تعالي بصيرته۔ انتهي[1]

"اور یہ امر سادات صوفیہ کے نزدیک ثابت شدہ اور ان کے درمیان مشہور ہے اور وہ

---

[1] روح المعانی، پ ۲۳، ص ۱۳، مطبوعہ مصر

Marfat.com

طے مسافت کے علاوہ ہے اور جو شخص ان دونوں کمالوں (طے مسافت اور بیک وقت مقامات متعددہ میں ان کا موجود ہونا) کا منکر ہے، اس کا انکار مکابرہ ہے جو سوائے جاہل یا معاند کے کسی سے صادر نہیں ہوسکتا، اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے ابن مقاتل جیسے بعض فقہاء اہل سنت پر سخت تعجب کا اظہار کیا ہے، اس حیثیت سے کہ انہوں نے ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا جو ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ کے متعلق اس روایت کا معتقد ہے کہ لوگوں نے انہیں ذی الحج کی آٹھویں تاریخ کو بصرہ میں دیکھا اور وہ اسی دن مکہ میں بھی دیکھے گئے اور ان کے حکم کفر کا مدار اس امر پر ہے کہ انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ ایک وقت میں متعدد مقامات پر موجود ہونا انبیاء علیہم السلام کے بڑے معجزات میں سے ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جو ولی کے لئے بطور کرامت ثابت نہیں ہوسکتے، حالانکہ تو جانتا ہے کہ ہم اہل سنت کے نزدیک معتبر مسلک یہ ہے کہ نبی کا معجزہ ولی کے لئے بطور کرامت ثابت ہوسکتا ہے، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا سوائے اس معجزہ کے جس کا صدور ولی کے حق میں بطور کرامت ناممکن ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہوجائے جس طرح قرآن مجید کی سورتوں میں سے کسی سورت کی مثل لے آنا (اس کے سوا باقی تمام معجزات خواہ وہ کیسے ہی عظیم الشان ہوں، اولیاء اللہ کے لئے بطور کرامت ان کا صدور وظہور ہوسکتا ہے) اور بکثرت علماء محققین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وفات شریف کے بعد آپ کی روح اقدس کے متمثل ہوکر ظہور فرمانے کو ثابت کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسا اوقات ایک ہی وقت میں بہت سی جگہوں میں دیکھے جاتے ہیں، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں اور اس مسئلہ میں اس سے پہلے نہایت تفصیلی کلام گذر چکا ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرخ رنگ کے ٹیلے کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر شریف میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آسمان میں بھی دیکھا اور سب جانتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کیا گفتگو ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے

Marfat.com

کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا اپنے اسی جسم کے ساتھ جو قبر شریف میں تھا آسمانوں پر لے جایا جانا یقیناً ایسی بات ہے کہ آج تک کسی نے نہیں کی، اور ویسے بھی یہ قول احتمال بعید ہے (پھر یہ امر بھی قابل غور ہے) کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور انبیاء علیہم السلام کو بھی آسمانوں پر دیکھا، باوجود اس کے کہ ان کی قبور مقدسہ زمین میں ہیں اور یہ بات بھی آج تک کسی نے نہیں کہی کہ وہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے آسمانوں کی طرف منتقل کر دیئے گئے، جیسا کہ تم ابھی سن چکے ہو (ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے) کہ یہ بیک وقت متعدد مقامات میں ان مقدس حضرات کا موجود ہونا اس قبیلہ سے نہیں ہے جس کے محال ہونے کا فلسفیوں نے دعویٰ کیا ہے، کہ ایک روح کا شغل ایک بدن سے زائد بدنوں کے ساتھ ناممکن ہے، ان حضرات کا یہ کمال فلاسفہ کی محال قرار دی ہوئی صورت کے علاوہ اور اس سے بہت بلند ہے، جیسا کہ یہ حقیقت ان لوگوں پر ظاہر ہے جن کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے روشن فرما دیا۔

مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے روح المعانی کی یہ عبارت فتح الملہم میں نقل کی ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ حضور ﷺ باوجود اپنی قبر شریف میں رونق افروز ہونے کے بیک وقت متعدد مقامات پر دیکھے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے فتح الملہم، جلد اوّل، ص ۳۰۵، مطبوعہ مدینہ پریس بجنور۔

دیکھئے دیوبندی علماء بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضور کے متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونے کے قائل ہیں۔

فیض الباری، جزو اوّل، مطبوعہ قاہرہ، ص ۲۰۴ پر انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں:

"ويمكن عندي رؤيته ﷺ يقظة لمن رزقه الله سبحانه كما نقل عن السيوطي رحمه الله تعالىٰ انه رآه ﷺ اثنين وعشرين مرة وسأله عن احاديث ثم صححها بعد

Marfat.com

تصحیحہ صلی اللہ علیہ وسلم ''۔

''اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاگتے ہوئے بیداری کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنا ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے، جیسا کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بائیس مرتبہ دیکھا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا، پھر حضور علیہ السلام کی تصحیح کے بعد سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو صحیح کرلیا۔

اس کے بعد انور شاہ صاحب نے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور حضور کے سامنے اپنے آٹھ رفقاء کی معیت میں بخاری شریف پڑھی، یہ لکھ کر انور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ''فالرویۃ متحققۃ وانکارھا جھل'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری میں دیکھنا متحقق اور ثابت ہے اور اس کا انکار جہل صریح ہے۔[1]

---

[1] کتاب ''تسکین الخواطر فی مسئلۃ الحاضر والناظر'' از علامہ کاظمی

Marfat.com

حدیث نمبر (۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے قاسم ہیں

"عن معاوية قال قال رسول الله ﷺ ... وانما انا قاسمٌ والله يعطي"

"اور بے شک میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے"۔ [1]

"یعطی" فعل ہے اور "قاسم" صیغہ اسم فاعل، اسم فاعل اور اسم مفعول یہ سب مشبہ فعل ہوتے ہیں، یعطی فعل ہے اور قاسم مشبہ یا فعل، اور قاعدہ ہے کہ کبھی مشبہ فعل کا معمول حذف کیا جاتا ہے، فصاحت و بلاغت کی کتابیں جیسے "مختصر المعانی" بیان کی شرحیں آپ پڑھیں، تو فعل و مشبہ فعل کے معمولات کو حذف کرنے کی وجوہات کا پتہ چل جائے گا، کبھی فعل اور مشبہ فعل معمول کو اس لئے حذف کیا جاتا ہے کہ معمول عام ہو جائے اور کبھی فعل اور مشبہ فعل کے عموم کو ثابت کرنے کے لئے معمول کو حذف کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "واللہ یعطی" اللہ دیتا ہے، اللہ کیا دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یعطی کا مفعول ذکر نہیں کیا کہ اللہ کیا دیتا ہے؟ کیونکہ اللہ ہر چیز دیتا ہے کس کس چیز کا ذکر کیا جائے، لہٰذا ان چیزوں کا ذکر نہ کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ دیتا ہے وہ عام ہے، کبھی مفعول کے عام ہونے پر دلالت کرنے کے لئے مفعول کو حذف کر دیا جاتا ہے، جس طرح یعطی کا مفعول عام ہے اور اسی طرح "وانا قاسم" کا مفعول بھی عام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سب کچھ دیتا ہے اور میں سب کچھ بانٹتا ہوں، نہ اللہ تعالیٰ کے دینے میں کمی ہے اور نہ میرے تقسیم کرنے میں کوئی کمی ہے، اس کی عطا بھی عام ہے میری تقسیم بھی عام ہے، وہ دنیا بھی دیتا ہے میں دنیا بھی بانٹتا ہوں، وہ دین بھی دیتا ہے میں دین

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب العلم، فصل اول، حدیث ۳

Marfat.com

بھی تقسیم کرتا ہوں، علم، اولاد، ایمان غرض یہ کہ دین و دنیا کی ہر نعمت وہ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔

ایک سوال:

"واللہ یعطی وانا قاسم" تو حضور ﷺ کی حیات دنیاوی کے ساتھ خاص تھی۔

جواب:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی حیات کو نہ مانتا ہو وہ مومن بھی نہیں، کیونکہ یعطی میں استمرار ہے اور استمرار میں دوام کے معنی ہیں، جب حیات ختم ہوگئی تو عطا میں دوام کیسے ہوا؟ معلوم ہوا کہ نہ حیات ختم ہوئی اور نہ عطا، عطا مستمر ہے تو حیات بھی، اگر عطا منقطع ہوجائے تو حیات بھی منقطع ہوگئی، عطا منقطع ہوتی نہیں کیونکہ عطا میں استمرار ہے لہذا زندگی بھی منقطع نہیں ہوتی، اگر حضور نبی کریم ﷺ کی حیات کا انکار کریں گے، تو عمل رسالت کا انکار کرنا پڑے گا، اور عمل رسالت کا انکار ہم کر ہی نہیں سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا"[۱]

"بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اُتاری تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو"۔

میرے آقا ﷺ العالمین کے لئے نذیر اور رسول ہیں۔

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ"[۲]

"اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر (اے محبوب) سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر"

العالمین کے اندر دنیا بھی ہے اور عقبیٰ بھی، العالمین کے اندر عالم برزخ بھی ہے اور

۱۔ سورۃ الفرقان، آیت ۱

۲۔ سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

Marfat.com

عالم آخرت بھی، العالمین کے اندر عالم بیداری بھی ہے اور عالم نوم بھی، الغرض زمین، آسمان، ظاہر، باطن، تمام عالم خلق، تمام عالم امر، عالم اجسام، عالم ارواح، عالم جواہر، عالم اعراض، عالم معانی سب کچھ العالمین کے عموم میں شامل ہیں اور میرے آقا تمام عالموں کے رسول ہیں اور رسول کے معنی ہیں پیغام پہنچانے والا، پیغام پہنچانا ایک عمل ہے اور عمل حیات پر دلیل ہے، جہاں عمل ختم ہو جاتا ہے وہاں حیات ختم ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب تک کسی کی نبض چلتی رہے، دل کی حرکت قائم رہے، تو حیات باقی ہے کیونکہ دل کا حرکت کرنا نبض کا چلنا یہ ایک عمل ہے، جب تک عمل ہے تو حیات ہے عمل نہیں تو حیات نہیں، لہٰذا میرے آقا ہر آن اور ہر وقت رسول ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر میرے آقا ہر آن اور ہر وقت رسول نہیں ہیں تو وہ وقت بتاؤ جس وقت حضور ﷺ رسول نہیں ہیں؟ جب کوئی ایسا وقت نہیں ہے کہ جس وقت عمل رسالت نہ ہو، اور جس وقت عمل رسالت نہیں ہوگا اس وقت حضور رسول نہیں ہوں گے، اور جس وقت سرکار رسول نہیں ہوں گے، اس وقت ہم آپ ﷺ کے رسول ہونے کا کلمہ کیسے پڑھ سکتے ہیں؟ اس لئے ہر وقت اس کلمہ کا ہمارے اندر ہونا ضروری ہے، تو پتہ چلا کہ ہر وقت آپ ﷺ کا رسول ہونا ضروری ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جب ہر وقت آپ کا عمل رسالت جاری ہو اور عمل رسالت تب ہی جاری رہے گا جب حیات جاری رہے گی، کیونکہ عمل بغیر حیات کے ہو نہیں سکتا، جہاں عمل ختم ہو گیا وہاں حیات ختم ہو گئی اور حضور ﷺ کا عمل رسالت تا قیامت جاری ہے اور جاری رہے گا، حضور کی سخا اور عطا کی کوئی حد نہیں، آپ ﷺ اپنے اُمتیوں میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتوں کو بانٹ رہے ہیں۔[1]

---

[1] خطبات کاظمی، حصہ دوم، مطبوعہ مکتبہ انوار صوفیہ، علی پور، ضلع مظفر گڑھ، ص ۹۱ تا ۹۴

Marfat.com

حدیث نمبر (۱۴)

وسیلہ بعد از وصال

"عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر أتی النبي ﷺ فقال: ادع الله لي ان یعافیني فقال: إن شئت اخرت لك وهو خیرٌ وان شئت دعوت۔ فقال: ادعه، فامره ان یتوضأ فیحسن وضوءهٗ، ویصلي رکعتین، ویدعو بهذا الدعاء: اللهم اني اسئلك، واتوجه الیك بمحمد نبي الرحمة، یا محمد! اني قد توجهت بك الی ربي في حاجتي هذه لتقضي، اللهم! فشفعه في"۔ قال ابو اسحق: هذا حدیث صحیحٌ[1]

ترجمہ: " حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس نے عرض کیا کہ حضور میرے لئے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عطا فرمائے، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا! اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے مؤخر کردوں (یعنی آخرت میں تجھے اس کا فائدہ پہنچے) اور وہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو دُعا کردوں، اس نے عرض کیا حضور! اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں، تو حضور ﷺ نے اسے فرمایا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دُعا مانگے، اے اللہ، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت ﷺ کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، یا رسول اللہ میں اپنی بینائی واپس کرانے میں آپ کو دربارِ خداوندی میں سفارشی پیش کرتا ہوں، اے اللہ

---

[1] سنن ابن ماجہ، جلد ثانی، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، لبنان، ص ۱۵۶، ۱۵۷

Marfat.com

میرے حق میں اپنے نبی کریم ﷺ کی سفارش قبول فرما۔ ابو اسحاق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے"۔

اسی حدیث کو نسائی اور ترمذی نے اختلاف یسیر کے ساتھ روایت کیا، اور ترمذی نے کہا حسنٌ صحیحٌ، بیہقی نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی اور اپنی روایت میں اتنے الفاظ اور زیادہ بیان کئے "وقام وقد بصر" یعنی وہ آدمی دعا مانگ کر جب کھڑا ہوا تو بینا ہوگیا۔

محدثین نے فرمایا کہ یہ حدیث حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں حضور سے توسل اور طلبِ شفاعت کے جواز پر دلالت کرتی ہے، اور حضور کی وفات کے بعد حضور کو وسیلہ بنانے اور طلب شفاعت پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے طبرانی نے معجم کبیر میں انہیں حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے۔ وہ روایت حسب ذیل ہے :

" عن عثمان بن حنيف ان رجلا كان يختلف الي عثمان بن عفان رضي الله عنه في حاجة له، فكان عثمان لا يلتفت اليه ولا ينظر في حاجته، فلقي عثمان بن حنيف، فشكا ذلك اليه، فقال له عثمان بن حنيف: ائت الميضاة، فتوضأ، ثم ائت المسجد فصلي فيه ركعتين، ثم قل: اللهم اني اسئلك: واتوجه اليك بنبينا محمد ﷺ نبي الرحمه، يا محمد اني اتوجه بك الي ربي، فيقضي لي حاجتي، وتذكر حاجتك ... فانطلق الرجل فصنع ما قال له عثمان، ثم اتي باب عثمان فجاء البواب حتي اخذ بيده، فأدخله عثمان بن عفان، فاجلسه معه علي الطنفسة، وقال: حاجتك؟ فذكر حاجة فقضاها له، ثم قال له: ماذكرت حاجتك حتي كانت هذه الساعة۔ وقال: ما كانت لك من حاجة فائتنا، ثم ان الرجل خرج من عنده، فلقي عثمان بن حنيف۔ فقال له: جزاك الله خيرا،

Marfat.com

ماكان ينظر في حاجتي ولا يلتفت الي حتي كلمة في فقال عثمان بن حنيف : والله ما كلمة ولكن شهدت رسول الله ﷺ واتاه ضرير فكشا عليه ذهاب بصره۔ فقال له النبي ﷺ :افتصبرو؟ فقال: يارسول الله انه ليس لي قائد ، وقد شق علي۔ فقال له النبي ﷺ ايت الميضاة ، فتوضا،ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات ، قال عثمان: فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتي دخل علينا الرجل كانه لم يكن به ضرر قط''

ترجمہ:''حضرت عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنی کسی حاجت کے بارے میں سیدنا عثمان بن عفان کے پاس آتا جاتا تھا،اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف توجہ نہ فرماتے تھے (اور کثرتِ مشاغل کی وجہ سے اس کا کام کرنا انہیں یاد نہ رہتا تھا) اور (اسی وجہ سے) وہ اس کی حاجت میں نظر نہیں فرماتے تھے، وہ آدمی عثمان بن حنیف سے ملا اور اس بات کی شکایت کی، عثمان بن حنیف نے اس سے کہا کہ پانی کا ایک برتن لے آ، پھر وضو کر، اس کے بعد مسجد میں آ، پھر دو رکعت نماز ادا کر اور یہ دُعا پڑھ " اللهم انی اسئلك واتوجه اليك نبينا محمد ﷺ نبی الرحمة يا محمد انی توجهت بك الی ربی فيقضی حاجتی "اور پھر اپنی حاجت کا ذکر کر، عثمان بن حنیف کی بات سن کر وہ آدمی چلا گیا اور اس نے وہی کیا جو عثمان بن حنیف نے کہا تھا، پھر وہ حضرت عثمان کے دروازہ پر آیا اور دربان کے پاس پہنچا، دربان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے حضرت عثمان غنی کی خدمت میں پیش کر دیا، حضرت عثمان غنی نے اس کو اپنے ساتھ قالین پر بٹھایا اور فرمایا تیری حاجت کیا ہے؟ اس نے اپنی حاجت بیان کی، حضرت عثمان غنی نے اسے فوراً پورا کر دیا، پھر فرمایا تیرا یہ کام اَب تک مجھے یاد ہی نہیں آیا تھا، اور فرمایا کہ جو کچھ تجھے حاجت ہوا کرے مجھ سے بیان کر دیا کر، وہ آدمی حضرت عثمان غنی کے پاس سے نکلا تو عثمان

Marfat.com

بن حنیف سے ملاقات ہوگئی، وہ شخص عثمان بن حنیف سے کہنے لگا! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری حاجت میں کسی قسم کی توجہ نہ فرماتے تھے اور میری طرف کوئی التفات نہ کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے ان سے میرے بارے میں کلام کیا، عثمان بن حنیف نے جواب دیا، خدا کی قسم میں نے تیرے بارے میں ان سے کوئی بات نہیں کی، لیکن میں شہادت دیتا ہوں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک نابینا آیا تھا اور اس نے اپنی نابینائی کی شکایت حضور کی بارگاہ میں پیش کی تھی، حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا تھا کہ تو اس حال پر صبر کرلے تو بہتر ہے، اس نے عرض کیا! یارسول اللہ، میرا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں اور میری نابینائی مجھ پر بڑی شاق ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ پانی کا ایک برتن لے آ اور وضو کر، پھر دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد دعا کے یہ کلمات ادا کر، ابن حنیف نے کہا کہ ابھی ہم متفرق نہ ہونے پائے تھے (حدیث کو طویل کرتے ہوئے کہا) کہ وہ آدمی ہم پر داخل ہوا، گویا اسے (نابینائی کا) کبھی کوئی ضرر نہ پہنچا تھا"۔

علماء محدثین نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بعد الوفات بھی توسل اور استشفاع جائز ہے، ساتھ ہی ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات ظاہری اور بعد الوفات دونوں زمانوں میں لفظ "یا" کے ساتھ حضور کو پکارنا خود حضور علیہ السلام کے اپنے ارشاد کے مطابق ہے، جو شخص اس کا منکر ہوگا، وہ ارشاد رسول کا معاند اور منکر حدیث قرار پائے گا۔

Marfat.com

تھانوی صاحب کی جرأت و بے باکی

حدیث شریف میں ترمیم کر ڈالی

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے ابن ماجہ شریف کی روایت منقولہ بالا میں رسول اللہ ﷺ کی تلقین فرمائی ہوئی دُعا کے الفاظ میں سے "یا محمد انی قد توجھت بك الی ربی" کے الفاظ نکال دیئے، اور اپنی کتاب "مناجاتِ مقبول"، ص ۱۱۴، مطبوعہ اصح المطابع بقول زشخصے "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" یہ لکھ دیا کہ "اختصرته لان النداء الوارد فیه لا دلیل علی بقائه بعد حیاته علیه السلام" یعنی میں نے (صیغہ نداء اور خطاب کی تمام عبارت نکال کر) اس حدیث کو اس لئے مختصر کر دیا کہ اس حدیث میں (یا محمد کے الفاظ) جو ندا اور خطاب کے الفاظ وارد ہیں، حضور ﷺ کی حیات کے بعد اُن کے باقی رہنے پر کوئی دلیل نہیں۔

میں عرض کروں گا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خود بنفسِ نفیس یہ الفاظ تلقین فرمائے تو اَب صیغہ ندا و خطاب کا ہونا اصل قرار پا گیا، اور قاعدہ ہے کہ اصل اپنی بقاء میں محتاجِ دلیل نہیں ہوتی، بلکہ عدم بقا خلاف اصل ہونے کے باعث محتاج دلیل ہوگا، تھانوی صاحب کا "اصل" کو محتاج دلیل قرار دینا علم و عقل کی روشنی میں انتہائی تعجب انگیز ہے۔

علاوہ ازیں عہد خلافت عثمانیہ میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک حاجت مند کو یہی دُعا بصیغہ ندا و خطاب تلقین کرنا بروایت طبرانی ہم ابھی نقل کر چکے ہیں، اس سے بڑھ کر بقاء اور نداء پر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ رہی یہ بات کہ اُس وقت کے مسلمان خوش عقیدہ تھے، اس زمانہ میں فسادِ عقیدہ امر شاہد ہے، لہذا حفاظتِ عوام کے لئے صیغہ ندا کو حذف کرنا ضروری ہے تو یہ اور بھی زیادہ تعجب انگیز اور مضحکہ خیز ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تشہد سے بھی "السلام علیک ایھا النبی" کو حذف کر دینا ضروری ہے، تھانوی صاحب نہ معلوم کس موڈ میں

Marfat.com

لکھ گئے، انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ابن ماجہ والی دُعا تو کبھی کوئی مسلمان پڑھتا ہوگا لیکن السلام علیک ایھا النبی تو ہر مسلمان شب و روز ہر نماز میں پڑھتا ہے، حفاظتِ عوام کے لئے تو نماز سے صیغۂ ندا کا حذف کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا، جب نماز میں اس کا باقی رہنا محتاج دلیل نہیں تو دُعاء حاجت میں اس کی بقاء کیونکر محتاج دلیل ہوسکتی ہے؟ اس کے جواب میں تھانوی صاحب کا یہ فرمانا کہ "التحیات" میں صیغۂ نداء مقرون بالسلام ہے اور سلام بارگاہ رسالت میں پیش ہوتا ہے، اس لئے نداء کا صیغہ مضر نہیں، قطعاً بے سود ہے، اس لئے کہ بارگاہ رسالت میں صرف صلوٰۃ و سلام ہی پیش نہیں ہوتا، بلکہ اُمت کے تمام اعمال بھی پیش ہوتے ہیں، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ دُعا بھی ایک عمل بلکہ عمل صالح ہے، باقی اعمال کے ساتھ یہ عمل بھی بارگاہ رسالت میں ضرور پیش ہوگا، ایسی صورت میں دونوں یکساں ہوگئے، تشہد کا صیغۂ نداء سلام کے ضمن میں پیش ہوا اور دُعائے حاجت کا یہ صیغۂ نداء (یا محمد انی توجھت بک الیٰ ربی) اعمال حسنہ کے ساتھ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا، نہ وہ مضر رہا، نہ یہ، ایسی صورت میں تھانوی صاحب کی تفریق بالکل بے سود ہو کر رہ گئی۔

پھر یہ کہ تھانوی صاحب جب صیغۂ ندا مقرون بالسلام کو جائز سمجھتے ہیں تو وہ اس دُعا میں "یا محمد الخ" کو حذف کرنے کی بجائے اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیتے تاکہ یہاں بھی صیغۂ نداء مقرون بالسلام ہو کر مضر نہ رہتا، اور دُعا پڑھنے والے کو دُرود و سلام پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل ہوجاتی اور حدیث میں کانٹ چھانٹ کی نوبت بھی نہ آتی، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ بموجب احادیثِ صحیحہ دُعا کے ساتھ دُرود و سلام پڑھنا قبولیتِ دُعا کا موجب ہے۔

Marfat.com

ادعیہ ماثورہ میں الفاظ کا ردّ و بدل جائز نہیں

تھانوی صاحب کی یہ دیدہ دلیری کہ انہوں نے الفاظِ حدیث میں اختصار کر دیا، انتہائی موجبِ حیرت ہے، کیا اُنہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ ادعیۂ ماثورہ میں اختصار تو درکنار الفاظ کا ردّ و بدل بھی جائز نہیں ہے، دیکھئے صحیحین میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث وارد ہے، اُنہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک دُعا تلقین فرمائی، جس کے آخر میں یہ الفاظ تھے "امنت بکتابك الذی انزلت ونبیك الذی ارسلت" براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ الفاظ حضور علیہ السلام کے سامنے دوبارہ پڑھے تو "نبیك" کی بجائے "برسولك" پڑھ دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "لا ونبیك" نہیں بلکہ نبیک کہو، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی بھی ہیں اور رسول بھی، مگر چونکہ دُعا میں الفاظ ماثورہ کو بدلنا جائز نہ تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن پر ردّ فرمایا، اور وہی الفاظ ادا کرنے کی تاکید فرمائی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلقین فرما چکے تھے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں:

"وقال ابن حجر في بعض طرقه عن البراء قال قلت ورسولك الذي ارسلت فقال ونبيك... والاظهر والله اعلم في وجه الرد ان الادعية الواردة لا تتغير عن الفاظها الخ"۔[1]

ترجمہ: "علامہ ابن حجر نے کہا اس حدیث کے بعض طرق میں حضرت براء سے مروی ہے، انہوں نے کہا میں نے ورسولک الذی ارسلت کے الفاظ کہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ورسولک نہ کہو بلکہ نبیک ہی کہو...... اس ردّ کی سب سے زیادہ ظاہر وجہ واللہ تعالیٰ اعلم یہ ہے

---

[1] مرقاۃ، جلد ۳ ص ۹۷ طبع مصر

Marfat.com

کہ جو دُعائیں شرح مطہر میں وارد ہیں وہ اپنے الفاظ سے متغیر نہیں کی جاتیں"۔

ثابت ہوا کہ ادعیہ ماثورہ کے الفاظ میں اختصار تو در کنار تغیر بھی باطل و مردود ہے، اس کے باوجود بھی تھانوی صاحب نے اختصار فی الحدیث کی جرأت فرمائی۔ معاذ اللہ

یہ حدیث جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں کتابوں میں وارد ہے، دیکھئے بخاری شریف، جلد ثانی ص ۹۳۴ اور مسلم شریف، جلد ثانی ص ۳۴۸۔

حاشیہ بخاری میں کرمانی سے منقول ہے "وفيه دليل على ان رعاية الالفاظ المروية امر مهم فيه حكمة بالغة (حاشیہ ۲، بخاری ص ۹۳۴) یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ الفاظ مرویہ کی رعایت امر عظیم اور مہتم بالشان ہے جس میں حکمت بالغہ پائی جاتی ہے۔

افسوس! تھانوی صاحب نے کرمانی کی تصریح کو بھی نظر انداز کر دیا، اسی حدیث براء بن عازب کے تحت علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں:

"واختار المازري وغيره ان سبب الانكار ان هذا ذكر ودعاء فينبغي فيه الاقتصار علي اللفظ الوارد بحروقه وقد يتعلق الجزاء بتلك الحروف ولعله اوحي اليه ﷺ بهذه الكلمات فيتعين اداوها بحروفها وهذا لقول حسن"۔[۱]

ترجمہ: "اور اختیار کیا مازری وغیرہ نے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ ﷺ کے انکار کا سبب یہ تھا کہ یہ ذکر اور دُعا ہے، اس لئے اس میں اسی لفظ پر اقتصار کرنا چاہئے، جو اس کے حروف کے ساتھ وارد ہوا ہے، اور بسا اوقات جزاء بھی انہی حروف کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں کلمات کے ساتھ حضور ﷺ کی طرف وحی کی گئی ہو تو ان

[۱] شرح نووی علی الصحیح لمسلم، جلد ثانی ص ۳۴۸

Marfat.com

کلمات کا انہی حروف کے ساتھ ادا کرنا متعین ہوگا اور یہ قول بہت اچھا ہے"۔

تعجب ہے تھانوی صاحب نے شارحین حدیث کی ان تمام تصریحات کو دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ فرمائی اور قطعاً نہ سوچا کہ اگر انہی کلمات اور حروف کے ساتھ یہ دُعا حضور ﷺ کی طرف وحی کی گئی ہو تو ان حروف وکلمات کے ساتھ ان کا ادا کرنا یقیناً متعین ہوگا، ایسی صورت میں کلمات کا اختصار وحی الٰہی میں تحریف صریح قرار پائے گی، جس شخص کے دل میں ذرا بھی خوف خداوندی ہو وہ کبھی ایسی جرأت نہیں کرسکتا۔

بلکہ میں تو یہ عرض کروں گا کہ بموجب آیۃ کریمہ: "وما ینطق عن الھوای ان ھو الا وحی یوحی" اغلب یہی ہے کہ ادعیہ واردہ اوراذ کار ماثورہ کے حروف وکلمات بھی حضور ﷺ کی طرف وحی کیے جاتے ہیں، کلمات وحی الٰہی میں اختصار کی جرأت اسی شخص کو ہو سکتی ہے جس کے دل میں نہ وحی الٰہی کی کوئی عظمت ہو، نہ خدا کے خوف کا کوئی اثر پایا جائے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس مقام پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ترمذی کی حدیث میں بھی یہی دُعا صیغہ ندا کے بغیر مروی ہے، اگر تھانوی صاحب نے اختصار کر دیا تو کیا ہوا؟ ابو عیسیٰ ترمذی نے بھی تو صیغہٗ نداء کو حذف کر کے اختصار سے کام لیا ہے۔

اس کا ازالہ یہ ہے کہ ترمذی میں صرف "یا محمد" کا لفظ نہیں، باقی خطاب کے الفاظ بعبارت ذیل موجود ہیں، ملاحظہ فرمائیے "انی قد توجھت بك الیٰ ربی" تھانوی صاحب نے صرف "یا محمد" کو حذف نہیں کیا، بلکہ پوری سطر صاف کر گئے، رہا لفظ "یا محمد" کا نہ ہونا تو میں عرض کروں گا کہ ایک ہی حدیث کے بعض طرق میں اگر بعض ایسے الفاظ مروی ہوں جو کسی دوسرے طریق میں نہیں تو اس کی وجہ سے ان کا نہ ہونا لازم نہیں آتا، یہ نسخوں کا اختلاف نہیں کہ جس میں سہل انگاری کو دخل ہو یہ تو طرق روایت کا تفاوت ہے، ابو عیسیٰ ترمذی نے نہ اس روایت کا انکار کیا، نہ اختصار کا دعویٰ کیا، بلکہ ایک طریقہ کو ذکر

Marfat.com

کر دیا، دوسرے طریق میں یہی روایت یا محمد کے الفاظ سے جب وارد ہوگئی تو اَب ''یا محمد'' کا روایت ہونا متعین ہوگیا جس کا انکار یا اختصار نہ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کیا، نہ کسی دوسرے محدّث نے، البتہ تھانوی صاحب کو یہ جرأت ضرور ہوئی کہ انہوں نے حدیث کے الفاظ وارده وماثورہ مرویہ میں کمی کر دی۔

علاوہ ازیں یہ کہ اس صورت میں تھانوی صاحب ''اختصر یہ'' کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی، وہ صاف لکھ دیتے کہ میں نے ترمذی کی روایت میں ''یا محمد'' کے الفاظ نہیں پائے اس لئے انہی کو نقل کر دیا، بلا وجہ اختصار کا دعویٰ کر کے انہوں نے اپنے سر پر اختصار حدیث کا بوجھ اُٹھایا، بات یہی ہے کہ ترمذی یا کسی دوسری کتاب میں صیغۂ نداء کا نہ پایا جانا اس کے مروی ہونے پر اثر انداز نہیں ہوسکتا، بعض طرق میں اس کا وارد ہو جانا اس کی روایت کو متعین کر دیتا ہے، اَب اس کے بعد اس میں اختصار کرنا یقیناً تحریفِ حدیث ہے، جس کا ارتکاب صرف تھانوی صاحب نے کیا ہے، ابوعیسیٰ ترمذی یا کسی دوسرے محدث کے دامن کو اس جرأت عظیمہ کے دھبہ سے ملوث نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد تھانوی صاحب کے اس دعویٰ کو ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد تشہد میں صیغۂ نداء چھوڑ دیا تھا، اور وہ التحیات میں " السلام علی النبی " پڑھتے تھے، تھانوی صاحب نے بخاری شریف کتاب الاستیذان کی جس حدیث سے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ ان کے دعویٰ کے ثبوت سے بالکل ساکت ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث حسب ذیل ہے:

''كنا نقول في حياة رسول الله ﷺ السلام عليك ايها النبي فلما قبض قلنا السلام يعني علي النبي''۔[1]

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۲، ص ۳۳۲

Marfat.com

تھانوی صاحب نے اس حدیث کے معنی یہ سمجھ لئے کہ عبداللہ بن مسعود یہ فرمارہے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی تو ہم نے "السلام علیك ایھا النبی" چھوڑ دیا اور اس کی بجائے "سلامٌ علی النبی" کہا، حالانکہ ان معنی پر حدیث کی دلالت نہیں، یہ تو ایک احتمال ہے جس سے استدلال کرنا سراسر باطل اور فہم و دانش کے خلاف ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ "قلنا السلام" پر ختم ہوجاتے ہیں، "یعنی علی النبی" راوی کا قول ہے عبداللہ بن مسعود کا قول نہیں، اس تقدیر پر حدیث میں دو احتمال پیدا ہوگئے ہیں، ایک یہ کہ ہم نے صیغۂ نداء کو چھوڑ کر صرف "السلام علی النبی" پر اکتفا کرلیا، لیکن یہ معنی آئمہ اربعہ کے نزدیک مردود ہیں، اس لئے کہ کسی امام نے صیغۂ نداء کے بغیر تشہد نقل نہیں کیا، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مذہب میں بھی تشہد پڑھا جاتا ہے، جس میں نداء اور خطاب کے صیغے موجود ہیں، اگر صیغۂ ندا کا ترک اس حدیث کا مدلول ہوتا، تو کسی امام کا مذہب تو ان صحابہ کے مذہب کے مطابق ہوتا، لیکن کسی نے "السلام علی النبی" پڑھنے کو اپنا مذہب قرار نہیں دیا، یہ ثابت ہوا کہ اس حدیث کا مدلول صیغۂ ندا اور خطاب کا ترک نہیں بلکہ یہ صرف احتمال ہے جو ثبوت دعویٰ کے لئے کافی نہیں ہوسکتا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے تشہد میں حضور پر سلام پڑھنا ترک نہیں کیا، بلکہ بعد الوفات بھی ہم بدستور "السلام علیک ایھا النبی" پڑھتے رہے، چونکہ دونوں احتمال پیدا ہوگئے اس لئے حدیث میں کسی ایک معنیٰ پر دلالت باقی نہ رہی اور تشہد میں السلام علیك ایھا النبی پڑھنا احادیث صحیحہ، اور مذاہب آئمہ اربعہ سے ثابت ہے، لہذا اس کا مخالف احتمال مرجوع ہوکر مردود قرار پائے گا، دیکھئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :

" واما قول ابن مسعود کنا نقول في حیاۃ رسول اللہ ﷺ السلام علیك ایھا النبي، فلما قبض ولیہ السلام قلنا السلام

علي النبي فهو رواية ابي عوانة ورواية البخاري الاصح منها بينت ان ذلك ليس من قول ابن مسعود بل من فهم الراوي عنه ولفظها فلما قبض قلنا السلام، يعني علي النبي فقوله قلنا السلام يحتمل انه اراد به استمررنا به علي ماكنا عليه في حياته ويحتمل انه، اراد عرضنا عن الخطاب واذا احتمل اللفظ لم يبق فيه دلالة كذا ذكره ابن حجر"۔[۱]

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کہ "ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں السلام علیك ايها النبی کہتے تھے، جب حضور کی وفات ہوگئی تو ہم نے السلام علیک علی النبی کہا"، ابوعوانہ کی روایت ہے، بخاری کی روایت میں، جو اس کے مقابل اصح ہے، یہ الفاظ نہیں بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ "فلما قبض قلنا السلام، يعنى على النبی" (جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی تو ہم نے سلام کہا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) بخاری کی اس روایت نے بیان کر دیا کہ یہ قول حضرت ابن مسعود کا نہیں، بلکہ راوی کا قول ہے، اس نے اپنی فہم کے مطابق اپنے لفظوں میں بیان کر دیا اور اس قول میں بھی دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری میں ہم السلام علیك ايها النبی کہا کرتے تھے، اسی طرح حضور کی وفات کے بعد بھی کہتے رہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہم نے خطاب چھوڑ دیا، جب الفاظ میں احتمال پیدا ہوگیا تو دلالت (قطعیہ) باقی نہ رہی"۔

الحمد للہ! ہمارے اس بیان اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کی روشنی میں تھانوی صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ثابت ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد صیغۂ خطاب ترک کر دیا تھا۔

بعض لوگ اس بات پر انتہائی زور دیتے ہیں کہ متابعات اور شواہد کی روشنی میں

---

[۱] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۱ص ۵۵۸

Marfat.com

ابوعوانہ کی روایت کے بموجب یہ بات بالکل صحیح ہے کہ صحابہ کرام نے حضور کی وفات کے بعد ''السلام علیک ایہا النبی'' کی بجائے ''السلام علی النبی'' کہنا شروع کر دیا تھا، میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ کی یہ بات صحیح ہے تو پھر آپ صحابہ کرام کے مذہب کے موافق علی النبی کیوں نہیں پڑھتے، خود تھانوی صاحب عمر بھر السلام علیک ایہا النبی پڑھتے اور پڑھواتے رہے، ثابت ہوا کہ تھانوی صاحب کا یہ دعویٰ اُن کے اپنے نزدیک بھی باطل ہے۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ تھانوی صاحب کا حدیث رسول ﷺ میں ردّ و بدل کرنا، بلکہ تقریباً پوری سطر غائب کر دینا کس قدر شدید مداخلت فی الدین ہے، اور حدیث رسول اللہ ﷺ پر کیسی عظیم قسم کی زیادتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ منکرین حدیث کو بھی ایسی جرأت نہیں ہوسکتی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار[1]

[1] ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ اپریل ۱۹۶۳ء، ص ۷ تا ۱۲

Marfat.com

حدیث نمبر (۱۵)

اللہ تعالیٰ عزوجل نے مشورہ طلب فرمایا

"ان ربي استشارني في أُمتي؛ ماذا أفعل بهم؟ فقلت: ماشئت يا رب؛ هم خلقك وعبادك. فاستشارني الثانية، فقلت له كذلك. فاستشارني الثالثة فقلت له كذلك. فقال تعالىٰ: اني لن أخزيك في أُمتك يا احمد وبشرني أن أوّل من يدخل الجنة معي من أُمتي سبعون ألفا مع كل ألف سبعون ألفا ليس عليهم حساب؛ ثم أرسل اليّ: أدع تجب، وسل تعط. فقلت لرسوله: او معطي ربي تعالىٰ سئولي؟ قال: ما أرسل اليك الا ليعطيك"۔[1]

ترجمہ: بے شک میرے رب کریم نے میری اُمت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا اے میرے رب جو کچھ تو چاہے وہی کر، وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ مجھ سے مشورہ لیا، میں نے وہی جواب دیا، اس نے تیسری دفعہ مجھ سے مشورہ طلب فرمایا، میں نے پھر وہی عرض کیا، پھر میرے رب کریم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بے شک میں تیری اُمت کے معاملہ میں تجھے ہرگز رسوا نہ کروں گا، اور مجھے بشارت دی کہ میرے ستر ہزار اُمتی سب جنتیوں سے پہلے میری ہمراہی میں داخل جنت ہوں گے جن سے حساب تک نہ لیا جائے گا، پھر میرے رب نے قاصد بھیجا کہ میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو دُعا کر تیری دُعا قبول کی جائے گی اور مانگ تجھے دیا جائے گا، میں نے اپنے رب کریم کے قاصد سے کہا کہ کیا میرا رب

[1] کنز العمال: الجزء الحادی عشر ص ۴۴۸ ۔ مسند امام احمد بن حنبل: الجزء السادس عشر: طبع قاہرہ: ص ۵۹۶

Marfat.com

میری ہر مانگی ہوئی چیز مجھے دے گا؟ تو اُس قاصد (فرشتہ) نے عرض کیا کہ حضور اسی لئے تو رب تعالیٰ نے آپ کو پیغام بھیجا ہے کہ آپ جو کچھ بھی مانگیں آپ کو عطا فرمائے۔ الخ

اعتراض

اہل عقل خوب جانتے ہیں کہ کسی کا دوسرے سے مشورہ لینا احتیاج و عاجزی پر دلالت کرتا ہے، یا کم از کم مشورہ اس واسطے ہوتا ہے کہ غلطی کا احتمال نہ رہے، اور اللہ کی طرف نہ احتیاج و عاجزی کی نسبت درست ہے اور نہ وہاں غلطی کے احتمال کا امکان ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کی تاویل یوں کر لی جائے کہ یہ مشورہ عزت افزائی کی خاطر ہے، مگر دوسری طرح بھی اس میں کچھ گفتگو ہو سکتی ہے، مثلاً ابن حذیفہ نام کا کوئی صحابی بھی نہیں ہوا، خیر اس بات کو بھی کتابت کی غلطی کہہ کر کاتب کے سر منڈھ دیا جائے گا، اور کہا جا سکتا ہے کہ ابن حذیفہ نہیں، حذیفہ در حقیقت تھا، مگر اس کو کیا کیجئے کہ مسند احمد صفحہ ۳۸۲ ـ ۴۰۸ میں اس صحابی کی بہت سی روایات ہیں، مگر ایسی جھوٹی روایت کا نام و نشان بھی نہیں۔

ضعیف اور وضعی احادیث بیان کرنا بھی اگرچہ جرم ہے مگر یہ تو نہ حدیث وضعی (گھڑی ہوئی) ہے نہ ضعیف بلکہ سرے سے اس کا کہیں ذکر ہی نہیں، پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس جھوٹی حدیث کو مسند احمد میں بتانے والا ہمارے دوستوں کے نزدیک مجدد مأۃ حاضرہ بھی ہے، اگر مجدد ایسے ہی ہوتے ہیں تو ہمارا ایسے مجددوں کو دُور ہی سے سلام ہے"۔ [1]

مضمون بالا میں کسی دیوبندی نے سیدی اعلیٰ حضرت مجدد مأۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "الامن والعلیٰ" کے ص ۸۵ سے اللہ تعالیٰ کے مشورہ طلب کرنے کی طویل حدیث کے ایک جملہ کا ترجمہ نقل کیا ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس نقل کردہ حدیث مبارکہ کو محض اس لئے جھوٹا قرار دیا ہے کہ مشورہ طلب کرنا غلطی کا احتمال

[1] ماہنامہ الصدیق ملتان (خیر المدارس)، بابت ماہ ذی الحجہ ۷۸ھ

Marfat.com

دُور کرنے اور احتیاج و عاجزی کی بنا پر ہوتا ہے، رب تعالیٰ جب ان باتوں سے پاک ہے تو اس کے لئے مشورہ طلب کرنا کیونکر ممکن ہوگا، لہٰذا یہ حدیث غلط اور جھوٹی ہے، اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ :

۱۔ کیا یہ حدیث بروایت ابن حذیفہ حدیث کی کسی کتاب میں موجود ہے یا نہیں؟

۲۔ امام احمد اور امام عساکر کی طرف اس کی نسبت درست ہے یا نہیں؟

۳۔ ابن حذیفہ نام کا کوئی صحابی ہوا ہے یا نہیں؟

۴۔ مشورہ طلب کرنا ہمیشہ احتیاج و عاجزی کی بنا پر غلطی دُور کرنے کے لئے ہوتا ہے یا کبھی اس کے بغیر بھی مشورہ طلب کیا جاتا ہے؟

۵۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی مخلوق سے کوئی مشورہ طلب کیا ہے یا نہیں؟

جواب

بدعقیدگی اور گمراہی کی اصل بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے افعالِ مقدسہ کا قیاس اپنے افعال پر کرلیا جائے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

یاد رکھئے: اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ ہم اپنے مشوروں کے متعلق اگر یہ کلیہ تسلیم کرلیں کہ ہمارا مشورہ طلب کرنا غلطی کا احتمال دور کرنے کے لئے احتیاج اور عاجزی کی بنا ہوتا ہے، تو ممکن ہے کہ کسی حد تک اسے صحیح کہا جاسکے لیکن اللہ اور اس کے رسول کے مشورہ کو بھی اس کلیہ میں شامل کرنا باطل محض ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاذ اللہ، اللہ و رسول ہماری مانند ہیں، غلطی کا احتمال دور کرنا بھی حاجت ہے اور عاجزی بھی احتیاج کو مستلزم ہے، اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں غنی، بے پرواہ اور احتیاج سے پاک ہیں، جیسا کہ عنقریب دلائل کی روشنی میں واضح کیا جائے گا۔

Marfat.com

ایک صحیح اور واقعی حدیث کو جو کتب احادیث میں موجود ہے، اور معترض علم حدیث سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اُسے معلوم کرنے سے قاصر رہا، محض اپنی رائے ناقص پر اعتماد کر کے جھوٹی حدیث کہہ دینا، بلکہ اپنے زعم باطل کی بنا پر یہ دعویٰ کر دینا کہ اس حدیث کا کہیں ذکر نہیں، بدترین جہالت وضلالت کا مظاہرہ ہے، دیکھئے یہ حدیث مبارک مسند امام احمد، جلد پنجم وکنز العمال، جلد ششم اور خصائص کبریٰ، جلد دوم، تینوں کتابوں میں موجود ہے۔

"إنَّ ربي تبارك وتعالىٰ استشارني في أُمتي؛ ماذا أفعل بهم؟ فقلت: ماشئت أي رب؛ هم خلقك وعبادك، فاستشارني الثانية، فقلت له كذلك، فقال: لا أحزنك في أمتك يا محمد، وبشرني أن أول من يدخل الجنة من أمتي؛ سبعون ألفاً، مع كل ألف؛ سبعون ألفاً، ليس عليهم حساب، ثم أرسل الي فقال: ادع تجب؛ وسل تعط، فقلت لرسوله: أو معطي ربي سؤلي؟ فقال: ما أرسلني اليك الا ليعطيك"۔ الحديث حم (احمد وابن عساكر عن حذيفة)[1]

ترجمہ: بے شک میرے رب کریم نے میری اُمت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا، اے میرے رب جو کچھ تو چاہے وہی کر، وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ مجھ سے مشورہ لیا، میں نے وہی جواب دیا، اس نے تیسری دفعہ مجھ سے مشورہ طلب فرمایا، میں نے پھر وہی عرض کیا، پھر میرے رب کریم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بے شک تیری

---

[1] کنز العمال، ج ۶، ص ۱۱۲، حدیث ۱۷۳۵، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۲۱۰، اخرج احمد وابوبکر الشافعی فی الغیلانیات وابونعیم وابن عساکر عن حذیفۃ بن الیمان ومسند امام احمد، ج ۵، مطبوعہ مصر، ص ۳۹۳۔

Marfat.com

اُمت کے معاملہ میں تجھے ہر گز رُسوا نہ کروں گا، اور مجھے بشارت دی کہ میرے ستر ہزار اُمتی سب جنتیوں سے پہلے میری ہمراہی میں داخل جنت ہوں گے، ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے جن سے حساب تک نہ لیا جائے گا، پھر میرے رب نے قاصد بھیجا کہ میرے حبیب تو دُعا کر تیری دُعا قبول کی جائے گی، اور مانگ تجھے دیا جائے گا، میں نے اپنے رب کریم کے قاصد سے کہا کہ کیا میرا رب میری ہر مانگی ہوئی چیز دے گا؟ تو اس قاصد (فرشتہ) نے عرض کی کہ حضور اسی لئے تو رب تعالیٰ نے آپ کو پیغام بھیجا ہے کہ آپ جو کچھ بھی مانگیں آپ کو عطا فرمائے۔

آگے یہ حدیث مبارک طویل ہے، جس میں حضور سید عالم ﷺ نے اپنے اور اپنی اُمت مکرمہ کے بہت سے فضائل ومحامد بیان فرمائے، ہم نے قدرِ ضرورت پر اکتفا کیا ہے۔

معترض کا قول تو یہ تھا کہ اس جھوٹی حدیث کا کہیں ذکر ہی نہیں، لیکن بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے ثابت کر دیا کہ مسند امام احمد، کنز العمال اور خصائص کبریٰ میں یہ حدیث موجود ہے، کنز العمال میں تو اس کی تخریج صرف امام احمد اور امام ابن عساکر کی طرف منسوب ہے، لیکن خصائص کبریٰ میں ان کے علاوہ ابوبکر شافعی (امام بزار) اور ابونعیم کی طرف بھی اس حدیث کی تخریج کو منسوب کیا ہے۔ وللہ الحجۃ السامیہ

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت رحمۃ اللہ علیہ نے "الامن والعلیٰ" میں مسند امام احمد کا نام نہیں لکھا، صرف اتنا تحریر فرمایا: الامام احمد وابن عساکر عن حذیفۃ (الامن والعلیٰ، ص ۱۲۳، مطبوعہ مطبع اہل سنت والجماعت، بریلی) اور الفاظ حدیث کنز العمال جلد ششم سے نقل فرمائے اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا، تاکہ ان منکرین ومخالفین کے ادعائے علم وفضل کی حقیقت آشکارہ ہو، الحمد للہ اہل علم نے دیکھ لیا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد ملت قدس سرہٗ العزیز علم وفضل کا وہ بحر ذخار ہیں، جس کے ساحل تک منکرین کی رسائی نہیں۔ ذالک فضل اللہ۔

Marfat.com

رہا ابن حذیفہ کا معاملہ تو یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ کنز العمال اور خصائص کبریٰ اور مسند امام احمد تینوں میں عن حذیفۃ موجود ہے، نیز الامن والعلیٰ مطبوعہ مطبع اہل سنت والجماعت، بریلی شریف، ص ۱۲۳ پر اور اسی طرح الامن والعلیٰ شائع کردہ نوری کتب خانہ، لاہور کے ص ۱۲۳ پر عن حذیفۃ موجود ہے، البتہ صابر الیکٹرک پریس کی مطبوعہ کے ص ۸۵ پر کاتب کی غلطی سے عن کی بجائے ابن لکھا گیا ہے، جسے کوئی معمولی سمجھ والا انسان بھی مصنف کی طرف منسوب نہیں کرسکتا، مگر جو شخص تعصب و عناد کے جوش میں ایک ایسی عظیم و جلیل حدیث کو نہیں مانتا جو کتب احادیث میں موجود ہے، تو وہ اس حقیقت ثابتہ کو کیونکر تسلیم کرنے لگا ہے۔

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارا آپس میں مشورہ طلب کرنا تو احتیاج و عاجزی کی بنا پر اور غلطی کے احتمال کو دور کرنے کے لئے ہوسکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشورہ طلب کرنا احتیاج و عاجزی اور ازالۂ احتمالِ غلطی کے لئے قطعاً نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں غنی ہیں، اللہ تعالیٰ کا بندوں کے مشورہ سے غنی ہونا تو ظاہر ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُمت کے ساتھ مشورہ فرمانے سے اس لئے غنی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آسمان سے وحی الٰہی آتی ہے، نیز یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام کائنات سے زیادہ علم اور عقل والے ہیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہرگز کسی کے مشورہ کے محتاج نہیں، لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو "وشاورھم فی الامر" فرما کر مشورہ کرنے کا حکم فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کریم کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے غلاموں سے مشورہ فرمایا، صرف اس لئے کہ انہیں مشورہ کی تعلیم دیں اور مشورہ کو ان کے لئے رحمت بنائیں، اور انہیں استخراجِ رائے صحیح میں اجتہاد کی رغبت دلائیں اور ان سے مشورہ لے کر ان کی شان بڑھائیں اور ان کے دلوں کو خوش کریں۔

دیکھئے صاحب روح المعانی آیۃ کریمہ "وشاورھم فی الامر" کے تحت اسی مضمون کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

Marfat.com

"ویؤیده ماأخرجه ابن عدي، والبیهقي في الشعب بسند حسن عن عن ابن عباس قال: لما نزلت (وشاورهم في الامر) قال رسول الله ﷺ أما ان الله ورسوله لغنیان عنها ولکن جعلها الله تعالی رحمة لامتي"۔ [1]

ترجمہ: "اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابن عدی نے شعب الایمان میں بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ جب آیت کریمہ "وشاورھم فی الامر" نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، لوگو! خبردار ہو جاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول دونوں مشورہ سے غنی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے میری اُمت کے لئے رحمت بنایا ہے"۔

اسی طرح تفسیر ابن جریر میں ہے:

"عن الربیع (وشاورھم في الامر) قال: أمر الله نبیه ﷺ أن یشاور اصحابه في الامور وھو یاتیه الوحي من السماء؛ لانه أطیب لأنفسھم"۔

ترجمہ: حضرت ربیع سے روایت ہے "وشاورھم فی الامر" نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مشورہ طلب امور میں حضور کے صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا، حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آسمانی آتی ہے، صرف ان کے دلوں کو خوش کرنے کی خاطر"۔

اسی مقام پر ابن جریر میں ایک اور حدیث ہے، جس کے الفاظ ہیں "وان کنت عنھم غنیا"۔ "اے حبیب ﷺ آپ اپنے صحابہ کی تالیف کے لئے اُن سے مشورہ کرلیا کریں، اگرچہ آپ اُن سے غنی ہیں"۔ [2]

اور تفسیر کبیر میں ہے "(الخامس) وشاورھم فی الامر، لتستفید منھم

---

[1] روح المعانی، پ ۴، ص ۹۴ [2] تفسیر ابن جریر، پ ۴، ص ۹۴

Marfat.com

رأیاًوعلما۔لکن لکی تعلم مقادیر عقولهم وأفهامهم ومقادیر حبهم الخ ”یعنی آپ کو مشورہ کرنے کا حکم اس وجہ سے نہیں دیا کہ آپ اُن سے کسی قسم کی رائے یا علم کا استفادہ کریں، بلکہ اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کے عقول وافہام آپ کے سامنے ظاہر ہوجائیں اور ان کی محبت کے انداز سامنے آجائیں“۔اس کے چند سطر بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (السادس) ”وشاورهم فی الامر“ لالأنك محتاج الیهم ولکن لاجل لانك اذا شاورتهم فی الامر اجتهد کل واحد منهم فی استخراج الوجه الاصلح الخ۔

ترجمہ: اے حبیب ﷺ آپ ان سے مشورہ فرمائیں، اس لئے نہیں کہ آپ ان کے محتاج ہیں، لیکن جب آپ ان سے مشورہ فرمائیں گے تو آپ کے غلاموں میں سے ہر شخص وجہ اصلح کے استخراج میں کوشش کرے گا۔ (تفسیر کبیر، ج ۳، ۱۲۰)

تفسیر نیشا پوری میں اس آیت کریمہ وشاورھم فی الامر کے تحت مرقوم ہے:

”وقد ذکر العلماء لامر الرسول بالمشاورة مع انه اعلم الناس واعقلهم فوائده منها انها توجب علوشانهم ورفعة قدرهم“ الخ۔

ترجمہ: باوجود اس بات کے کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ علم اور عقل والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشورہ کا امر فرمایا، علماء نے اس کے کئی فائدے ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان سے مشورہ فرمانا ان کی علوشان رفعتِ قدر و منزلت اور ان کے اخلاص ومحبت کے زیادہ ہونے کی موجب ہے۔

الحمد للہ! اِن روایات وعباراتِ علماء مفسرین سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مشورہ طلب فرمانا، احتیاج وعاجزی کی وجہ سے ہرگز

Marfat.com

نہیں، نہ کسی غلطی کے احتمال کو دور کرنے کے لئے ہے، بلکہ ایسی حکمتوں اور فائدوں کی بنا پر ہے، جن کا تصور بھی معترض کے ذہن میں نہیں اور ہم نے انہیں بالتفصیل بیان کر دیا۔

پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے مشورہ طلب فرمایا ہے، دیکھئے تفسیر ابن جریر میں آیت "واذ قال ربك للملئكة انی جاعلٌ فی الارض خلیفه" کے تحت ایک حدیث نقل فرمائی جو حسب ذیل ہے:

عن سعید عن قتاده واذ قال ربك للملئكة اني جاعل في الارض خليفة فاستشار الملئكة في خلق آدم فقالوا اَتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء حديث [1]

ترجمہ: آیت کریمہ "انی جاعلٌ فی الارض خلیفه" کی تفسیر میں حضرت سعید، حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارہ میں فرشتوں سے مشورہ طلب فرمایا، تو فرشتوں نے عرض کیا: "اتجعل فیها من یفسد فیها الآیة۔

تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت کے تحت ہے:

'فعرفهم عند المشورة مع الملٓئكة خلوهم من المحبة [2]

ترجمہ: فرشتوں سے مشورہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے جذبہ محبت سے خالی ہونے کی بات انہیں بتا دی تھی۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت مرقوم ہے:

"أَوْ ليعلم عبادة المشاورة في امورهم قبل أن يقدموا عليها وان كان هو يعلمهُ وحكمتهُ البالغةُ غنياً عن المشاورة"۔ [3]

---

[1] تفسیر ابن جریر، پ ۱، ص ۱۵۸

[2] تفسیر عرائس البیان، ج ۱، ص ۱۹ [3] تفسیر مدارک، ج ۱، ص ۳۲

Marfat.com

ترجمہ: ''یا اس لئے فرشتوں سے انی جاعل فی الارض خلیفہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس بات کی تعلیم دے کہ وہ اپنے کام کرنے سے پہلے مشورہ کرلیا کریں، اگر چہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، اور اُس کی حکمتِ بالغہ مشورہ سے غنی ہے''۔

تفسیر نیشا پوری میں ہے :

'' والفائدة في اخبار الملٰئكة بذلك اما تعليم العباد المشاورة في اُمورهم وان كان هو بحكمة البالغة غنيا عن ذلك واما ان يسئلوا ذلك السوال ويجابوا بما اُجيب '' ۔[۱]

ترجمہ: فرشتوں کو یہ خبر دینے میں یا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کاموں میں مشورہ کرنے کی تعلیم دے، اگر چہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کی وجہ سے مشورہ کرنے سے غنی ہے، اور یا یہ فائدہ ہے کہ فرشتے یہ خبر سن کر اَتَجْعَلُ فِیْهَا کے ساتھ سوال کریں، اور انہیں اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے ساتھ جواب دیا جائے۔

تفسیر سراج المنیر میں ہے :

''وفائدة قوله هذا للملٰئكة تعليمُ المشاورة اَوْ تعظيم شان المجعول '' [۲]

ترجمہ: فرشتوں سے ''انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ'' فرمانے کا فائدہ تعلیم مشاورت یا تعظیم شانِ مجعول ہے۔[۳]

۱۔ تفسیر نیشا پوری، پارہ اول ص ۲۰۹

۲۔ تفسیر سراج المنیر، جلد اول ص ۴۲

۳۔ اسی طرح تفسیر جمل، ج ۱ ص ۳۸ تفسیر بیضاوی، ج ۱ تفسیر کشاف، ج ۱ ص ۲۰۹ تفسیر کبیر، ج ۱ ص ۳۸۲ تفسیر روح المعانی، ج ۱ ص ۲۰۳ تفسیر روح البیان، ج ۱ ص ۹۴ پر ہے۔

Marfat.com

ان تمام عبارات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مشورہ کی تعلیم دینے اور آدم علیہ السلام کی تعظیم و دیگر حکمتوں کی بنا پر آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں سے مشورہ لیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے، ثابت ہوا کہ مشورہ لینا ہمیشہ احتیاج و عاجزی کی وجہ سے ہی نہیں ہوتا، بلکہ حکمتوں پر بھی مبنی ہوتا ہے، پھر یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ فرشتوں سے مشورہ فرمانا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ کرنا کیونکر عظمتِ خداوندی کے منافی ہوسکتا ہے؟

مشورہ کے معنی اور معترض کی غلط فہمی کا ازالہ

لفظ مشورہ عرب کے قول "شِرْتُ العَسَلَ" سے ماخوذ ہے، یعنی میں نے شہد کو اس کی جگہ سے نکال لیا، مشورہ کے معنی ہیں "استخراج الرائے" بیضاوی میں ہے "المشورۃ استخراج الرَّایٔ بمراجعة البعض الی البعض" (مفردات امام راغب، ص ۲۷۲)، خلاصہ یہ کہ کسی کی طرف رجوع کرکے اس کی رائے کے استخراج کا نام مشورہ ہے، مشورہ میں یہ ضروری نہیں کہ متکلم و مخاطب میں سے ہر ایک کی رائے کا استخراج ہو، بلکہ صرف مخاطب کی رائے لینا بھی کافی ہے، اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور فرشتے مخاطب، اللہ تعالیٰ نے انی جاعلٌ فی الارض خلیفة کہہ کر فرشتوں کی رائے لی اور فرشتوں نے اتجعل فیہا کہہ کر اپنی رائے ظاہر کردی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی اُمت کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماذا افعل بھم فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے لی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماشئت یارب ھم خلقك وعبادك فرمایا، اور اللہ تعالیٰ کا یہ مشورہ لینا اور رائے طلب فرمانا بالکل ایسا ہے، جیسے اپنے نبیوں یا فرشتوں یا کسی فرد مخلوق سے کسی بات کا پوچھنا اور سوال فرمانا، قرآن کریم میں بے شمار آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے استفسارات و سوالات مذکور ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا!

Marfat.com

اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ اے ابراہیم! کیا تو ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا بلیٰ کیوں نہیں، میں ضرور ایمان لایا، اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبیوں سے سوال فرمائے گا ماذا أُجبتم اے نبیو! بتاؤ تم کیا جواب دیئے گئے؟ نیز عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرمائے گا ءانت قلت للناس اتخذونی و أُمی الٰھین من دون اللہ اے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو، نیز موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا وما تلك بيمينك يموسىٰ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟

اگر مشورہ کرنا یعنی کسی کی رائے دریافت کرنا، احتیاج اور عاجزی پر منحصر ہو تو کسی بات کا پوچھنا بھی معاذ اللہ لاعلمی اور احتیاج پر مبنی ہوگا، لہٰذا معترض نے جہاں حدیث استشارہ کا انکار کیا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کے سوالات کی تمام آیات کا بھی انکار کردے، اور اگر سوالات میں حکمت کا قائل ہے تو استشارہ میں اسی حکمت کا کیوں انکار کرتا ہے؟[1]

فوضح الحق حق الوضوح وللہ الحجۃ البالغۃ

[1] ماہنامہ السعید ملتان: شمارہ دسمبر ۱۹۵۹ء

Marfat.com

حدیث نمبر(۱٦)

لاالہ الااللہ کی گواہی ،ضمانت جنت

قال حدثني ابو هريره قال كنا قعوداً حول رسول الله ﷺ معنا ابو بكر وعمر في نفر فقام رسول الله ﷺ من بين اظهرنا فابطأ علينا وخشينا ان يقتطع دوننا وفزعنا فقمنا فكنت اوّل من فزع فخرجت ابتغي رسول الله ﷺ حتي اتيت حائطاً للانصار لبني النجار فدرت به هل اجد له باباً فلم اجد فاذاً ربيع يدخل في جوف حائطٍ من بئرٍ خارجةٍ والربيع الجدول قال فاحتفزت كما يحتفز الثعلب فدخلت علي رسول الله ﷺ فقال ابو هريره فقلت نعم يارسول الله قال ماشانك قلت كنت بين اظهرنا فقمت فابطات علينا فخشينا ان تقتطع دوننا ففزعنا فكنت اوّل من فزع فاتيت هذا الحائط فاحتفزت كما يحتفز الثعلب وهٰؤلاء الناس ورائي فقال يا ابا هريرة واعطاني نعليه قال اذهب بنعلي هاتين فمن لقيت من وراء هذا الحائط يشهد ان لا اله الا الله مستيقنا بها قلبه فبشره بالجنة فكان اوّل من لقيت عمر فقال ما هاتان النعلان يا ابا هريرة فقلت هاتان نعلا رسول الله ﷺ بعثني بهما من لقيت يشهد ان لا اله الا الله مستيقنا بها قلبه بشرتهُ بالجنة فضرب عمر بيده بين ثديي فخررت لاستي فقال ارجع يا ابا هريرة فرجعت الي رسول الله ﷺ فاجهشت بكاء وركبني عمر فاذا هو علي اثري فقال لي رسول الله ﷺ مالك يا ابا هريرة قلت لقيت عمر فاخبرته بالذي بعثتني

Marfat.com

به فضرب بین ثدبي ضربة خررت لاستي قال ارجع فقال له
رسول الله ﷺ يا عمر ما حملك علي ما حملك علي ما
فعلت قال يا رسول الله بابي انت وامي ابعثت ابا هريرة
بنعليك من لقي يشهد ان لا اله الا الله مستقينا بها قلبه
بشره بالجنة قال نعم قال فلا تفعل فاني اخشي ان يتكل
الناس عليها فخلهم يعملون قال رسول الله ﷺ
فخلهم۔ رواه مسلم [۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا! ہم بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کے آس پاس، اور ہمارے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے ایک جماعت میں تو حضور ﷺ یکا یک ہمارے درمیان سے اُٹھ کر تشریف لے گئے اور واپس تشریف لانے میں بہت دیر فرمائی، ہمیں خوف ہوا کہ مبادا حضور ﷺ کو ہماری عدم موجودگی میں کوئی تکلیف نہ پہنچے، ہم سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے گھبرانے والوں میں سب سے پہلا میں تھا، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کرتا ہوا نکلا، یہاں تک میں انصار بنی نجار کی چہار دیواری کھچے ہوئے ایک باغ میں پہنچا، میں باغ کے آس پاس گھومتا رہا کہ کوئی دروازہ پاؤں، مگر میں نے (گھبراہٹ کی وجہ سے) اس کا کوئی دروازہ نہ پایا، ناگاہ پانی کی ایک نالی تھی جو باہر کے کنوئیں سے باغ کے اندر پہنچتی تھی، حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ میں سکڑ کر اس نالی کے راستہ سے باغ میں داخل ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا! ابوہریرہ آگئے، میں نے عرض کیا حضور ہاں، فرمایا تمہارا کیا حال ہے، میں نے عرض کیا، حضور آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، پھر اچانک آپ کھڑے ہو گئے اور واپسی میں ہم پر بہت تاخیر فرمائی، ہم

---

[۱] صحیح مسلم: مطبوعہ مصر ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء: ج ص ۲۳۴ تا ۲۴۰

Marfat.com

ڈرے کہ مبادا حضور کو ہماری غیر حاضری میں کوئی تکلیف نہ پہنچے تو ہم سب گھبرا گئے، سب سے پہلے گھبرانے والا میں ہی تھا، میں اس باغ میں آیا تو اس طرح سکڑا جس طرح لومڑی سکڑتی ہے اور یہ سب لوگ میرے پیچھے ہیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا اے ابو ہریرہ! اور مجھے حضور علیہ السلام نے اپنے نعلین شریفین (اپنی دونوں مبارک جوتیاں) عطا فرمائیں، پھر فرمایا کہ ہمارے یہ دونوں مبارک جوتے لے جاؤ جو تمہیں اس باغ کے پیچھے ملے اس حال میں کہ اپنے دل کے یقین کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسے جنت کی خوش خبری سنا دو، تو سب سے پہلے جن سے میں نے ملاقات کی وہ حضرت عمر تھے، حضرت عمر نے مجھ سے کہا اے ابو ہریرہ! یہ نعلین شریفین کیسے ہیں؟ میں نے انہیں جواب دیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں، یہ دے کر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے بھیجا ہے کہ جس کے ساتھ میں ملاقات کروں، درآنحالیکہ وہ اپنے دل کے یقین کے ساتھ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو میں اُسے جنت کی خوشخبری سنادوں، حضرت عمر نے (یہ بات سن کر) میرے سینے میں ہاتھ مارا جس کی وجہ سے میں اپنے سرین کے بل گر پڑا، حضرت عمر نے پھر کہا کہ اے ابو ہریرہ واپس چلے جاؤ (بالآخر) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس لوٹا اور میں نے رو کر حضور کی بارگاہ میں فریاد کی، حضرت عمر کی ہیبت مجھ پر سوار تھی، ناگہاں وہ میرے پیچھے موجود تھے، حضور نے مجھ سے فرمایا! یا ابو ہریرہ تمہیں کیا ہے، میں نے عرض کیا حضور میں حضرت عمر سے ملا اور میں نے انہیں اسی بات کی خبر دی جس کے ساتھ حضور نے مجھے بھیجا تھا، تو انہوں نے میرے سینے پر ایسا ہاتھ مارا کہ جس کی وجہ سے میں اپنی سرین کے بل گر گیا، پھر فرمایا کہ ابو ہریرہ واپس چلے جاؤ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اے عمر تمہیں اس فعل پر کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ نے اپنی نعلین شریفین دے کر

Marfat.com

ابوہریرہ کو اس لئے بھیجا کہ جس سے وہ ملاقات کریں اس حال میں کہ وہ دل کے یقین کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ اُسے جنت کی بشارت سنادیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا! ہاں، حضرت عمر نے عرض کیا، حضور ایسا نہ کیجئے مجھے خوف ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کرلیں گے، لہٰذا حضورا نہیں چھوڑ دیں کہ وہ عمل کرتے رہیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا، اچھا انہیں چھوڑ دو۔ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا)

شرح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ کرام کے درمیان سے اُٹھنا ایک تجلی خاص کی بنا پر تھا، جس کا ورود بیٹھے بٹھائے قلبِ مبارک پر شروع ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واردات کے اسی حال میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور بنی نجار کے باغ میں جلوہ افروز ہوگئے، جہاں اس تجلی الٰہی کا ظہور تام ہوا، اس تجلی کی ایک جھلک اس بشارت کی صورت میں ظاہر ہوئی جس کے ساتھ حضرت ابوہریرہ کو حضور نے بھیجا، چونکہ حضور علیہ السلام کی ہر بات وحی الٰہی ہے اور وحی الٰہی میں کسی غلطی اور کوتاہی کا امکان نہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کہ فبشرہ بالجنۃ یقیناً حق اور وحی الٰہی کے مطابق تھا لیکن اس کی تبلیغ مقید تھی مطلق نہ تھی، کیونکہ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: "فمن لقیك من وراء ھذا الحائط یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا بقلبہ فبشرہ بالجنۃ جو تجھے اس باغ کے پیچھے صدق دل سے "لا الہ الا اللہ" کی شہادت دینے والا ملے اُسے جنت کی بشارت دیدے، یہ بشارت من وراء ھذا الحائط کی قید سے مقید ہے لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ محض محدّث ہیں مجتہد نہیں اس لئے اس قید کی طرف اُن کا ذہن متوجہ نہیں ہوا، رہا یہ امر کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے سینے پر ہاتھ مار کر گرادیا، اور انہیں لوٹ جانے پر مجبور کیا، تو اس موقعہ پر بمقتضائے سیاق وسباق حضرت ابوہریرہ کا اتنا قول ضرور مخفی ماننا پڑے گا کہ حضرت

Marfat.com

عمر نے مجھ سے فرمایا کہ واپس چلو، میں نے ان کی بات نہ مانی، پھر انہوں نے مارا کیونکہ بلا سبب مارنا عقل سلیم کی روشنی میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کے لائق نہیں، ورنہ اگر واقعی حضرت عمر بلا وجہ مارتے تو حضور سید عالم ﷺ حضرت عمر کو ان کے اس فعل پر ضرور سرزنش فرماتے اور قصاص کا حکم صادر فرماتے، حضور ﷺ کا حضرت عمر کو کسی قسم کی سرزنش اور ان کے اس فعل پر انکار نہ فرمانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوہریرہ کو بلا وجہ نہیں مارا، اور وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ حضرت ابوہریرہ حضرت عمر کے کہنے پر واپس نہیں لوٹے۔

اس واقعہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ کو کیوں واپس کیا، اس سے بظاہر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی مخالفت پائی جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد سنتے ہی منشاء رسالت کو سمجھ گئے تھے، کہ صرف ایک فرد کو اس بشارت کا پہنچا دینا ہی ارشادِ نبوی کی تعمیل ہے کیونکہ عوام اس اجمالی بشارت کے اہل نہیں جس میں صرف کلمۂ شہادت پر نجات کا بیان ہے، فرائض و واجبات اور دیگر اعمال و طاعات کی کوئی تفصیل نہیں، ایسی اجمالی بشارت سے عوام کے حق میں یہ خوف ہوسکتا ہے کہ وہ محض کلمہ شہادت پر اکتفا کر کے باقی اعمال چھوڑ بیٹھیں۔

رہا یہ امر کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی بشارت کے ساتھ حضرت ابوہریرہ کو کیوں بھیجا جو عوام کے لئے اس خوف کا موجب ہوسکتی تھی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ پر حضور کے اسم مبارک البشیر کی صفتِ بشارت کی تجلی کا غلبہ ہوا جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، انبیاء علیہم السلام پر تجلیات کا ورود محض منجانب اللہ ہوتا ہے اور حکمت الٰہیہ اس کی مقتضی ہوتی ہے، یہاں یہ حکمت تھی کہ غلبۂ حال کے باعث اس امر کی طرف ملتفت ہوئے بغیر کہ عوام محض کلمۂ شہادت پر اکتفا کر کے باقی اعمال چھوڑ بیٹھیں گے زبان رسالت

Marfat.com

سے یہ بشارت ایک مرتبہ ادا ہو کر کسی لائق بشارت تک پہنچ جائے تا کہ صدقِ دل سے کلمۂ شہادت پڑھنے کے مدارِ نجات ہونے پر دلیل قائم ہو اور غلبۂ حال اِس عدم التفات کے لئے وجہ وجیہ قرار پائے اور اس کی وجہ سے حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو سکے جو شانِ رسالت سے بعید ہے۔

یہ بشارت چونکہ تکمیل دین کے لئے تھی اس لئے حضور ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس کا اہل نہیں ہوسکتا تھا، البتہ عوام کے حق میں اس کے بعد جو خوف متوقع تھا اس کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا دیا، جو رسول اللہ ﷺ کے فیضِ صحبت کی وجہ سے "کان رأیہ موافقا بالوحی والکتاب اور ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر" کے مصداق ہو چکے تھے اور جن کے متعلق خود زبان رسالت کا یہ ارشاد گرامی رہتی دنیا تک باقی رہے گا کہ "لو کان بعدی نبی لکان عمر" چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ سے بشارت سن کر واپس لوٹنے کے لئے فرمایا، جس کا مقصد یہ تھا کہ اے ابو ہریرہ حضور ﷺ کی بشارت آپ نے مجھے سنادی، آپ تعمیل حکم سے بری الذمہ ہو گئے، تکمیل دین کا جو پہلو اس بشارت سے متعلق تھا وہ پورا ہو گیا، اَب اس سے آگے اس بشارت کو عوام میں پھیلانا منشاءِ رسالت نہیں بلکہ اس امر کا باعث ہے کہ عوام اس بشارت کی وجہ سے اعمال چھوڑ کر محض کلمۂ شہادت پر اکتفا کریں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ کے پیچھے پیچھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور حضرت ابو ہریرہ نے حضور ﷺ کے روبرو آہ و بکا کے ساتھ فریاد کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا، حضرت عمر نے عرض کیا کہ آقا! کیا حضور نے صدقِ دل سے کلمۂ شہادت پڑھنے والے کو جنت کی بشارت دینے کے لئے ابو ہریرہ کو بھیجا تھا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہاں! حضرت عمر نے عرض کیا کہ حضور! ابو ہریرہ کے اس بشارت کو سنا دینے سے تعمیل حکم نبوت ہو چکی، اَب اس کے بعد عوام میں اس بشارت کو پھیلانے کا

Marfat.com

کام نہ کیجئے، مبادا کہ وہ محض کلمۂ شہادت پر اکتفا کر کے اعمال چھوڑ بیٹھیں، لہذا حضور انہیں عمل کرنے دیں، حضور ﷺ نے فرمایا اچھا انہیں چھوڑ دو کہ وہ عمل کرتے رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معروضات ان کی ذات سے نہ تھیں بلکہ یہ سب حضور ﷺ کے فیضِ صحبت سے تھا جسے انہوں نے اپنے الفاظ میں پیش کیا، تاکہ حضور ﷺ کی توجہ اس اس امر کی طرف مبذول ہو جائے، جس سے غیر ملتفت ہو کر حضور نے ابو ہریرہ کو بشارت کے ساتھ بھیجا تھا، یہی وجہ تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عمر کے جواب میں ان کی معروضات پر مہر تصدیق ثبت فرمادی، حضرت عمر کے کلام میں اگر کوئی بات منشائے رسالت کے خلاف ہوتی تو حضور ﷺ یقیناً اس پر انکار فرماتے لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ حضرت عمر کے "فخلھم یعملون" کے جواب میں حضور ﷺ نے فخلھم ارشاد فرمایا جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضور ﷺ تجلی خاص کے حال سے مغلوب ہو کر بمقتضائے حکمت الٰہیہ جس امر کی طرف غیر ملتفت تھے حضرت عمر کی معروضات سن کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر کی اس عرضداشت کو شرف قبولیت سے مشرف فرمایا جو انہوں نے حضور ہی کے ارشادات اور فیوض و برکات سے متأثر ہو کر پیش کی تھی۔

اس کی نظیر اس واقعہ کو قرار دیا جا سکتا ہے، جو قیامت کے دن پیش آئے گا، کہ حضور نبی کریم ﷺ حوض کوثر پر جلوہ افروز ہوں گے اور صفت جود و کرم سے متجلی ہو کر پیاسوں کو سیراب فرما رہے ہوں گے، اُس وقت حضور ﷺ کے سامنے کچھ لوگ گذریں گے جنہیں فرشتے دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جا رہے ہوں گے، حضور ﷺ انہیں دیکھ کر ارشاد فرمائیں گے "اصیحابی اصیحابی" یہ لوگ تو کچھ تھوڑی سی مدت میری صحبت میں رہے ہیں، فرشتے عرض کریں گے "اما شعرت ما احدثوا بعدك" یعنی حضور، کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کام کئے، حضور علیہ السلام فرمائیں گے، اچھا انہیں دوزخ میں لے جاؤ، بعض نادان لوگ اس واقعہ سے حضور کی لاعلمی ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت

Marfat.com

کے دن تک بھی بعض امور کا حضور کو علم نہ ہوگا، ان میں یہ لوگ بھی شامل ہیں کہ حضور کو ان کے اعمال کی خبر نہ ہوگی۔

مگر یہ غلط ہے، حدیث شریف کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام ان کے کاموں سے بے خبر نہیں ہیں، فرشتے عرض کریں گے "اما شعرت ما احدثوا بعدك" حضور کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا! "ما" نافیہ پر ہمزہ استفہام انکاری داخل ہے، نفی کی نفی اثبات ہوتا ہے، معنی یہ ہیں کہ حضور آپ جانتے تو ہیں، کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا، (جن روایات میں ہمزہ استفہام مذکور نہیں وہاں مقدر ہے اور یہ مذکور اس محذوف پر دلیل ہے کیونکہ واقعہ ایک ہے)۔ اس کے باوجود بھی حضور ان کی طرف نگاہِ کرم فرمار ہے ہیں، جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ "جود و کرم" کے غلبہ حال کی وجہ سے حضور ان کے اعمال قبیحہ کفر وارتداد کی طرف ملتفت نہیں، جب فرشتے "اما شعرت ما احدثوا" بعد کو عرض کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ بات سن کر فوراً ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے جاؤ جاؤ انہیں دوزخ میں لے جاؤ، بالکل یہی صورت حال حدیثِ زیر نظر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غلبہ حال کی وجہ سے اس امر کی طرف ملتفت نہ تھے کہ اس نوعیت کی بشارت عوام کے لئے اعمال صالحہ چھوڑ دینے کا موجب ہو سکتی ہے، حضرت عمر کی گذارش سنتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی، اور فرمایا اچھا انہیں چھوڑ دو کہ وہ عمل کرتے رہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امر کی قطعاً کوئی مخالفت سرزد نہیں ہوئی۔

اگر کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف "لا اله الا الله" کی شہادت پر جنت کی بشارت دے دی، اس سے معلوم ہوا کہ "محمد رسول الله" کی شہادت نجات پانے کے لئے ضروری نہیں۔

Marfat.com

تو میں عرض کروں گا کہ "لا الہ الا اللہ" کی شہادت کے بغیر "محمد رسول اللہ" کے ممکن نہیں، اس لئے کہ جو شخص محمد رسول اللہ کو نہیں مانتا اس کے لئے "لا الہ الا اللہ" کا جاننا محال ہے، تو ماننا بھی محال ہوا، اس سے ظاہر ہے کہ "لا الہ الا اللہ" کی شہادت کے لئے "محمد رسول اللہ" کی شہادت کا ہونا لازم ہے، اور قاعدہ ہے کہ اذا ثبت الشئی ثبت بجمیع لوازمه، جب کوئی چیز ثابت ہوگی تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوگی لہذا "لا الہ الا اللہ" کی شہادت کے ساتھ "محمد رسول اللہ" کی شہادت کا ہونا لازم ہوگا، معلوم ہوا کہ "محمد رسول اللہ" کی شہادت کے بغیر نجات پانا ممکن نہیں۔

اس کے بعد اتنی بات باقی رہ جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بشارت کے لئے بھیجا تو انہیں اپنی نعلین شریفین کس لئے عطا فرمائیں، اس میں کیا حکمت تھی؟ اس کے متعلق محدثین کے چند اقوال ہیں۔

بعض نے کہا نعلین شریفین کا عطا فرمانا بطور نشانی تھا، بعض کا قول ہے کہ صحابۂ کرام کے اسلام پر ثابت قدم رہنے اور دین متین کے لئے جدو جہد کے میدان میں قدم بڑھانے اور سرگرم عمل رہنے کے لئے اشارہ تھا، ایک قول یہ بھی ہے کہ ایمان باللہ کا اقرار کرنے کے بعد استقامت اور ثابت قدمی کی طرف اشارہ مقصود تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعلین مقدسین کے ساتھ حضرت ابوہریرہ کو اس لئے بھیجا ہو کہ صحابہ کرام سمجھ لیں کہ یہ بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مطہرین کے طفیل ملی ہے. لہذا حضور کی اتباع اور آپ کے قدم بقدم چلے بغیر اس بشارت عظمیٰ کا حصہ نہیں مل سکتا، اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں یہ بھی کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نوری مقام میں طوری تجلی حاصل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نعلین مقدسین اُتار دیئے اور اپنے اصحاب کو (عطیہ) کونین عطا فرمادیا، یعنی دنیا اور آخرت دونوں جہان اپنے غلاموں کو بخش دیئے۔

Marfat.com

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنتی ہونے کا دارومدار صرف ایمان پر ہے، لیکن ساتھ یہ بھی ظاہر ہوا کہ ایسی مجمل بشارات بغیر شرح و تفصیل کے عوام کو نہ سنائی جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ عمل چھوڑ بیٹھیں، علاوہ ازیں یہ مسئلہ بھی اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ جو شخص زبانی شہادت ادا کرنے پر قادر ہو اس کے لئے محض اعتقاد رکھنا نجات کے لئے کافی نہیں، بلکہ زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ واللہ اعلم

(فقیر سید احمد سعید کاظمی غفرلہ) [1]

---

[1] ماہنامہ السعید، ملتان: شمارہ اکتوبر ۱۹۶۲ء

Marfat.com

حدیث نمبر (17)

زمین پر اللہ کے گواہ

من اثنيتم عليه خيراً وجبت له الجنة ومن اثنيتم عليه شراً وجبت له النار انتم شهداء الله في الارض انتم شهداء الله في الارض انتم شهداء الله في الارض۔[1]

ترجمہ: تم نے خوبی کے ساتھ جس کی تعریف کی، اُس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے برائی کی اُس کے لئے نار جہنم واجب ہوگئی، تم اللہ کے گواہ ہو اس کی زمین میں، تم اللہ کے گواہ ہو اس کی زمین میں، تم اللہ کے گواہ ہو اس کی زمین میں"۔

ایک دو لفظوں کے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث بخاری شریف (کتاب الجنائز) میں بھی موجود ہے، مشکوۃ شریف (کتاب الجنائز) کی ایک حدیث میں پورا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ایک جنازہ گزرا، صحابہ کرام نے اُس میت کی خوبیوں کے ساتھ تعریف کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا" وجبت " بے شک واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ گزرا تو صحابہ کرام نے اس کی برائی بیان کی، حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا" قد وجبت " بے شک واجب ہوگئی، صحابہ کرام نے عرض کیا حضور کیا چیز واجب ہوگئی، تو سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی تم نے تعریف کی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے مذمت کی اُس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی، تم اللہ کے گواہ ہو اس کی زمین پر، تین مرتبہ حضور ﷺ نے اس کلمہ کی تکرار فرمائی۔

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خدائی گواہ ہونے کا جو شرف حاصل ہوا وہ صرف اس لئے کہ انہیں بارگاہ نبوت سے قوی نسبت اور گہرا تعلق تھا، معلوم ہوا کہ اللہ کے وہ خاص بندے جنہیں بارگاہ رسالت سے غیر منقطع نسبت و رابطہ اور ختم

---

[1] مشارق الانوار ص ۷، مطبوعہ نظامی کانپور

Marfat.com

نہ ہونے والا تعلق حاصل ہے، وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے گواہ ہیں، جھوٹی گواہی ہر طرح مذموم ہے، چہ جائیکہ سرکاری گواہ جھوٹی گواہی دیں، پھر احکم الحاکمین جل مجدہ کے گواہ کس طرح جھوٹی گواہی دے سکتے ہیں، اور کوئی نادرست کلمہ اور راہ صواب کے خلاف اِمر کیونکران سے سرزد ہوسکتا ہے، اسی واسطے حضور اکرم ﷺ نے اپنے غلاموں سے ارشاد فرمایا کہ تم نے جس کی تعریف کردی اُس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور تم نے جس کی برائی بیان کردی اُس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی، تم اللہ کی زمین پر اللہ کے گواہ ہو، یعنی بحیثیت گواہ خداوندی ہونے کے تمہارے منہ سے نکلی ہوئی بات غلط نہیں ہوسکتی۔ جو کچھ تم کہہ دیتے ہو، قلم قدرت بھی اس کی تائید وتصدیق فرمادیتا ہے۔

اس مضمون کی تائید میں مسلم شریف، جلد ثانی، کتاب الدیات، ص ۵۹ میں ایک اور حدیث بھی وارد ہوئی اور اس کے ہم معنی بخاری شریف میں بھی ایک حدیث ہے، ہم مسلم شریف سے وہ حدیث نقل کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رُبیع کی بہن اُم حارثہ نے ایک آدمی کو زخمی کردیا، یہ مقدمہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا، سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا! قصاص ادا کرو، قصاص۔

ربیع کی والدہ نے عرض کیا! کیا اُم حارثہ سے قصاص لیا جائے گا؟ خدا کی قسم اُس سے ہرگز قصاص نہ لیا جائے گا، حضور ﷺ نے فرمایا! سبحان اللہ اے اُم ربیع قصاص تو اللہ کی کتاب کا حکم ہے، اُم ربیع نے پھر کہا خدا کی قسم اس سے کبھی قصاص نہ لیا جائے گا، (اُم ربیع کا اس انکارِ قصاص اور قسم، حضور ﷺ کے حکم مبارک کو نعوذ باللہ ردّ کرنا مقصود نہیں، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مستحقین قصاص کو عفو کی طرف رغبت ہو اور حضور ﷺ عفو کی سفارش فرمائیں۔ کما قال النووی (احمد سعید کاظمی)۔ کچھ دیر آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ مستحق قصاص نے قصاص معاف کردیا اور وہ دیت پر راضی ہوگئے، حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

Marfat.com

"ان من عباد الله من لو اقسم علی الله لابرہ" [1]

(بے شک اللہ کے بندوں میں سے بعض ایسے بندے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو البتہ اللہ تعالیٰ ان کو (اس قسم میں) بری فرمادے)

امام نووی اس حدیث کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ:

"معناہ لا یخشہ لکرامۃ علیہ" [2]

(اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مکرم ومعظم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی قسم میں حانث نہیں فرمایا)

اس حدیث کا مضمون حدیثِ سابق "انتم شھداء اللہ فی الارض" کے مضمون کی واضح طور پر تائید کررہا ہے۔

بے شک اللہ کے خاص بندے جن کے قلوب انوار نبوت کے جلوؤں سے معمور ہیں، اللہ کی زمین پر اللہ کے گواہ ہیں، اُن کے منہ سے نکلی ہوئی بات رائیگاں نہیں جاتی، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اللہ کے نیک اور متقی بندے چونکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے گواہ ہیں اور ان کی زبانیں لغو وغلط سے پاک ہیں، ان کا کلام نادرستی اور کبروی سے مبرا ہے، اس لئے بارگاہ ایزدی میں وہ مستجاب الدعوات بھی ہیں، ان کا اجماع اور اجتہاد وقیاس حجۃ شرعیہ ہے، حدیث مبارک کے اس مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندازہ فرمائیے کہ جن کے غلاموں کی یہ شان ہے، خود ان کا کیا مرتبہ ہوگا، اس مقام پر اُن لوگوں کو خاص طور پر غور کرنا چاہئے جو حضور ﷺ کے حق میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ کی دعائیں بھی رد ہوجاتی ہیں اور حضور ﷺ سے لغزشیں اور غلطیاں سرزد ہوئیں۔

ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الالباب۔ [3]

---

[1] مسلم شریف، جلد دوم، مطبوعہ کراچی ص ۵۹ [2] مسلم مع نووی ص ۵۹

[3] ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ مئی، جون ۱۹۶۳ء ص ۱۰۹

Marfat.com

حدیث نمبر (۱۸)

ولی سے عداوت، اللہ تعالیٰ کا اعلان جنگ

عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ ان الله تعالیٰ قال من عادي لي ولياً فقد اذنته بالحرب وما تقرب كي عبدي بشيئ احب الي مما افترضت عليه وما يزال عبدي يتقرب الي بالنوافل حتي احببته فاذا احببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده الذي يبطش بها ورجله التي يمشي بها (وفي رواية وفواده الذي يعقل به ولسانه الذي يتكلم به وايضاً في بعضها وبي يسمع وبي يبصر وبي يبطش وبي يمشي) ولئن سالني لا عطينه ولئن استعاذني لا عيذنه وما ترددت عن شيئ انا فاعله ترددي عن نفس المومن يكره الموت وانا اكره مسأته وفي بعض النسخ ولا بدله منه رواه البخاري"[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی تو بے شک میں نے اسے اعلان جنگ کر دیا، اور نہ حاصل کی نزدیکی میرے لئے میرے بندے نے کسی ایسی چیز کے ساتھ جو زیادہ محبوب ہو میری طرف اس چیز سے جو میں نے اس پر فرض کی ہے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ ہمیشہ میری طرف نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں، جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث ٦۵۰۲

Marfat.com

چلتا ہے (اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ ادراک کرتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، اور بعض روایات میں اتنے الفاظ اور بھی زیادہ ہیں کہ وہ بندہ مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے پکڑتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے) اور اگر وہ بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں، اور میں توقف نہیں کرتا کسی شئے میں جسے میں کرنے والا ہوں، مثل میرے توقف کے مومن کی جان قبض کرنے سے کہ وہ (بحکم طبیعت) موت کو ناخوش رکھتا ہے اور میں اس کے غمگین ہونے کو ناپسند رکھتا ہوں، اور بعض نسخوں میں ہے کہ حال یہ ہے کہ بندے کو موت سے چارہ نہیں، اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔

حدیث کے معنی کا بیان

اس حدیث مبارک کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولی سے عداوت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولی اللہ کے دشمن کو اعلان جنگ کا موجب ہے، نیز یہ کہ قرب فرائض قرب نوافل سے محبوب تر ہے، پھر قرب نوافل کی یہ شان ہے کہ نوافل کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کرنے والا بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے اور محبوبیت کے بعد اسے یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شنوائی، بینائی، ہاتھ، پاؤں، دل اور زبان ہو جاتا ہے، وہ اللہ سے سنتا، اسی سے دیکھتا، اسی سے پکڑتا، اسی سے چلتا، اسی سے سمجھتا اور اسی سے بولتا ہے، ایسا شخص اللہ سے جو کچھ مانگے اللہ اسے ضرور دیتا ہے اور اس کے سوال کو ہرگز رد نہیں فرماتا اور خدا کا وہ محبوب اگر اللہ تعالیٰ سے پناہ ڈھونڈے تو اللہ اسے ضرور پناہ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی روح اس وقت تک قبض نہیں فرماتا جب تک اس کے دل سے موت کی کراہت طبعی نہ جاتی رہے، اور رضائے الٰہی کی بشارت و کرامت سے مسرور نہ ہو جائے۔

Marfat.com

ان مسائل کا بیان جو اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتے ہیں

(۱) ولی اللہ کی عداوت خدا تعالیٰ کے قہر و غضب کا موجب ہے۔

(۲) قرب فرائض کا مرتبہ قرب نوافل سے بلند ہے۔

(۳) ادائے فرض یقیناً محبوب تر ہے، لیکن نوافل بھی فرائض کے لئے مکمل و متمم ہیں۔

(۴) قرب نوافل اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا سبب ہے۔

(۵) گناہ اور معاصی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں تو جب تک بندۂ مقرب گناہوں سے پاک نہ ہولے اس وقت تک محبوبیت کا بلندترین مقام (جس کی بلندی مضمون حدیث سے واضح ہے) حاصل نہیں کرسکتا، لہٰذا ضروری ہے کہ یہ بندہ جس نے قرب نوافل حاصل کیا ہے گناہوں سے پاک ہونے کے بعد محبوبیت کا شرف پائے، محبوب ہونا بعد کو ہوا اور گناہوں سے پاک ہونا پہلے، اس لئے کہ محبوبیت کے بعد جو مرتبہ اسے ملتا ہے وہ بہت ہی بلند مقام ہے اور وہ یہ کہ بندۂ مقرب مظہر صفات الٰہیہ ہو جاتا ہے، اور صفات خداوندی کے انوار اس میں چمکنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی صفت سمع و بصر و ید و رجل و قدرت وکلام وعلم وحکمت سب کے انوار سے وہ منور و روشن ہو جاتا ہے، اور قرب خداوندی کا اصل مفہوم بھی یہی ہے، نیز عظمت انسان کی بلندی کا صحیح معیار یہی کمال ہے، اس کو شرک کہنا کمال انسانی اور جواہر انسانیت سے معریٰ اور بے خبر ہونے کی دلیل ہے۔

(۶) جب بندۂ مقرب صفات الٰہیہ کے انوار سے منور اور اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر کا مظہر ہو کر کسی چیز کو سنے یا دیکھے گا تو ظاہر ہے کہ اس میں قرب و بعد کی قید نہ پائی جائے گی اور یہ بھی ناممکن ہوگا کہ کوئی مسموع یا مُبصر اس بندۂ مقرب کی سمع و بصر سے خارج رہے۔ اسی طرح اس کی قوت وقدرت اور عمل و تصرف اور علم و ادراک بھی عام ہوگا۔ ہر نزدیک اور دُور کی چیز اور ہر مشکل اور آسان کام اس کے لئے یکساں ہوگا۔ اس کی قوت تصرف سب کو شامل ہوگی اور یہ

Marfat.com

شرک نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ صفات وکمالات دراصل صفات الٰہیہ اور کمالات خداوندی ہیں جو اس بندۂ مقرب کے لئے بالاستقلال ثابت نہیں، اور یہ بندۂ مقرب مستقلاً ان سے موصوف نہیں، بلکہ اپنے تزکیۂ نفس اور صفائے باطن اور جلائے قلب کے باعث ان کا مظہر ہے، جیسے آئینہ اپنے مجلّٰی اور مصقل ہونے کی وجہ سے آفتاب کا مظہر ہوجاتا ہے، چمکتے ہوئے آفتاب کے سامنے دس ہزار شیشے رکھ دیئے جائیں، وہ شیشے مجلّٰی اور صاف ہوں اور شیشوں اور آفتاب کے درمیان کوئی حائل نہ ہو تو یقیناً ایک آفتاب سب شیشوں میں چمکتا ہوا نظر آئے گا، اور کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ شیشوں میں نظر آنے والے آفتاب کے جلوے مستقل آفتاب ہیں، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عباد مقربین کے قلوب آئینہ کی طرح مجلّٰی اور مصفّٰی ہوتے ہیں، ان کے، اور انوار صفات الٰہیہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا، لہذا وہ صفات باری تعالیٰ اور کمالات خداوندی کے انوار سے روشن اور منور ہوجاتے ہیں، وہ خدا نہیں ہوتے اور ان کی یہ مظہریت ان کے کمالِ قربِ خداوندی کی دلیل ہے۔

(۷) بیان سابق کی روشنی میں یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ جو لوگ اس حدیث کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ بندۂ مقرب جب اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی سمع وبصر ہوجاتا ہے، یعنی اس بندے کے کان گناہوں سے پاک ہوجاتے ہیں، اس کی آنکھ بھی گناہ نہیں کرتی، اسی طرح ہاتھ پاؤں، زبان اور دل کے گناہوں سے وہ پاک ہوجاتا ہے، یعنی پھر وہ بندہ اپنے کانوں سے کوئی ناجائز بات نہیں سنتا، اپنی آنکھوں سے خلاف شرع کوئی چیز نہیں دیکھتا، اپنے ہاتھ پاؤں سے خلاف شرع کوئی کام نہیں کرتا۔

یہ معنی بالکل غلط ہیں اور حدیث شریف میں تحریف کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ اس معنی سے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل کرنے والا بندہ محبوب ہونے کے بعد اپنے کسی عضو یا حصہ سے گناہ نہیں کرتا اور اپنے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے جو کام کرتا ہے وہ سب جائز اور شرع کے مطابق ہوتے ہیں، لیکن اس معنی کو جب الفاظ حدیث پر پیش کیا

Marfat.com

جاتا ہے تو حدیث شریف کا کوئی لفظ اس کی تائید نہیں کرتا، کیونکہ ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے تو وہ محبوب بنا، اگر گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی محبوبیت کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو تقویٰ اور پرہیزگاری کی تو پھر ضرورت ہی نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعوني يحببكم الله

ترجمہ: آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ۔

معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر مقامِ محبوبیت خداوندی کا حصول ناممکن ہے۔

بندہ پہلے برے کاموں کو چھوڑتا ہے، ان سے توبہ کرتا ہے، فرائض ونوافل ادا کرتا ہے، تب وہ محبوب ہو جاتا ہے، محبوب ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس بندے کے کان ہو جاتا ہے، جس سے پھر وہ سنتا ہے، اللہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے، جس سے وہ دیکھتا ہے، اللہ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے، جس سے وہ پکڑتا ہے، اللہ اس کے پاؤں ہو جاتا ہے، جس سے وہ چلتا ہے، یہ سب کچھ محبوب بننے کے بعد ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ بندہ برے کام بھی کرے اور محبوب بھی بن جائے اور بعد میں برے کام چھوڑے۔

تو بندہ جب اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت سمع، بصر اور قدرت کے انوار، بندے کی سمع، بصر اور قدرت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں اور اس طرح یہ مقرب بندہ صفات الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے، یعنی یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے نور سمع سے سنتا ہے، اسی کے نور بصر سے دیکھتا ہے اور اسی کے نور قدرت سے تصرف کرتا ہے، نہ خدا بندے میں حلول کرتا ہے اور نہ بندہ خدا ہو جاتا ہے، بلکہ خدا کا یہ مقرب بندہ مظہر خدا ہو کر کمال انسانیت کے اس مرتبہ پر فائز

Marfat.com

ہوتا ہے جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی تھی ، اگر آپ غور فرمائیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آیت کریمہ "وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون" کے معنی یہی ہیں جن کا مصداق یہ عبد مقرب ہے، عبادت کے معنی پامالی کے ہیں ، عبد مقرب اپنی انانیت اور صفاتِ بشریت کو اپنے رب کی بارگاہ میں پامال یعنی ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے ان کو فنا کر دیتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بندے میں اس کی اپنی صفات عبدیت کی بجائے صفاتِ حق متجلی ہوتی ہیں اور انوار صفات الٰہیہ سے وہ بندہ منور ہو جاتا ہے، جب قرآن سے ثابت ہے کہ درخت سے "انی انا اللہ" کی آواز آسکتی ہے تو عبدِ مقرب کے لئے کیونکر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع و بصر کا مظہر نہ ہو سکے۔

بیان سابق میں اس کے جواب کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ بندۂ مقرب کو یہ مرتبہ محبوبیت کے بعد ملتا ہے اور گناہوں سے پاکیزگی کا مرتبہ محبوبیت سے مقدم ہے، لہذا ثابت ہو گیا کہ "بی سمع" الحدیث، گناہوں سے پاک ہونے کا بیان نہیں بلکہ محبوبیت کے بعد مظہر صفات خداوندی ہونے کا بیان ہے۔

علاوہ ازیں اگر "بی سمع" کے معنی گناہوں سے پاک ہونے کے لئے جائیں تو یہ ایسے معنی ہونگے جن کا الفاظ حدیث سے کوئی تعلق نہ ہوگا، اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ الفاظ حدیث ان معنی کے قطعاً متحمل نہیں ، مولوی انور شاہ صاحب کشمیری نے بھی "فیض الباری شرح صحیح بخاری" میں صاف لکھ دیا کہ "حدیث کے یہ معنی بیان کرنا حق الفاظ سے تجاوز اور کج روی ہے ۔ دیکھئے فیض الباری ۔ جز ۴ ص ۴۲۸ ۔ آگے چل کر مولوی انور شاہ صاحب کشمیری نے اسی جلد کے ص ۴۲۹ پر ہمارے منقولہ بالا معنی کی زور شور سے تائید کی ہے ، نیز امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر کبیر میں اس حدیث کے یہی معنی بیان فرمائے ، ہم ان کی عربی عبارت کا خلاصہ اردو زبان میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے، امام رازی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

Marfat.com

”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس پر فرمایا! میرا بندہ میری طرف کسی چیز کے ذریعے وہ نزدیکی نہیں حاصل کرسکتا جو ادائے فرائض کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اور نوافل کے ذریعہ وہ مجھ سے ہمیشہ قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، پھر جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان، آنکھ، زبان، دل، ہاتھ اور پاؤں ہو جاتا ہوں، وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے بولتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان بندگان مقربین کی آنکھوں کانوں بلکہ تمام اعضا میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہیں رہا، اس لئے کہ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے کچھ باقی رہا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا کہ میں اس کی سمع اور بصر ہو جاتا ہوں“۔

اس کے بعد آگے چل کر یہی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”اور اسی لئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اُکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے اُکھاڑا تھا، اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت علی کی نظر عالم اجساد سے منقطع ہو چکی تھی اور ملکی قوتوں نے حضرت علی کو عالم کبریا کے نور سے چمکا دیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی روح قوی ہو کر ارواح ملکیہ کے جواہر سے مشابہ ہو گئی تھی اور اس میں عالم قدس و عظمت کے انوار چمکنے لگے تھے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہ قدرت حاصل ہو گئی جو ان کے غیر کو حاصل نہ تھی، اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ”کنت لہ سمعاً وبصراً“ فرمایا ہے، جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سن لیتا ہے، اور جب یہی نور اس کی بصر ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو یہ بندہ ہر مشکل و آسان اور قریب و بعید چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے“۔[1]

---

[1] تفسیر کبیر، جلد ۵ ص ۶۸۷، ۶۸۸

Marfat.com

اِسی مضمون کی تائید تفسیر روح المعانی، پ ۱۵، ص ۱۴۶، ۷، ۱۴۷، اور الیواقیت والجواہر، ص ۱۲۵ پر بھی موجود ہے۔

(۸) حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے سوال کو رد نہیں فرماتا بلکہ وہ جو کچھ اپنے رب سے مانگتے ہیں، رب تعالیٰ انہیں ضرور دیتا ہے، کیونکہ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان صاف طور پر موجود ہے "وان سالنی لا عطینه" یعنی اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں، اور عبدِ مقرب سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ عام ہے خواہ وہ دنیا میں مانگے یا برزخ میں یا آخرت میں، اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے "لاعطینہٗ" میں اسے ضرور دوں گا. چونکہ اللہ تعالیٰ کسی وقت کسی کے لئے ان کا سوال کبھی ردّ نہیں فرماتا، اس لئے اہل سنت اپنی حاجت اور اپنی مراد اللہ تعالیٰ کے مقربین سے منگواتے ہیں، دنیا میں بھی صالحین سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں اور جب وہ عالم برزخ میں ہوتے ہیں تو اس وقت بھی ان کے مزارات مقدسہ پر جا کر ان سے طالب دُعا ہوتے ہیں، اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی ان سے طالب شفاعت ہوں گے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین وصالحین کا سوال ردّ نہیں فرماتا۔

اسی طرح ان کا پناہ ڈھونڈنا بھی عام ہے، اپنے لئے پناہ طلب کریں یا کسی دوسرے کے لئے، دنیا میں پناہ مانگیں یا برزخ میں یا آخرت میں، لہٰذا مومنین ہر حالت میں صالحین سے التجا کرتے ہیں کہ آپ ہمارے لئے ہمارے رب سے پناہ طلب فرماویں، آپ کی پناہ جوئی ضائع نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے " ولئن استعاذنی لا عیذنه" یعنی اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں، ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ سے علی الاطلاق اپنے لئے دُعا اور استعاذہ کا طالب ہونا جائز اور درست ہے۔

(۹) مومن کے لئے موت کا بحکم طبیعت مکروہ ہونا بری بات نہیں۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ مقربین کی ارواح طیبہ کو اس وقت قبض فرماتا ہے جب کہ انہیں اپنی

Marfat.com

رضا و عطا کی بشارت و کرامت سے مسرور فرما کر موت سے ان کی کراہت طبعی کو دُور فرما دیتا ہے، اور اپنی لقاء و وصال کا انہیں مشتاق بنا دیتا ہے۔

(۱۱) یہ تمام کمالات مذکورہ سابقہ قرب نوافل سے متعلق ہیں اور ظاہر ہے کہ قرب فرائض ،قرب نوافل سے بہت زیادہ محبوب اور ارفع و اعلیٰ ہے تو معلوم ہوا کہ قرب فرائض کے ساتھ تقرب حاصل کرنے والے مقربین کے کمالات ان سے زیادہ اقویٰ اور اعلیٰ ہیں، پھر انبیاء علیہم السلام اور ان کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و قدرت، سمع و بصر اور قوت تصرف کا کیا عالم ہو گا ؟

قیاس کن از گلستان من بہار مرا[۱]

[۱] ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ ستمبر ۱۹۵۹ء، ص ۲۱ تا ۲۴

Marfat.com

حدیث نمبر (۱۹)

حدیث ربیعہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاسم جنت

"وعن ربيعة بن كعب، قال: كنتُ أبيتُ مع رسول الله ﷺ فاتيته بوضوءه وحاجتُه فقال لي سل فقلت اسألك مرافقتك في الجنة قال او غير ذلك؟ قلت هو ذاك، قال: فاعني على نفسك بكثرة السجود۔ رواه مسلم"[1]

(ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وضو کا پانی اور جس چیز کی آپ کو ضرورت ہوا کرتی تھی (مسواک، مصلیٰ وغیرہ) لایا کرتا تھا، (ایک بار دریائے رحمت جوش میں آیا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ربیعہ مانگ۔ انہوں نے عرض کی! حضور میں جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کچھ اور بھی مانگتے ہو؟ حضرت ربیعہ نے عرض کی بس حضور یہی مانگتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پس تم کثرت سجود سے میری مدد کرو۔)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کیا مانگ، کیا نہ مانگ، کیا دے سکتا ہوں کیا نہیں دے سکتا، فرمایا "سل" (مانگ)، اسی لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اشعۃ اللمعات" میں صاف صاف فرمایا:

"(فقال لی سل) پس گفت آں حضرت مرا بطلب ہر چہ می خواہی از خیر دنیا و آخرت...... واز اطلاق سوال کہ فرمود "سل" بخواہ وتخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگارِ خود بدہد۔

---

[1] مشکوٰۃ: کتاب الصلاۃ: باب السجود وفضلہ: رقم الحدیث ۸۹۶

Marfat.com

بیت

فان من جودک الدنیا وضرتها
ومن علومک علم اللوح والقلم

"دنیا اور آخرت یا رسول اللہ آپ کے جود و سخا سے کچھ حصہ ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم سے کچھ حصہ ہے"۔

بیت

اگر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیاؤ ہرچہ مے خواہی تمنا کن

"(اے مسلمان) اگر تو دنیا اور آخرت کی خیریت کی آرزو رکھتا ہے تو حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو جو جی میں آئے مانگ"۔[1]

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد نے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی بات لکھی:

"قال لی النبی گفت مرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سل بطلب ہرچہ میخواہی از خیر دنیا و آخرت واز اطلاق این سوال کہ فرمود بخواہ وتخصیص نکرد بمطلوبی خاص معلوم میشود کہ کارہمہ بدست وہمت کرامت اوست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرچہ خواہد وہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد"۔[2]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یؤخذ من اطلاقہ علیہ السلام الأمر بالسوال أن اللہ تعالیٰ مکنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق"۔

(یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ

---

[1] اشعۃ اللمعات، جلد ۱، صفحہ ۳۹۶

[2] مسک الختام شرح بلوغ المرام، مطبوعہ مطبع نظامی کانپور، ۱۲۸۸ھ، جلد اول، ص ۲۷۶

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں)

پھر فرماتے ہیں :

"وذكر ابن سبع في خصائصه وغيره ان الله تعالىٰ اقطعه ارض الجنة يعطي منها ماشاء لمن يشاء"۔

(یعنی امام ابن سبع وغیرہ علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا ہے کہ جنت کی زمین اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاگیر کردی ہے، اس میں سے جو چاہیں جس کے لئے چاہیں بخش دیں)۔[۱]

نسائی شریف کی حدیث میں "سلنی" کے الفاظ ہیں، سلنی کا معنی ہے مجھ سے مانگ:[۲]

اور طبرانی کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں "یا ربیعة سلنی فاعطیك" یعنی اے ربیعہ مجھ سے مانگ میں عطا کروں۔ (سبحان اللہ)[۳]

ابوداؤد شریف کی حدیث میں بھی "سلنی" (مجھ سے مانگ) کے الفاظ ہیں :[۴]

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ شیخ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

"(سل) أي اطلب مني حاجة" یعنی مجھ سے حاجت طلب کر۔[۵]

یہاں اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ربیعہ کو جنت دے دی تو پھر یہ کیوں فرمایا "فاعنی علی نفسک بکثرت السجود" اے ربیعہ کثرت سجود سے میری مدد کرو ؟

"فاعني علی نفسك بكثرت السجود" اے ربیعہ کثرت سجود سے میری مدد

---

۱ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جزالثانی، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۵۶۷

۲ نسائی، جزاوّل، کتاب التطبیق، حدیث ۱۱۳۷، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ص ۷۷۵

۳ المعجم کبیر طبرانی، جزالخامس، حدیث ۴۵۷۶، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، ص ۵۸

۴ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۱۱۹۳، جلد الخامس، مطبوعہ دارغراس الکویت، ص ۶۶

۵ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جزالثانی، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۵۶۷

Marfat.com

کرو کا مفہوم یہ ہے کہ اے ربیعہ تجھے جنت میں میری رفاقت تو مل گئی، اب اگر تو یہ سمجھ کر کہ جنت تو مجھے مل گئی رکوع وسجود چھوڑے گا تو دوسرے لوگ بھی رکوع وسجود چھوڑ دیں گے اس طرح میرے دین میں خلل آئے گا، "فاعنی" کا مطلب ہے "فاعنی دینی" یعنی، اے ربیعہ میرے دین کی مدد کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان تنصروا اللہ ینصرکم" (سورۃ محمد، آیت ۷) یعنی اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اس آیت میں اللہ کی مدد کرنے سے کیا مراد ہے؟ اللہ کے دین کی مدد کرنا ہی تو ہے، مطلب یہ ہوا کہ اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے (تو) وہ تمہاری مدد کرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ بھی دین کی مدد طلب فرما رہا ہے اور اللہ کا رسول ﷺ بھی دین کی مدد طلب فرما رہے ہیں "فاعنی علی نفسك بكثرت السجود" سے رسول اللہ ﷺ کی کمزوری ثابت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے "ان تنصروا اللہ" سے اللہ تعالیٰ کی کمزوری ثابت کریں، لیکن یقیناً اللہ تعالیٰ بھی کمزوری سے پاک ہے اور اس کا رسول ﷺ بھی۔ واللہ الحمد

اگر "فاعنی" سے "فاعنی دینی" مراد نہ لیا جائے اور ضد کی جائے کہ حضور ﷺ نے تو فرمایا کہ میری مدد کرو اور کہا جائے کہ حضور ﷺ معاذ اللہ کیا دے سکتے ہیں؟ تو سنن نسائی و ابوداؤد کے الفاظ "سلنی" (مجھ سے مانگ) اور طبرانی کبیر کے الفاظ "سلنی فاعطیك" (مجھ سے مانگ کہ میں عطا کروں) کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ یہ الفاظ کسی محدث کے نہیں ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ مبارکہ ہیں۔[1]

---

[1] آڈیو کیسٹ، خطبات کاظمی، حصہ دوم، مطبوعہ بزم سعید علی پور ضلع مظفر گڑھ، ص ۹۵

Marfat.com

حدیث نمبر (۲۰)

سواداعظم کی پیروی

"عن انس بن مالك قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان امتي لا تجتمع علي ضلالة فاذا رايتم اختلافاً فعليكم بالسواد الاعظم"۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی، جب تم اختلاف دیکھو تو سب سے بڑی جماعت کو لازم پکڑو۔

بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ اسلام میں فرقہ بندی کیوں ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ نے اس اختلاف وافتراق کی بابت پیشین گوئی فرمائی تھی۔

"وتفرق امتي علي ثلث وسبعين ملة كلهم في النار الا ملة واحده الخ"۔ (مشکوٰۃ)

(اور میری اُمت تہتر فرقوں میں منقسم ہوجائے گی، (ان میں سے) ایک جنت میں جائے گا اور بہتر دوزخ میں جائیں گے)

حضور سید عالم ﷺ کی پیش گوئی انسانی فطرت کے عین مطابق تھی، نظام کائنات اور رفتار زمانہ بھی اس پر شاہد ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نسل انسانی ابتداً چند اصول کو تسلیم کرلیتی ہے پھر مرور زمانہ کی وجہ سے اس کے بعض افراد کے خیالات میں ان مانے ہوئے اصول کے متعلق تفاوت اور اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، بلکہ زیادہ مدت گزرنے کے بعد وہ اختلاف کچھ ایسی نوعیت اختیار کرلیتا

Marfat.com

ہے کہ اس جماعت میں سے ایک فرد بھی مسلمہ اصول پر قائم نہیں رہتا لیکن آسمانی اور الہامی اصول اور سچے دین کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس دین کو قبول کرنے والوں میں سے ضرور ایک جماعت ایسی ہوتی ہے جو اس کثرت اختلاف کے باوجود بھی حق وصداقت پر قائم رہتی ہے اور فرقہ بندی کا طوفان اس کے پائے استقلال کو ڈگمگا نہیں سکتا۔

مختصر یہ کہ غلط اصول کا ذکر ہی کیا؟ جب ان کی بنیاد ہی باطل ٹھہری تو ان میں حقانیت وصداقت کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، تاریخ عالم گواہ ہے کہ الہامی اور آسمانی تعلیمات میں بھی نسل انسانی نے اس قدر اختلاف کیا کہ مدت مدید کے بعد ان کو قبول کرنے والوں کی اتنی قلیل تعداد حق وصداقت پر باقی رہی کہ اسے اکہتر یا بہتر یا تہتر حصوں میں سے ایک حصہ کہا جاسکتا ہے، انسان کی اس فطرت کے ساتھ گردشِ کائنات کا نقشہ بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

رفتار زمانہ کے اثر سے زمانیات میں جو تفاوت پایا جاتا ہے اس کا انکار بھی نہیں ہوسکتا، زمانیات کے بہت تھوڑے افراد ایسے ہیں جو اس گردش لیل ونہار سے متاثر ہو کر مختلف اور متفاوت نہیں ہوتے اور پہلے حال پر قائم رہتے ہیں۔

بہر حال اس فطری اصول کے موافق ہادیٔ اعظم نور مجسم ﷺ نے اختلاف اُمت کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ عین حق وصواب پر مبنی تھا لیکن اس مقام پر جو بات قابل غور رہے وہ یہ ہے کہ اس دورِ اختلاف وافتراق میں حق پسند اور نجات پانے والے گروہ کا کیسے پتہ چلے اور کیونکر معلوم ہو کہ موجودہ فرقوں میں کون حق پر ہے؟

اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ:

”فاذا رائیتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم“

جب تم اختلاف دیکھو تو سب سے بڑی جماعت کو لازم پکڑو۔

یہاں اختلاف سے مراد اصولی اختلاف ہے جس میں ’کفر وایمان‘ اور ”ہدایت وضلالت“ کا فرق پایا جائے، یہاں فروعی اختلاف ہرگز مراد نہیں، کیونکہ وہ تو رحمت ہے جیسا کہ

Marfat.com

حدیث شریف میں ہے "اختلاف اُمتی رحمة" میری اُمت کا (فروعی) اختلاف رحمت ہے۔[۱]

اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر موجودہ اسلامی فرقوں میں اس بڑے فرقے کو تلاش کیجئے، جو باہم اصولاً مختلف نہ ہو اور جس قدر اسلامی فرقے اس کے ساتھ اصولی اختلاف رکھتے ہوں وہ ان سب میں بڑا ہو تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ کو ایسا فرقہ اہل سنت والجماعت کے سوا کوئی نہ ملے گا، جس میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی، اشعری، ماتریدی سب شامل ہیں، یہ سب اہل سنت ہیں، اور ان کے مابین کوئی ایسا اصولی اختلاف نہیں جس میں کفر و ایمان یا ہدایت و ضلالت کا فرق پایا جائے۔

حنفی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اختلافی مسائل میں خطاء اجتہادی پر تسلیم کرتے ہیں، مگر ان کے مسائل کو (خطاء اجتہادی پر مبنی ہونے کے باوجود) ان کے حق اور ہدایت سے خالی نہیں سمجھتے، بخلاف معتزلہ، مرزائیہ، روافض و خوارج وغیرہم کے ان میں بعض گروہ ایسے ہیں جو اہل سنت کے نزدیک دائرہ اسلام و ایمان سے خارج ہیں اور بعض وہ ہیں کہ ہدایت سے بے بہرہ ضلالت میں مبتلا ہیں۔

لہٰذا اس دور پر فتن میں حدیث مذکور کی رو سے سواد اعظم اہل سنت والجماعت کا حق پر ہونا ثابت ہوا، جیسا کہ شیخ عبدالغنی دہلوی علیہ الرحمۃ "انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ" میں اسی حدیث پر ارقام فرماتے ہیں۔

"فهذا الحديث معيار عظيم لأهل السنة والجماعة شكر الله سعيهم فانهم هم السواد الاعظم وذلك لا يحتاج الى برهان فانك لو نظرت الى اهم الاهواء باجعهم مع انهم اثنان وسبعون فرقة لا يبلغ عدد هم عشر اهل

---

[۱] اشعۃ اللمعات، جلد ۴، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء، ص ۶۳۳

السنة واما اختلاف المجتهدین فیما بینهم وکذلك اختلاف الصوفیة الکرام والمحدثین العظام والقراء الاعلام فهو اختلاف لا یضلل أحدهم الآخر الخ"۔[۱]

یعنی یہ حدیث اہل سنت و جماعت (اللہ ان کی سعی کو مشکور فرمائے) کے لئے معیار عظیم ہے، بے شک وہی سواد اعظم ہیں اور یہ امر کسی برہان کا محتاج نہیں تمام اہل ہوا باوجود یکہ وہ بہتر فرقے ہیں کو اگر تم دیکھو تو وہ اہل سنت کے دسویں حصہ کو بھی نہ پہنچ سکیں گے، رہا مجتہدین اور اسی طرح صوفیاء کرام اور محدثین عظام اور قراء اعلام کا باہمی اختلاف تو وہ ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے کی تضلیل نہیں کرتا۔

یہاں بعض لوگ یہ شبہ پیش کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ

"منهم المؤمنون واکثرهم الفاسقون"[۲]

(ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں)

نیز ارشاد فرمایا:

"اعملوا آل داؤد شکراً وقلیل من عبادي الشکور"[۳]

(عمل کرو اے آل داؤد (علیہ السلام) شکر کا اور کم ہیں میرے بندوں سے شکر کرنے والے)

ان کے علاوہ اور آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مومن اور نیک بندے قلیل ہیں، اس لئے یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے، لہٰذا قابل قبول نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مدار نجات ایمان پر ہے، ایمان رکھنے والوں میں بھی ایسے لوگوں کی تعداد کم ہوتی ہے جو حسبِ استطاعت اللہ تعالیٰ کی پوری شکر

---

[۱] انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ، کتاب الفتن، ص ۲۹۲، حاشیہ ۱

[۲] سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰   [۳] سورۃ سبا، آیت ۱۳

Marfat.com

گزاری کرنے والے کامل مومن ہوں۔

دوسرے یہ کہ جن آیتوں میں مومنین کو قلیل اور کفار کو کثیر فرمایا گیا ہے، وہاں کفار سے وہ بہتر فرقے بالخصوص مراد نہیں جو مدعی اسلام ہیں، بلکہ وہاں کفار سے عام کفار مراد ہیں جن میں اسلام کے مدعی اور منکر سب شامل ہیں، اور یہ امر واضح ہے کہ اسلام کے مدعی اور منکر تمام جہان کے کافروں کے مقابلہ میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کو لایا جائے تو یہ ضرور قلیل ہوں گے اور وہ کفار یقیناً کثیر ہوں گے، لہذا قرآن و حدیث میں کوئی اختلاف نہ رہا۔

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کے متعلق فرمایا کہ "ما انا علیہ اصحابی" (مشکوٰۃ ص)، (ناجی گروہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کرام کے مسلک پر ہو)۔

اس حدیث میں سواد اعظم کا ذکر نہیں، اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ حدیث سواد اعظم والی حدیث کے خلاف نہیں بلکہ اس کو اور واضح کر رہی ہے کیونکہ "ما انا علیہ اصحابی" والی حدیث میں یہ اجمال باقی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے صحابہ کے موافق کون ہے؟ تہتر فرقوں میں سے ہر فرقہ یہ کہہ سکتا ہے میرا عقیدہ اور مذہب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے موافق ہے۔ اس صورت میں ناجی گروہ کا پتہ نہیں چل سکتا، "ما انا علیہ اصحابی" والی حدیث نے اس اجمال کو دُور کر دیا اور اس امر کو واضح کر دیا کہ جتنے فرقے اس امر کے مدعی ہوں گے کہ ہمارا دین و مذہب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے موافق ہے، وہ سب جھوٹے ہوں گے، میرے دین پر جو جماعت صحیح معنی میں قائم رہے گی وہ سواد اعظم ہوگی، لہذا تم سواد اعظم ہی کو لازم پکڑنا۔

اس مقام پر ایک اعتراض کا جواب دینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث مبارک میں مذکور ہے کہ میری اُمت میں بہتر (۷۲) فرقے ناری ہوں گے اور ایک ناجی ہوگا، حالانکہ اگر ان فرقوں کو دیکھا جائے جو ہمارے نزدیک ناری ہیں تو ان کی تعداد سینکڑوں

Marfat.com

سے متجاوز ہو چکی ہے، پھر اہل سنت کا وہ ایک فرقہ جو ہمارے نزدیک ناجی ہے اس میں بھی متعدد گروہ پائے جاتے ہیں، جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، علیٰ ہذا القیاس صوفیاء کرام اور علماء متکلمین وغیرھم میں بہت سے گروہ ہیں حالانکہ ہم ان سب کو ناجی سمجھتے ہیں، اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ناجی فرقہ صرف ایک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مبارک میں بہتر ناری فرقوں سے وہ فرقے مراد ہیں جو کفر والحاد اور گمراہی و بے دینی کا سر چشمہ اور جڑ ہیں، اسی طرح ایک ناجی گروہ سے وہ نجات پانے والا فرقہ مراد ہے جو اسلام و ایمان، ہدایت و رحمت کا منبع ہو اور یہی اُن کی اصل و بنیاد ہے، ظاہر ہے کہ ایک جڑ سے کئی شاخیں نکلتی ہیں مگر ان کی اصل وہی جڑ ہے جس سے وہ نکلتی ہیں، شاخوں کی کثرت سے جڑوں کی کثرت لازم نہیں آتی، جیسے ایک قبیلے میں کئی خاندان ہوتے ہیں اور ہر خاندان میں کئی گھر اور ہر گھر میں کئی افراد، اسی طرح گمراہی کی بہتر (۷۲) جڑوں اور ضلالت کے بہتر قبیلوں سے سینکڑوں کیا ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں بھی اگر شاخیں اور خاندان و افراد پیدا ہو جائیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی اصل اور قبیلے بھی اتنی ہی تعداد میں ہوں، مختصر یہ کہ جس طرح گمراہی کی بہتر جڑوں سے سینکڑوں ہزاروں شاخیں پیدا ہو گئیں (جنہیں فرقوں میں شمار کر لیا گیا) اسی طرح ہدایت کی ایک جڑ سے کئی شاخیں پیدا ہوئیں، مگر یاد رکھیے ضلالت کی جڑ کی ہر شاخ ضلالت ہوگی اور ہدایت کی جڑ سے جو شاخیں نمودار ہوں گی وہ سب ہدایت قرار پائیں گی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا"[۱]

(جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا (اس سے کہ وہ جہاد جانی ہو یا مالی، جسمانی ہو یا روحانی، جہاد اصغر ہو یا جہاد اکبر ہو) ہم انہیں اپنی راہوں کی طرف راہنمائی فرمائیں گے)

---

[۱] سورۃ العنکبوت، آیت ۶۹

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سبیل کی بجائے سُبل فرمایا، یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ہم انہیں اپنی راہ کی طرف راہنمائی فرمائیں گے بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں اپنی راہوں کی طرف راہنمائی فرمائیں گے۔

معلوم ہوا کہ سبیل خداوندی ایک نہیں بلکہ متعدد ہیں اور وہ وہی ہیں جن کا مبدا اور مرکز فرقہ ناجیہ السواد الاعظم اہل سنت و جماعت ہو، جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی، ماتریدی، اشعری وغیرھم۔

اس اختلاف و افتراق کے دور میں نجات کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ حدیث مبارک علیکم بالسواد الاعظم کے مطابق مسلمانوں کے سب سے بڑے گروہ اہل سنت و جماعت کو لازم پکڑ لیا جائے اور اس کے علاوہ مرزائی، رافضی، نیچری، وہابی، غیر مقلد وغیرھم سب سے علیحدگی اختیار کی جائے، واللہ الموافق للھدایۃ وھو الموصل الی سبیل الرشاد[1]

---

[1] ماہنامہ "قائد" ملتان شمارہ جنوری، فروری ۱۹۵۱ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۲۱)

تورات شریف میں صفات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن عطاء بن يسار قال لقيت عبدالله بن عمرو بن العاص قلت اخبرني عن صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم في التوراته قال اجل والله انه الموصوف في التوراته ببعض صفته في القرآن يا ايها النبي انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذيرا وحرزاً للاميين انت عبدي ورسولي سميتك المتوكل ليس بفظٍ ولا غليظ ولا سخابٍ في الاسواق ولا يدفع بالسيئة ولكن يعفو ويغفر ولن يقبضه الله حتي يقيم به الملة العوجاء بان يقولو الا اله الا الله ويفتح بها اعينا عميا واذا ناً صماً وقلوبا غلفاً۔[1]

حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملا، میں نے اُن سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو صفت توراۃ میں نازل ہوئی وہ مجھے بتائیے، اُنہوں نے کہا ہاں! خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توراۃ میں بعض ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں، جن کا بیان قرآن کریم (کی اس آیت) میں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا[2]

اے نبی ہم نے آپ کو آپ کی اُمت (۱) کے احوال کا شاہد بنا کر بھیجا اور خوش خبری دینے والا اور گنہگاروں کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

(۱) اشعۃ اللمعات، جلد رابع، ص ۷۰۴ پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ترجمہ کیا ہے۔

---

[1] مشکوۃ، باب فضائل سید المرسلین [2] سورۃ الاحزاب، آیت ۴۵

Marfat.com

(آیت قرآنیہ کے بعض اوصاف کا بیان یہاں تک ہوا، اب اس کے علاوہ دیگر اوصاف کاذکر ہے)

اور اہل عرب کے لئے پناہ بنا کر بھیجا، اے محمد ﷺ آپ میرے ایسے خاص مقدس بندے ہیں کہ آپ کی اس خاص بندگی میں آپ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں، اور آپ میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا، اس لئے کہ آپ نے تمام کام اور اپنی قدرت وغیرہ (جو میں نے آپ کو عطا فرمائی ہے) سب کچھ میرے ہی سپرد کر دیا ہے، آپ ایسے متوکل ہیں کہ درشت خو نہیں نہ سخت کلام ہیں، نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دینے والے، لیکن معاف فرماتے اور بخش دیتے ہیں، آپ ایسے متوکل ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز دنیا سے نہ اُٹھائے گا، تاوقتیکہ اُس کے وجود اقدس کے ساتھ کجرو اور گمراہ قوم کو سیدھا نہ کر دے، بایں طور کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں، اور اللہ تعالیٰ اُس کی ذات کریمہ کے ساتھ اندھی آنکھوں اور غافل دلوں کو کھولے گا، اس حدیث کو بخاری نے راویت کیا اور اسی طرح اس کو دارمی نے حضرت عطاء سے حضرت ابن سلام سے اسی کی مثل روایت کیا۔

اس مبارک حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۔ حضور سید عالم ﷺ کی پیش گوئی اور آپ کے صفات خصوصی کا بیان کتب سابقہ میں بھی ہے، اور سچے نبی کی یہی شان ہوتی ہے۔

۲۔ آقائے نامدار ﷺ اپنی اُمت کے احوال پر شاہد ہیں کسی فرد اُمت کا کوئی حال ایسا نہیں جس کا آپ مشاہدہ نہ فرما رہے ہوں جیسا کہ شاہدا کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعتہ اللمعات، جلد رابع، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ طبع نہم ۱۹۶۳ء، ص ۷۱۴ پر فرماتے ہیں:

"اے گرامی پیغمبر بدرستی ما فرستادہ ایم ترا شاہد احوال اُمت"

Marfat.com

۳۔ حضور سید عالم ﷺ، اہل عرب کے لئے پناہ ہیں، یعنی آپ کے دامن رحمت میں مصائب و آلام دارین سے پناہ ملتی ہے، اور اگر بلیات شیطانی و آفات نفسانی مراد لئے جائیں تو اہل عرب پر ہی کیا موقوف ہے، حضور ﷺ کا وجود اقدس عالم کے ہر فرد کے لئے پشت و پناہ ہے، اسی مقام پر حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''اشعۃ اللمعات''، جلد ۴، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء، ص ۴۷۲ پر فرماتے ہیں :

''واگر ضرر از غوائل شیطانی و آفات نفس مراد دارند وجود شریف وے ﷺ پشت و پناہ عالمیان ست''۔

۴۔ حضور سید عالم ﷺ، اللہ تعالیٰ کے ایسے خاص بندے ہیں کہ آپ کی اس بندگی میں کوئی آپ کا شریک نہیں، جیسا کہ اسی حدیث میں انت عبدی کے تحت حضرت شاہ صاحب موصوف اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں :

''تو اے محمد بندۂ خاص منی کہ در حقیقت در بندگی خاص ہیچ کس با تو شریک نیست''[۱]

معلوم ہوا کہ سرور عالم ﷺ کی عبدیت آپ کا وہ کمال ہے، جن میں آپ کے ساتھ کسی دوسرے کو شرکت نصیب نہیں۔

۵۔ آقائے نامدار ﷺ متوکل ہیں اور متوکل حقیقتاً اسے کہتے ہیں جو اپنا سب کچھ اپنے رب کو سپرد کردے، جیسا کہ اسی مقام پر اشعۃ اللمعات میں ہے :

''نام کردہ ام ترا متوکل کہ ہمہ کارہائے بہ من سپردہ و قطعاً بر حول و قوت خود نہ ایستادہ''[۲]

سب کاموں میں جاننا بھی داخل ہے، جسے علم کہتے ہیں اگرچہ وہ دل کا کام ہے، مگر کام ضرور ہے، تو اگر کسی موقع پر رسول اللہ ﷺ کسی چیز کے علم کی اپنی ذات اقدس سے بظاہر نفی فرمادیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور ﷺ کو اس چیز کا علم نہیں دیا گیا، بلکہ ایسے مواقع پر

---

[۱] اشعۃ اللمعات''، جلد ۴، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء، ص ۴۷۲

[۲] اشعۃ اللمعات''، جلد ۴، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء، ص ۴۷۲

Marfat.com

آپ نے اُس شئے کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما کر اپنی متوکلانہ شان کا مظاہرہ فرمایا ہے، اور کبھی دوسری حکمتوں کے پیشِ نظر اپنے علم کا اظہار بھی فرمایا۔ کمالا یخفی علی العاق اللبیب۔

۶۔ حضور ﷺ کی سیرۃ طیبہ ادنیٰ درجہ کی درشت خوئی اور سخت کلامی سے بھی پاک تھی گویا آپ سراپا رحمت اور مجسمۂ اخلاق حسنہ تھے۔

۷۔ تاجدار مدنی ﷺ نے اپنے غلاموں کے دلوں میں توحید کو اتنا پختہ فرمادیا کہ اُس کے انوار سے گمراہ ہدایت پر آگئے، ٹیڑھے سیدھے ہوگئے، اندھوں کی آنکھیں روشن ہوگئیں، بہروں کے کان کھل گئے، غافلوں کے دل خواب غفلت سے بیدار ہوگئے، یہ سب کچھ حضور ﷺ کی قوت قدسیہ کا کرشمہ اور اُنہی کا صدقہ ہے۔[1]

اللهم صلي علي سيدنا ومولانا محمد وعلي آله صحبه اجمعين

[1] ماہنامہ ''قائد'' ملتان، شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۵۰ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۲۲)

سوتے میں بیداری، مشاہدہ غیب

"عن زید ابن اسلم انه قال عرس رسول الله ﷺ لیلۃً بطریق مکة، ووکل بلالاً ان یوقظهم للصلوٰة، فرقد بلال ورقدوا حتي استیقظوا وقد طلعت علیهم الشمس فاستیقظ القوم قد فزعوا فامرهم رسول الله ﷺ ان یرکبوا حتي یخرجوا من ذلك الوادي وقال ان هذا واد به شیطان فرکبوا حتي خرجوا من ذلك الوادي ثم امرهم رسول الله ﷺ ان ینزلوا وان یتوضوا وامر بلالاً ان ینادي بالصلوٰة اویویم فصلي رسول الله بالناس ثم انصرف الیهم وقد رای من فزعهم فقال یا ایها الناس ان الله قبض ارواحنا ولو شاء لردها الینا في حین غیر هذا فاذا رقد احدکم عن الصلوٰة او نسیها ثم فزع الیها، فلیصلها کما کان یصلیها في وقتها، ثم التفت رسول الله ﷺ الي ابوبکر فقال ان الشیطان اتي بلالا وهو قائم یصلي فاضجعه فلم یزل یهدئهٗ کما یهدأ الصبي حتي نام ثم دعا رسول الله ﷺ بلالا فاخبر بلال رسول الله ﷺ مثل الذي اخبر رسول الله ﷺ ابابکر فقال ابوبکر اشهد انك رسول الله"۔[1]

"حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ

---

[1] موطا امام مالک، کتاب الصلوٰۃ

Marfat.com

معظمہ کے راستہ میں ایک جگہ رات گزاری، اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا کہ وہ صبح کی نماز کے لئے لوگوں کو بیدار کر دیں، پس لوگ بھی سو گئے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سو گئے، یہاں تک کہ لوگ اُس وقت بیدار ہوئے جب ان پر اچھی طرح سورج طلوع ہو گیا، جب بیدار ہوئے تو نماز فجر قضاء ہو جانے کی وجہ سے بہت گھبرائے، حضور ﷺ نے انہیں سوار ہونے اور وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے، صحابہ کرام سوار ہو کر وہاں سے نکل گئے، اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اُترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا، اور حضرت بلال کو اذان یا تکبیر کہنے کے لئے ارشاد فرمایا، اس کے بعد حضور سید عالم ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی، پھر حضور ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی گھبراہٹ کو دیکھ کر فرمایا کہ اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری جانوں کو روک رکھا ہے، اگر وہ چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں ہماری جانوں کو ہماری طرف پھیر دیتا، لہٰذا تم میں سے کوئی اپنی نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے پھر وہ نماز کے لئے گھبرا کر اُٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس وقت اپنی نماز کو اسی طرح پڑھ لے جس طرح اس کے اصل وقت میں پڑھتا، اس کے بعد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا، اس حال میں کہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اس کے بعد انہیں لٹا دیا، پھر انہیں تھپکتا رہا، جیسے کسی بچے کو تھپکا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سو گئے، یہ فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے جس طرح ان کے آنے سے پہلے حضور ﷺ ان کا واقعہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان فرما چکے تھے سنایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضور ﷺ کا یہ معجزہ باہرہ مشاہدہ کیا تو بے ساختہ کہہ اُٹھے اشھد انک رسول اللہ میرے آقا! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ جل شانہ کے رسول ہیں"۔

Marfat.com

اس حدیث مبارکہ سے مندرجہ ذیل مسائل معلوم ہوئے۔

۱۔ نماز قضا ہو جانا اگرچہ غیر اختیاری طور پر ہو، مسلمان کے لئے طبعاً اور فطرتاً دہشت اور گھبراہٹ کا موجب ہوتا ہے، نماز کی طرف سے لاپرواہی کرنے والوں کو اس حدیث سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

۲۔ جن مقامات پر شیطانی اثرات نمایاں ہوں، مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے، اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے جو لہو و لعب کے گناہ و معصیت کے مقامات پر بے دھڑک جانے اور وہاں ٹھہرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

۳۔ سو جانے یا بھول جانے سے اگر نماز قضا ہو جائے تو یاد آنے اور بیدار ہونے کے بعد وہ نماز اسی طرح پڑھنی چاہیے جس طرح اس کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔

۴۔ اپنے رفقاء کو ان کی سخت گھبراہٹ اور خوف زدہ ہونے کی حالت میں بتقاضائے مصلحت تسلی دینا مکارم اخلاق میں داخل ہے۔

۵۔ حضور سید عالم ﷺ بحالتِ خواب بیدار رہتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چشمان مبارک سوتی ہیں اور قلبِ اطہر جاگتا رہتا ہے۔

۶۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس رات جو واقعہ گزرا وہ سب کچھ سرکار دو عالم ﷺ کو معلوم تھا۔

۷۔ شیطان کا یہ حال ہے کہ وہ بنی آدم کے ساتھ اپنی دشمنی پوری کرنے کے لئے ہر وقت لگا رہتا ہے، دن، رات، بیداری خواب، سفر، حضر، وادی و صحرا ہر جگہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے اور اسے اپنی نظر میں رکھتا ہے۔

۸۔ حضور ﷺ کے غلاموں کو ورغلانے اور انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت و عبادت سے روکنے کے لئے شیطان جو کچھ کرتا ہے اس کا کوئی داؤ پیچ اور کسی قسم کا کوئی کارنامہ ایسا نہیں جو نگاہ رسالت سے مخفی ہو۔

Marfat.com

۹۔ حضور سید عالم ﷺ سوتے، جاگتے کسی وقت اپنے غلاموں کے حال سے بے خبر نہیں۔

۱۰۔ باوجود علم کے کسی بات کا ظاہر نہ کرنا حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

۱۱۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شیطان کا آنا اور انہیں بچے کی طرح تھپکنا اور بالآخر سُلا دینا امور غیبیہ سے متعلق ہے، حضور ﷺ نے اس کا مشاہدہ کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے مشاہدے کو بیان فرمایا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بیان مبارک کو سن کر حضور سید عالم ﷺ کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دی۔ اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس گواہی سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مشاہدۂ غیوب شرک نہیں بلکہ ان کی غیب دانی نبوت و رسالت کی چمکتی ہوئی دلیل ہے۔ [1]

---

[1] ماہنامہ "السعید" ملتان، شمارہ فروری ۱۹۶۳ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۲۳)

شان مؤمن

''وعن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمومن من آمنه الناس علي دمائهم واموالهم رواه الترمذي والنسائي وزاد البيهقي في شعب الايمان برواية فضالة والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب''۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان وہ ہے کہ سالم رہیں مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے، اور مومن وہ ہے جسے امین بنائیں لوگ اپنی جانوں اور اپنے مالوں پر، اس حدیث کو ترمذی، نسائی نے روایت کیا، اور زیادہ کیا بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت حضرت فضالہ، اور مجاہد وہ ہے جس نے جہاد کیا اپنے نفس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں، اور مہاجر وہ ہے جس نے چھوڑ دیا خطاؤں اور گناہوں کو۔

تشریح: حضور سید عالم ﷺ نے اس حدیث مبارک میں اسلام اور ایمان کی تعریف بیان نہیں فرمائی بلکہ اسلام اور ایمان کی خوبیوں اور کمال کو ذکر فرمایا ہے۔

اسی طرح مجاہد سے مجاہد بالسیف بمعنی معروف مراد نہیں، بلکہ یہاں وہ مجاہد حقیقی مراد ہے جو نفس کے ساتھ جہاد کرنے والا ہو۔

مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے کسی مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچنا اسلام کی شان سے بعید

---

[1] ترمذی شریف، باب ماجاء فی أن المسلم، حدیث ۲۶۲۷

Marfat.com

ہے، اسلام سلامتی کا علمبردار ہے اور مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں سلامتی کا حامل ہو، مضمونِ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ زبان سے جتنی تکلیفیں پہنچائی جا سکتی ہیں، مثلاً کسی پر جھوٹی تہمت رکھنا، غیبت کرنا، گالی دینا، سختی اور درشتی کے کلمات ناحق کسی مسلمان کے حق میں ادا کرنا، کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں، اسی طرح جو تکلیفیں ہاتھ سے پہنچائی جا سکتی ہیں، مثلاً ناحق مارنا، ایذارسانی کے لئے ہاتھ سے اشارہ کرنا، ناحق ستانے کے لئے کسی کے حق میں کچھ لکھنا، سب اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اور ایک مسلمان کے لئے ہرگز لائق نہیں کہ وہ کسی مسلمان کے ساتھ اس قسم کی ایذارسانی کا وطیرہ اختیار کرے۔

علیٰ ہذا القیاس مومن کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس کے کمالِ ایمان اور تقویٰ کی بنا پر اس پر اتنا اعتماد ہو کہ لوگ اپنی جانوں اور مالوں کی امانتیں بلا تامل اس کو سپرد کر دیں اور ان کے دل میں اس کے خائن ہونے کا گمان پیدا نہ ہو۔

یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب کسی شخص کا کردار اتنا بلند ہو کہ لوگوں کے ذہن میں اس کی طرف سے کسی قسم کی بداخلاقی اور خیانت کا شائبہ تک نہ ہونے پائے۔

مسلم اور مومن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اس قدر قیمتی، اہم اور جامع ہے کہ اسلامی معاشرہ کے ہر پہلو کی مکمل اصلاح اس میں موجود ہے، گھریلو زندگی، بیرونی تعلقات، آپس کے معاملات سب کو حاوی ہے، اور مسلمان کی زندگی کے ہر گوشے کے لئے اس میں نکوکاری اور پاکیزگی کی تعلیم پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہے، خصوصاً مومن کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد تو بہت ہی اہم ہے، جس کی روشنی میں ہر شخص اپنے ایمان واسلام کا صحیح جائزہ لے سکتا ہے، اور وہ اس طرح کہ جس شخص کی امانت و دیانت پر لوگوں کو جتنا قوی اعتماد ہو، اسی قدر اس کا ایمان واسلام قوی ہوگا، جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں کس درجہ کا مومن ہوں وہ اپنے بارے میں لوگوں کے اعتماد کو دیکھے، اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ لوگ اپنی جانوں اور مالوں کی امانت بے دریغ مجھے سپرد کرنے

Marfat.com

کرنے کے لئے آمادہ ہیں تو سمجھ لے کہ میرا ایمان فی الواقع قوی اور مضبوط ہے، اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی شخص اپنی جانوں اور مالوں کی امانت میرے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں تو وہ سمجھ لے کہ میرا ایمان کمزور ہے، اور میں جب تک اپنی اس کمزوری کا ازالہ نہ کرلوں اُس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا۔

بالکل اسی طرح مجاہد کی نشانی یہ ہونی چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے، مقصد یہ ہے کہ نفس امارہ انسان کو برائی کی طرف لاتا ہے، اور گناہ ومعصیت کی رغبت دلاتا ہے، ایسی صورت میں حقیقی جہاد یہ ہے کہ انسان نفس امارہ کے ساتھ جنگ کرے اور اسے مغلوب کر کے اللہ تعالیٰ کی طاعت اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔

یہ مرتبہ مراتبِ کمال میں بلند ترین مقام رکھتا ہے اگر مسلمان اس ارشاد نبوی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں تو انسانیت کے تمام مراحل اسی ایک نکتہ میں طے ہوسکتے ہیں۔

مہاجر کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا، وہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں لفظ مہاجر سے بمعنی معروف مہاجر مراد نہیں بلکہ وہ حقیقی مہاجر مراد ہے، جو صغیرہ کبیرہ گناہوں کو چھوڑ کر شیطان سے نجات حاصل کرلے، اور بارگاہ ربوبیت میں قرب کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو۔

مسلم ومومن، مجاہد ومہاجر کی جو تعریف ان جامع اور مختصر الفاظ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے وہ بنی نوع انسان کی فلاح ونجات اور تمام دینی ودنیوی فوز وفلاح کا ایسا جامع بیان ہے کہ مسلمان عملی طور پر اختیار کرلیں تو ان کی تمام مشکلات حل ہوسکتی ہیں اور دین ودنیا کی ہر حاجت پوری ہوسکتی ہے، کسی مرحلہ پر وہ ناکام ونامراد نہیں ہوسکتے، بلکہ ان کا ہر سانس شادکامی اور فائز المرامی پر منتج ہوسکتا ہے۔[1]

---

[1] ماہنامہ "السعید" ملتان شمارہ جنوری ۱۹۶۳ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۲۴)

علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بينا انا نائمٌ اا اُزمرةٌ حتيٰ اذا عرفتهم خرج رجلٌ بيني وبينهم فقال هلم فقلت الیٰ اين قال الي النار والله قلت ماشانهم قال إنهم إرتدّوا بعدك عليٰ ادبارهم القهقري ثم اذ زمرةٌ حتي اذا عرفتهم خرج رجلٌ من بيني وبينهم قال هلم قلت اليٰ اَيْن قال الي النار والله قلت ماشانهم قال انهم ارتدوا علي ادبارهم فلا اُراهم الا مثل همل النعم۔ رواه البخاري في صحيحه"۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اس حال میں کہ میں سورہا تھا، ایک گروہ سامنے آیا، یہاں تک کہ میں نے اُنہیں پہچانا، میرے اور اُن کے درمیان میں سے ایک شخص نکلا، اُس نے کہا آؤ، میں نے کہا کس طرف؟ اُس نے کہا بخدا دوزخ کی طرف! میں نے کہا اُن کا کیا حال ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ لوگ آپ کے بعد اُلٹے پاؤں اپنی پشتوں کی طرف لوٹ گئے تھے، یعنی اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، پھر اچانک دوسرا گروہ ظاہر ہوا، یہاں تک کہ میں نے اُنہیں پہچانا، میرے اور اُن کے درمیان میں سے ایک شخص نکلا، اس نے کہا آؤ، میں نے کہا کدھر؟ اُس نے کہا بخدا دوزخ کی طرف، میں کہا کیا حال ان کا، اس نے کہا، یہ لوگ آپ کے بعد اُلٹے پاؤں اپنی پشتوں کی طرف لوٹ گئے تھے، یعنی اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، تو میں گمان نہیں کرتا کہ ان میں سے کوئی نجات پائے، لیکن (بہت تھوڑے، جنہوں نے توبہ کرلی تھی پھر بھی گناہوں کے مرتکب ہوئے) چھوٹے ہوئے اُونٹوں کی

---

[1] صحیح بخاری، باب فی الحوض، حدیث ۶۵۸۷

Marfat.com

مثل، یعنی جو رکھوالے اور نگہبان کے بغیر ہوں، اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا ''۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کئی ہزار نو مسلم مرتد ہو گئے تھے، جن پر سیدنا ابو بکر صدیق نے بمعیت فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین سخت جہاد فرمایا اور ان کا قلع قمع کر دیا، ان میں سے بعض نے پھر توبہ کر لی، مگر اس کے باوجود بھی ان کا اسلام کمزور رہا، اور وہ دین میں پختہ کار نہ ہوئے، ان ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے رؤیا کے عالم میں یا کشف کی حالت میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسی دنیا میں پہچان لیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حوض کوثر پر وارد ہوں گے اور عدم التفات کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اصیحابی فرمائیں گے، اس کے بعد فرشتے جب عرض کریں گے کہ سرکار کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ یہ تو مرتد ہو گئے تھے تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سحقاً سحقاً فرمائیں گے۔

بخاری کی اس حدیث میں ''بینما انا نائم '' میں ایک نسخہ ''بینما انا قائم '' بھی ہے، ہر تقدیر پر اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہیں دیکھنا اور پہچاننا ثابت ہوتا ہے اور یہ حدیث اس امر کی روشن دلیل ہے کہ تاجدار مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا ہی میں بحالت خواب یا کشف انہیں ملاحظہ فرما کر پہچان لیا تھا اور ان کا مرتد ہونا بھی اسی دنیا میں سرکار کو معلوم ہو چکا تھا، لہٰذا قیامت کے دن کے واقعہ کو لاعلمی پر محمول کرنا قطعاً باطل ہے، بلکہ اسے عدم التفات پر محمول کرنا واجب ہے، اسی طرح ان کا مصداق معاذ اللہ خلفاء راشدین کو قرار دینا بھی باطل محض ہے، کیونکہ وہ مرتدین کی جماعت ہو گی اور یہ مقدسین تو ان مرتدوں پر جہاد فرمانے والے ہیں، جیسا کہ ابھی عرض کر چکا ہوں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان مرتدین کے ساتھ قتال فرمایا، اور دوسرے حضرات اس قتال میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دوش بدوش رہے، لہٰذا ان خلفاء کرام وصحابہ عظام کا مقدس دامن اس ناپاک دھبہ سے قطعاً پاک ہے۔ [1]

---

[1] ماہنامہ ''السعید'' ملتان، شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۶۲ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۲۵)

حدیث تابیر نخل: کھجوروں کی پیوند کاری

"عن رافع بن خدیج قال النبي ﷺ المدينة وهم يابرون النخل يقول يلحقون النخل فقال ما تصنعون قالوا كنا نصنعه قال لعلكم لو لم تفعلوا كان خيرا قال فتركوه فنقضت او قال فنقضت قال فذكروا ذلك له فقال انما انا بشراً اذا امرتكم بشئي من دينكم فخذوا به واذا امرتكم بشئي من رأي فانما انا بشر......" الخ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آخری الفاظ یہ ہیں:

"قال انتم اعلم بامر دنیاکم" [1]

خلاصہ حدیث یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، اُس وقت انصار کھجوروں کے باغات لگاتے تھے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا، اور اس کام میں ان کو بڑی مہارت تھی، کھجوروں کی پیوند کاری ہوتی تھی اور اس کے لئے تلقیح اور تابیر کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

حضور پرُنور ﷺ نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ تابیر نخل کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ پھل کثرت سے آتا تھا اور بہت عمدہ قسم کا ہوتا تھا، ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لو لم تفعلوا کان خیرا" یہ جو تابیر و تلقیح اور پیوند کاری کا عمل تم اچھے پھل حاصل کرنے کے لئے کرتے ہو اور تمہارا اس بات پر اعتقاد ہوتا ہے کہ اگر ہم پیوند کاری کریں گے تو پھل زیادہ اور اچھا آئے گا، اور نہیں کریں گے تو پھل زیادہ اور اچھا نہیں آئے گا تو اس طرح پھل کے زیادہ اور اچھے ہونے میں تمہاری نظر پیوند کاری پر ہے اور یہ تمہارے

---

[1] مسلم شریف، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما، حدیث ۲۳۶۲

Marfat.com

شایان شان نہیں، تمہاری نظر تو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی عطا پر ہونی چاہیئے، پیوند کاری پر بھروسہ کرنا اور لوگوں کی شان ہو تو ہو میرے پیارو! یہ تمہاری شان کے لائق نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی "لو لم تفعلوا کان خیرا" یعنی اگر تم اس کو ترک کر دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا، اب بہتری کی کئی صورتیں ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ اگر تم پیوند کاری چھوڑ دو گے تو خواہ پھل تھوڑا ہی آئے تو اس قلیل پھل میں اللہ تعالیٰ اتنی برکت ڈال دے گا کہ وہ تمہارے لئے خیر کا باعث ہو جائے گا، اور بہتری کا ایک واضح مفہوم یہ بھی ہے کہ اگر تم پیوند کاری کا عمل چھوڑ دو اور فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لو کہ پروردگار جتنی کھجوروں کا پھل ہمیں دے گا ہم اس پر راضی ہیں، اور جیسے پھل عطا کرے گا ہم اس پر خوش ہیں، اور اگر تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور راضی برضا ہو جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا، اگرچہ پہلے سال یا دوسرے سال پھلوں میں کمی ہو جائے، کیونکہ درخت تلقیح کے عادی ہیں اور اس عادت کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ پہلے ایک دو سال میں پھل کم آئیں، لیکن اگر تم اس طرق پر قائم رہو تو ایک دو سال کے بعد اللہ تعالیٰ ایسی صورت پیدا فرمائے گا کہ تمہاری پیوند کاری کے بغیر اس سے زیادہ پھل آئیں گے اور اس سے بہتر پھل آئیں گے۔

اب ہوا کیا چونکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب ایک معیار کے نہ تھے، اُن کے درجات مختلف تھے، اگر ان کے معیار مختلف نہ ہوتے تو خلفاء راشدین کی فضیلت کا قول ہم کیسے کرتے، کیونکہ خلفائے راشدین میں خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، تو اس ترتیب کو ہم کیسے تسلیم کرتے، بہرحال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مراتب میں تفاوت ہے، تو اونچے درجہ کے صحابہ تھے وہ تو کچھ نہ بولے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کے مطابق اسی سال انصار نے پیوند کاری کا عمل تو نہ کیا مگر وہ اپنے خیال میں کچھ اور ہی سمجھ بیٹھے تھے، ان کا خیال تھا کہ

Marfat.com

پیوند کاری کا عمل ترک کرنے سے ہمیں اسی سال اتنے پھل ملیں گے کہ پہلے کبھی ہوئے ہی نہیں، وہ تو اپنی جگہ یہ تصور لئے بیٹھے تھے لیکن ان کا یہ منشا پورا نہ ہوا، کیونکہ پہلا سال تھا اس لئے پھل تھوڑے آئے اور وہ اتنے زیادہ اچھے بھی نہ تھے، تو بعض صحابہ کرام جن کی عقل فرمان نبوی ﷺ کی تہہ کو ابھی نہیں پہنچی تھی، مومن تو تھے مگر انہوں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! ہم نے تو پیوند کاری چھوڑ دی تھی مگر پھل تو بالکل آئے ہی نہیں، آئے تو بہت کم اور بالکل ناقص، جب انہوں نے شکایت کی تو اب دو ہی راستے تھے، ایک راستہ تو یہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو زجر و توبیخ فرماتے کہ خبردار تم نے شکایت کیوں کی؟ بہرحال اسی پر قائم رہو اور بالکل تلقیح نہ کرو، میں تمہارے لئے پیوند کاری کی بالکل اجازت نہیں دیتا، اگر حضور ﷺ یہ راستہ اختیار فرماتے تو قیامت تک پیوند کاری کا عمل حرام ہو جاتا اور رحمۃ اللعالمین یہ نہیں چاہتے تھے۔

دوسرا راستہ یہ تھا کہ پیوند کاری کا عمل بے شک جاری رہے مگر پیوند کاری کے عمل پر تمہارا توکل نہ ہو، توکل تمہارا ذاتِ باری پر رہے۔

چونکہ ابھی ان کے اذہان اس قابل نہ تھے اس لئے حضور تاجدار مدنی ﷺ نے ان پر سختی تو نہ فرمائی ہاں اتنا فرما دیا کہ:

"انتم اعلم بامر دنیا کم" اپنے دنیا کے کاموں کو تم خود ہی زیادہ جانو۔

منکرین علم رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ کو پڑھ کر آسمان سر پر اٹھا لیا کہ لو بھئی دنیا کے کاموں کا تو رسول اللہ ﷺ کو علم ہی نہیں۔

حالانکہ حدیث کا یہ مطلب بالکل نہیں۔ "اَعْلَمُ" یہاں تفضیل کے معنوں میں نہیں بلکہ صفت کے صیغے کے معنی میں ہے، فرمانا یہ ہے کہ تم اپنے دنیا کے کاموں کو خود ہی جانو، کیونکہ یہاں نہ "لام" ہے نہ "من"، یہ تو صفت کا صیغہ ہے اور صفت کے معنی میں ہے، کہ تم اپنے دنیا کے کاموں کو خود ہی جانو، تو اس بات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت نفیس

Marfat.com

قسم کی ہلکی سی ناراضگی ظاہر فرمائی کہ تم نے ہماری بات کو سمجھا نہیں، ہمارا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم تم سے یہ تلقیح کا عمل چھڑوائیں، ہمارا مقصد یہ تھا کہ تمہارا توکل تلقیح کے عمل پر نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہو، صرف اللہ پر۔

اگر تم اس عمل کو دو چار سال چھوڑ دیتے تو پھر اس کی تمہیں حاجت ہی نہ ہوتی، مگر تم نے بڑی جلدی اور عجلت سے کام لیا فوراً ہی شکایت لے کر آگئے، تو فوری شکایت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ ہلکی سی ناراضگی کا اظہار فرمایا، اور انتم اعلم کے الفاظ ارشاد فرمائے۔

انتم اعلم کے الفاظ سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے علم کی نفی کی اور صحابہ کرام سے کہا کہ تم دنیا کے کام مجھ سے بہتر جانتے ہو۔

یہ بالکل غلط بات ہے، وہ دنیا کے کام بھی ہم سے بہتر جانتے ہیں اور دین کے کام بھی، بلکہ ہماری دنیا کو دین بنانے والے بھی وہی ہیں، اور انتم اعلم یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ جس کو علم کی کمی یا بیشی کے معنی میں کسی نے استعمال نہیں کیا، بلکہ لوگوں نے اس جملے کے بولنے والے کی ناراضگی کے معنی میں اس کو استعمال کیا ہے۔

چنانچہ فقہاء نے اس بات سے ایک مسئلہ نکالا اور اس جملے کو ناراضگی کے ظاہر کرنے کی دلیل قرار دیا، چنانچہ "فتح القدیر" جو کہ "ہدایہ" کی مشہور شرح ہے اور فقہ حنفی کی بڑی معتبر و مستند کتاب ہے، صاحب فتح القدیر نے اس انتم اعلم کے لفظ کو ایک فقہی مسئلے میں استعمال کیا ہے، اور وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ جب کسی بالغ عورت خواہ وہ کنواری ہو یا مطلقہ ہو یا بیوہ، کا نکاح کرنا ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہے، خواہ وہ زبان سے کہے یا خاموش رہے، دونوں صورتوں میں اجازت ہوگی، مگر اتنا فرق ہے کہ بالغ کنواری کا خاموش رہنا ہی کافی ہوگا جب کہ مطلقہ اور بیوہ کا زبان سے اقرار کرنا ضروری ہوگا، تو فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا کہ اگر کسی عورت سے نکاح کے لئے اجازت طلب کی اور کہا کہ ہم فلاں آدمی سے تمہارا نکاح کرنا چاہتے ہیں تم راضی ہو اور اس نے اتنا کہہ دیا "انت اعلم" (تو جان) تو اس کا یہ کہنا اس کی طرف سے ناراضگی

Marfat.com

کا اظہار ہوگا، پھر کوئی نکاح نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو نکاح نہیں ہوگا، کیونکہ اس جملے کو فقہاء نے اس کی ناراضگی کی دلیل قرار دیا۔[۱]

(یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال ہو کہ حدیث میں الفاظ "انتم اعلم" ہیں اور فقہ کی کتاب میں الفاظ "انت اعلم" ہیں، تو بات یہ ہے کہ "انتم اعلم" جمع کا صیغہ ہے اور "انت اعلم" واحد کا صیغہ ہے، بس اتنا فرق ہے اور کوئی فرق نہیں، ایک ہی بات ہے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ "انتم اعلم" یہ اپنے علم کی نفی کے لئے نہیں فرمایا تھا بلکہ اپنی ناراضگی کے لئے فرمایا تھا، اور ناراضگی صرف اتنی ہی تھی کہ ہم نے تم کو توکل کی تعلیم دی تھی اور تم سمجھے ہی نہیں، اس کلمہ کے ناراضگی کے معنی کیوں ہوئے، اس لئے ہوئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ناراضگی کے اظہار کے لئے یہ کلمات فرمائے علم کی نفی کے لئے نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت پر رؤف اور رحیم ہیں، لہٰذا سختی اس لئے نہیں فرمائی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سختی فرماتے تو یہ عمل تلقیح خواہ وہ پیوندکاری آموں کی ہو یا لیموں کی یا دیگر پھلوں کی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت پر شفیق و مہربان ہیں اس لئے نہیں چاہتے تھے کہ ہم اس کو حرام قرار دیں بلکہ یہ چاہتے تھے کہ اگر کوئی پیوندکاری کرتا ہے تو وہ اس بات پر بھروسہ نہ رکھے کہ اگر پیوندکاری کروں گا تو یہ فائدہ ہوگا، پیوندکاری کرو مگر توکل اس بات پر رکھو کہ اللہ تعالیٰ دے گا ورنہ کچھ نہیں ملے گا، توکل کو کسی بھی صورت ہاتھ سے نہ جانے دو، اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس جملہ (انتم اعلم) کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی نفی کے لئے استعمال کرنا سراسر جہالت اور نادانی ہے۔[۲]

---

[۱] فتح القدیر، جلد ۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۲۶۰

[۲] درس قرآن، رمضان المبارک ۱۹۸۲ء، بمقام شاداب کالونی، ملتان، قلمی ذخیرہ ڈاکٹر محمد حنیف سعیدی ایم بی بی ایس، لاہور

Marfat.com

حدیث نمبر(۲۶)

مسئلہ باغ فدک

''عن عائشه أن فاطمة عليها السلام ارسلت الي ابي بكر تسأله ميراثها من النبي ﷺ مما افاء الله علي رسوله ﷺ تطلب صدقة النبي ﷺ التي بالمدينة وفدك، وما بقي من خمس خيبر''۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور حضور ﷺ کی میراث کا مطالبہ کیا۔

'' فقال ابو بكر إنَّ رسول الله ﷺ قال لا نورث ما تركنا فهو صدقة انما ياكل آل محمد من هذا المال...... واني والله لا اغير شيئاً من صدقات النبي ﷺ التي كانت عليها في عهد النبي ﷺ، ولا عملن فيها بما عمل فيها رسول الله ﷺ فتشهد علي ثم قال: انا قد عرفنا يا ابا بكر فضيلتك، وذكر قرابتهم من رسول الله ﷺ وحقهم، فتكلم ابو بكر قال، والذي نفسي بيده لقرابته رسول الله ﷺ احب اليّ ان اصل من قرابتي''۔[2]

حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی، جو مال ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور آل محمد ﷺ اس مال سے کھا سکتی ہے، (ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا) بخدا میں حضور ﷺ کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا جس طرح وہ عہد نبوت میں تھے، ویسے ہی رہیں گے اور میں ان میں ایسا ہی کروں گا جس طرح ان میں رسول

۱۔ صحیح بخاری: باب مناقب قرابۃ رسول، حدیث ۳۷۱۱

۲۔ صحیح بخاری: باب مناقب قرابۃ رسول، حدیث ۳۷۱۲

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان اسباب کی تصدیق کی اور فرمایا اے ابو بکر! ہم آپ کی فضیلت و بزرگی کو جانتے ہیں، پھر آپ نے اس رشتہ داری کا ذکر کیا جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی، اور ان کے حق کا ذکر کیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے کہیں یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کروں۔

بعض لوگوں نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کیا ہے کہ انہوں نے اہل بیت کی حق تلفی کی ہے، اور باغ فدک حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں دیا حالانکہ انہوں نے اس کا مطالبہ کیا تھا اور جو اہل بیت کو ان کا حق نہ دے بتائیے وہ کون ہے؟

میں ایسے حضرات سے پوچھتا ہوں کہ تم نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات مقدسہ کے بارے میں یہ تصور کیسے کرلیا کہ وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر حدیث سنانے والے پر ناراض ہو جائیں؟ کیونکہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو یہ حدیث بیان فرمائی "اِنَّ رسول اللہ ﷺ قال لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ...الخ" اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا! ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی جو مال ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ تو پھر حدیث سن کر کیا حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث کا انکار فرمایا اور یہ کہا کہ یہ میرے والد ماجد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اقرار کیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی جو مال ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے"۔

تو بتائیے یہ کہنا کس قدر غلط ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر

Marfat.com

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محض اس وجہ سے ناراض ہوگئیں اور وصال تک انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کلام ہی نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے باغ فدک نہ دے کر اور یہ حدیث سنا کر حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ کی حلق تلفی کی تھی۔ نعوذ باللہ

میں کہتا ہوں کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ تو قیامت تک آفتاب سے زیادہ چمکتے رہیں گے" قرابته رسول الله ﷺ احب الیّ ان اصل من قرابتی" اللہ کے رسول کی قرابت میرے نزدیک میری قرابت سے بہت زیادہ عزیز ہے۔

اے صدیق اکبر! آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں، آپ نے تو ارشاد فرمایا کہ میری قرابتیں قربان ہوجائیں اللہ کے رسول کی قرابت پر، لیکن یہ کہتے ہیں کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہوگئیں، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ،

میں کہتا ہوں کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو آپس میں کوئی ناراضگی باقی نہ رہی لیکن آج لوگ ان پر ناراض ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ پتا چلا کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کچھ کبیدہ خاطر ہیں، اس لئے نہیں کہ میں نے ان کو حدیث رسول سنائی ہے بلکہ اس لئے کہ میرا اجتہاد ان کے اجتہاد سے بہتر ہے، تو آپ نے مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لیا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہو گئے، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ عرض کردیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی پاک وطیبہ وطاہرہ بیٹی کے مقدس دروازے پر ان کا بوڑھا غلام حاضر ہے اور جب تک رسول اللہ ﷺ کی پیاری بیٹی راضی نہیں ہوں گی ابوبکر دروازے سے واپس نہیں جائے گا، حدیث پاک میں آتا ہے:

" فترضاها حتی رضیت وهو " یعنی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو

Marfat.com

راضی کیا یہاں تک کہ وہ راضی ہوگئیں۔[1]

یہ تو سب راضی ہو گئے لیکن بعض لوگ آج تک ان پر ناراض ہیں اور سچ پوچھئے تو وہ ناراض تھیں بھی نہیں، وہ تو صرف اجتہاد کے اختلاف کی بنا پر بتقاضائے بشریت کچھ کبیدہ خاطر تھیں، کیونکہ سیدہ فاطمۃ الزاہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے کچھ مختلف تھا اور اس قسم کے اجتہادی اختلاف کی بنا پر انبیاء کرام میں بھی اس قسم کی کبیدہ خاطری وقتی طور پر پیدا ہو جاتی تھی، اور اگر یہ وہاں کسی سزا کا مستوجب نہیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملے میں کیونکر سزا اور طعن کا باعث ہو سکتی ہے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم کو حضرت ہارون علیہ السلام کے حوالے کر کے کوہ طور پر تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو دیکھا کہ قوم بچھڑے کی پوجا میں مبتلا تھی، انہوں نے یہ حال دیکھا تو جلال میں آ گئے، ابھی ہارون علیہ السلام کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی داڑھی پکڑی اور ان کے سر کے بال نوچ لئے، حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا! حضور میری داڑھی نہ پکڑیئے، میرے سر کے بال نہ نوچئے، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلال رفع ہوا۔ (سورۃ طٰہٰ، پ ۱۶)

اَب بتائیے کہ حضرت ہارون علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں یا نہیں؟ تو اس وقتی ناراضگی کی بنا پر کس پر فتویٰ لگائیں گے، حضرت ہارون علیہ السلام پر یا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر؟ بات اتنی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محض اجتہادی طور پر یہ سمجھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی غلطی ہے، حالانکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی واقعی کوئی غلطی نہ تھی، چنانچہ جب معاملہ صاف ہوا تو دونوں میں کوئی ناراضگی نہ رہی۔[2]

---

[1] حاشیہ صحیح بخاری، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، ج ۱، ص ۴۳۵۔ فتح الباری شرح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فرض الخمس، حدیث ۳۰۹۴

[2] خانیوال شہر میں کی گئی تقریر کا خلاصہ

Marfat.com

حدیث نمبر (۲۷)

حدیث قرطاس

''عن عبيد الله بن عبد الله عن ابن عباس قال : لما اشتد بالنبي ﷺ وجعه قال : ائتوني بكتاب اكتب لكم كتاباً لا تضلوا بعده ، قال عمر : ان النبي ﷺ غلبه الوجع ، وعندنا كتاب الله حسبنا ، فاختلفوا ، وكثر اللغط ، قال : قوموا عني ، لا ينبغي تنازع ، فخرج ابن عباس يقول : ان الرزية ، كل الرزية ما حال بين رسول الله وبين كتابه'' [1]

عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جب نبی کریم ﷺ کی علالت بڑھ گئی تو فرمایا! میرے پاس لکھنے کی چیز لاؤ تاکہ میں تحریر لکھ دوں جو تم میرے بعد گمراہ نہ ہو سکو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نبی کریم ﷺ پر مرض کا غلبہ ہے اور اللہ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے جو کافی ہے، اس پر اختلاف کیا گیا اور بڑا شور و غل ہوا، فرمایا کہ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ اور میرے پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے، حضرت ابن عباس یہ کہتے ہوئے باہر نکلے، ہائے مصیبت، ایسی مصیبت جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی تحریر کے درمیان حائل ہوگئی۔

حضرت غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک تقریر کے دوران ایک معترض نے سوال کیا کہ آپ نے نماز ظہر کے بعد کی نشست میں خطاب کرتے ہوئے ''وما ينطق عن الهوى'' آیہ کریمہ پڑھی تھی اور اس کی روشنی میں یہ کہا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر قول وحی الٰہی ہے، اگر یہ بات اسی طرح درست ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث ۱۱۴

Marfat.com

والسلام کے ہر امر کی تعمیل لازم قرار پائے گی، جب کہ حدیث قرطاس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل نہیں کی گئی بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حسبنا کتاب اللہ، آپ مہربانی فرما کر اس آیت کریمہ کی روشنی میں اس حدیث کی وضاحت فرمائیں۔

حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ مجھے کاغذ دو، میں تمہیں ایک ایسی چیز لکھ دوں جو تمہیں گمراہی سے بچائے گی، یہ فرمان کسی خاص شخص سے نہیں تھا، بلکہ اس وقت جو لوگ بھی، جتنے صحابی اور اہل بیت میں سے جتنے مقدس نفوس وہاں موجود تھے، ان سب سے خطاب تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت بتقاضائے بشریت بیماری کا غلبہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے عرض کی وعندنا کتاب اللہ حسبنا اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب (قرآن مجید) موجود ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے، یہ گذارش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی نہ تھی، بلکہ کسی شخص کو مخاطب کئے بغیر یہ فرمان دراصل مخاطبین کا امتحان تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ چشم عالم سے روپوش ہونے والے تھے، اور سفر آخرت پر روانہ ہونے کو تھے، اس لئے یہ امتحان ضروری تھا کہ وہ حضرات صحابہ کرام جو ہر مشکل کے حل کے لئے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع کیا کرتے تھے، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد اپنے مسائل کے حل اور مشکلات کی آسانی کے لئے الہامی تعلیمات اور فرامین نبوی کی روشنی میں اُمت مسلمہ کی راہنمائی کر سکیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت سے ان میں یہ استعداد اور صلاحیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں کہ وہ قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام پیش آنے والے مسائل حل کر سکیں، اس وقت آپ کے پاس موجود افراد میں وہ لوگ بھی موجود تھے جو آپ کی نیابت کرنے والے اور مسند خلافت پر جلوہ فگن ہونے والے تھے، آپ کی صحبت اور انوار نبوت نے ان کے سینوں کو چمکا دیا تھا، اور انہی انوار کی روشنی میں انہوں نے غلبہ دین کے لئے آئندہ کوشاں رہنا تھا، اگر

Marfat.com

آپ کی نیابت کرنے والے اس اہل نہ ہوتے کہ آئندہ پیش آنے والے جملہ معاملات وسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرسکیں تو اس کا مطلب تو معاذ اللہ یہ ہوگا کہ آپ دین کو ختم کرنے جارہے تھے، چنانچہ اس کی وضاحت کے لئے آپ نے خدا کے فرمان کے مطابق کہا کہ کاغذ لاؤ میں تمہیں ایسا نوشتہ دوں جو تمہیں گمراہی سے بچائے گا، تاکہ آپ کے اس فرمان کے جواب میں آپ صحابیوں میں سے کوئی بول اُٹھے گا اور عرض کرے گا کہ سرکار آپ ہم سے اس عالم میں رخصت نہیں ہو رہے کہ جب ہمیں اپنی آئندہ زندگی اور بنی نوع آدم کی فلاح کے لئے کسی مزید حکم کی ضرورت ہو، بلکہ آپ نے ہم میں وہ نور بصیرت پیدا فرمادیا ہے اور ہمیں اپنے حسن تربیت سے وہ مقام عطا فرمادیا ہے کہ اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے، مقصد وحی اور منشائے نبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حسبنا کتاب اللہ کہنے سے پورا ہوگیا، وگرنہ حضرت عمر کی اس گزارش کے بعد سرکار مزید اصرار فرماتے اور ان کو جھڑک دیتے کہ میں تم سے کاغذ مانگ رہا ہوں اور تم میرے حکم کی بجائے اپنی لیاقت وقابلیت بتارہے ہو، میں نبی ہوں مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے، جو کچھ میں تمہیں بتانے والا ہوں وہ تم از خود کیسے جان سکتے ہو، اور پھر اس مقام پر سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عثمان غنی اور مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کا حضرت عمر کی بات کے جواب میں سکوت اختیار کرنا اور تکرار نہ کرنا اس بات کو مزید تقویت پہنچاتا ہے کہ یہ عالی مرتبت ہستیاں بھی منشائے رسالت کو پاچکی تھیں اور گویا حضرت عمر نے ان سب کی ترجمانی کی تھی، کیونکہ سرکار کا فرمان ہے: "ان الحق ینطق علی لسان عمر"، اگرچہ چند صحابہ نے حضرت عمر سے اختلاف ضرور کیا لیکن وہ عظمت وشان کے حامل ہونے کے باوجود اس مقام پر نہ پہنچے تھے جو ان اکابر صحابہ کرام کا مقام تھا، اس لئے ان کا اختلاف دراصل مشورے پر مبنی سمجھا جائے گا، اور اکابر صحابہ کا سکوت حضرت عمر کے قول کی تصدیق متصور ہوگا، نہ تو ان اکابر صحابہ نے حضرت عمر کے اس قول پر احتجاج کیا اور نہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سرزنش فرمائی، اس لئے بعض صحابہ کے اختلاف کا وہ مفہوم نہیں ہوگا جو

Marfat.com

معترض نے سمجھا ہے۔

معترض خواہ حضور ﷺ کے ہر فرمان کو وحی سمجھے یا نہ سمجھے، اس بات کا قائل تو ضرور ہوگا کہ حضور ﷺ جب دینی امور کی تشریح وتعبیر سے آگاہ فرماتے تھے اور دین سے متعلق احکامات کی تبلیغ فرماتے تھے تو وہ فرمودات تو یقیناً وحی الٰہی کے تابع ہوتے تھے، اب یہ سوچئے کہ یہ معاملہ دین سے متعلق تھا یا نہیں؟ ضلالت وگمراہی سے بچنا اور صراط مستقیم کو اختیار کرنا تو دین کا مقصود ومدعا ہے، اس لئے یہ فرمان یقیناً وحی الٰہی ہوگا کہ من حیث الرسول ارشاد ہے، اب اگر یہ تشریح جو میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے، نہ تسلیم کی جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ ایک ایسی تحریر جو دین سے متعلق تھی اور بحکم خداوندی سرکار ﷺ وہ تحریر عطا فرمانے والے تھے، حضرت عمر کے کہنے پر سرکار ﷺ نے عطا نہ فرمائی، تو اس کا مفہوم تو یہ ہوگا کہ معاذ اللہ حضور ﷺ خود بھی امر الٰہی کی تکمیل سے پہلوتہی کے مرتکب ہوئے، اور ایسا ممکن نہیں ہے، وہ اس لئے کہ قرآن نے کہا "یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته"۔ (اے رسول پہنچا دیجئے جو اتارا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے، اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو اپنے رب کا پیغام آپ نے نہ پہنچایا) گویا ماننا پڑے گا کہ دین کے مسائل، گمراہی سے بچنے اور صراط مستقیم اختیار کرنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ آپ ﷺ نے اپنی اُمت تک یقیناً پہنچائی، اور اس حدیث مبارکہ میں حضرت عمر کے عرض گزار ہونے کے بعد آپ نے کوئی شئے تحریر نہ فرمائی اس لئے ماننا پڑے گا کہ حضرت عمر کے قول سے آپ کے فرمان کا مقصد پورا ہوگیا تھا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ وہ وقت ایسا تھا جب تعلیم عام نہ تھی، ہر شخص پڑھنا لکھنا نہ جانتا تھا، اور کاغذ قلم بھی عام نہ تھے اور ہر شخص کے پاس نہ ہوتے تھے، اور یہ بات بھی تمام اہل علم جانتے ہیں کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی سے متصل تھا، اور

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتبین وحی میں سے تھے، اس لئے جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاغذ مانگا تو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے گھر سے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے سے بہت قریب تھا، فوراً کاغذ قلم لاکر سرکار کی خدمت میں پیش کر دیتے، ان کا ایسا نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سے متفق تھے۔

اس ضمن میں نہایت قابل ذکر بات یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز جس کے باعث اُمت مسلمہ گمراہی سے بچتی اور ہمیشہ صراط مستقیم پر رہتی اور جو ہماری ہدایت کے لئے بے حد ضروری تھی، اگر ہم تک نہیں پہنچی تو یقیناً دین نامکمل رہ گیا ہے، کیونکہ وہ بات تو ہمیں معلوم ہی نہیں جو سرکار تحریر فرمانا چاہتے تھے اور وہ گمراہی سے بچنے میں ہماری راہنما ثابت ہوتی، لیکن قرآن مجید اعلان کر رہا ہے کہ "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" دین تو مکمل ہوگیا ہے، اور اس کی وضاحت عمر فاروق کر رہے ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے دین کی تکمیل کر دی ہے اور آپ کی زبان اقدس سے ہمیں یہ بشارت سنائی جا چکی ہے اور آپ نے ہماری تربیت فرمائی ہے، اس لئے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے فرمان کے مقصد کی تکمیل کرتے ہوئے میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کی نظر اور صحبت کی برکت سے آپ کے غلام اس قابل ہو چکے ہیں کہ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں صراط مستقیم تلاش کر سکیں اور گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔[1]

[1] ماہنامہ "السعید" ملتان، شمارہ اپریل ۱۹۹۵ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۲۸)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کب ملی؟

"عن ابي هريرة قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم متي وجبت لك النبوة؟ قال بين الخلق آدم ونفخ الروح فيه"۔ [۱]

"عن ابي هريرة قال قالوا يارسول الله متي وجبت لك النبوة قال وآدم بين الروح والجسد"۔ [۲]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو نبوت کب ملی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی ان کے جسم میں جان نہیں ڈالی گئی تھی۔

حضور علیہ السلام کا بتقاضائے بشریت زمین پر چلنا یقیناً حق ہے لیکن بتقاضائے نورانیت آسمانوں پر تشریف فرما ہونا بلکہ عرش الٰہی پر خرام ناز فرمانا بھی ثابت ہے۔ بے شک مناسبات بشریہ کی وجہ سے حضور علیہ السلام توالدو تناسل کی صفت سے متصف ہیں اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں یقیناً شامل ہیں، لیکن بتقاضائے نورانیت اول خلق بھی حضور ہی ہیں، اور آدم علیہ السلام و دیگر تمام انبیاء علیہم السلام سے قبل حضور علیہ السلام کی خلقت واقع ہوئی جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا، "انا اولهم خلقاً"۔ یعنی میں تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے پیدا ہوا ہوں، ترمذی شریف کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ میں اس وقت نبی تھا، جب آدم علیہ لسلام جسم اور روح کے درمیان تھے، گویا بشریت کے اعتبار سے حضور علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ اور اپنی والدہ ماجدہ حضرت

---

[۱] دلائل النبوۃ امام ابی نعیم اصبہانی فصل اول، حدیث ۸

[۲] ترمذی، باب فضل النبی، حدیث ۳۶۰۹

Marfat.com

آمنہ کے بیٹے ہیں، لیکن اپنی نورانیت کے لحاظ سے آدم و اولاد آدم سب کی اصل ہیں لاریب!
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کے موقع پر بار ہا زخمی ہوئے اور بتقاضائے بشریت بدن مبارک سے خون اقدس کے قطرے بھی ٹپکے، لیکن کئی بار شق صدر مبارک ہوا اور بتقاضائے نورانیت خون کا ایک قطرہ بھی جسم شریف سے نہیں نکلا نہ زخم ہوا نہ تکلیف ہوئی نہ دوا دارو کی حاجت واقع ہوئی۔

علیٰ ہذا القیاس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ شریفہ میں شب کی نماز پڑھتے تھے، حجرہ مبارکہ میں چراغ نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرا ہوتا تھا، حضور علیہ السلام جب سجدہ فرماتے تو حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جسم اقدس کو اپنے دست مبارک سے ذرا دبا دیتے تو اُم المومنین حضور کے سجدہ کے لئے جگہ چھوڑ دیتیں، ذات مقدسہ میں باوجود نورانیت ہونے کے اُجالا نہ ہونا بشریت کا مقتضا تھا لیکن حضور سید عالم شب کی تاریکی میں جب راستہ پر چلتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے دیواریں روشن ہو جاتیں دیکھئے بیہقی شریف کی حدیث میں ہے:

”وقال ابو هريرة رضي الله تعالىٰ عنه واذا ضحك صلي الله عليه وسلم يتلالو في الجدر رواه البزار والبيهقي اي يضئ في الجدر بضم الجيم والدال جمع جدار وهو الحائط اي يشرق نوره عليها اشراقا كاشراق الشمس عليها انتهي“[۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہنستے تھے تو حضور کا نور دیواروں پر چمکتا تھا اس حدیث کو امام بزار اور بیہقی نے روایت کیا، امام قسطلانی حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور دیواروں پر ایسا چمکتا اور روشن ہوتا تھا جیسے سورج کی روشنی دیواروں پر پڑتی ہے اور چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

---

۱ مواہب اللدنیہ، جلد اوّل، ص ۲۷۱

Marfat.com

رات کی تاریکی میں حضور علیہ السلام کے نور سے دیواروں کا روشن ہونا نورانیت کا مقتضا تھا، رہا یہ امر کہ اُم المومنین کے حجرہ میں اُجالا ظاہر نہ ہونے میں کیا حکمت تھی؟ تو میں عرض کروں گا کہ حضور علیہ السلام کے تمام مقتضیات بے شمار حکمتوں پر مبنی ہیں بالخصوص مقتضیات بشریہ میں جو چیز سب سے زیادہ واضح اور روشن ہے، وہ تبلیغ و تعلیم اور تکمیل دین کی حکمت ہے، اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ شریفہ میں اگر اُجالا ظاہر ہوتا تو وہ حضور ﷺ کے سجدہ کے لئے خود بخود جگہ چھوڑ دیتیں اور حضور ﷺ کو بحالت نماز ان کے بدن کو چھونے کی نوبت نہ آتی، جب حجرہ شریفہ میں اُجالا نہ ہوا تو حضور علیہ السلام کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بدن کو مس فرمانے کا موقع بہم پہنچا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل مبارک سے بادی النظر میں دین کے پانچ مسئلے مکمل ہو گئے اور اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو نہ معلوم اور کتنے مسائل نکلیں گے، وہ مسائل خمسہ حسب ذیل ہیں :

(۱) نماز میں عمل قلیل جائز ہے۔

(۲) عورت کے بدن کو ہاتھ لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۳) عورت کو چھونا مفسد صلوٰۃ نہیں۔

(۴) وقت ضرورت اندھیرے میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

(۵) نمازی کے آگے عورت کے ہونے سے نماز میں فتور نہیں آتا۔

شاید کوئی کہے کہ آپ نے جو امور مقتضیات بشریت کے خلاف بیان کئے ہیں وہ سب حضور ﷺ کے معجزات ہیں، تو میں عرض کروں گا کہ بے شک وہ جملہ امور بشریت کے اعتبار سے معجزات ہیں، لیکن جس طرح یہ امور معجزہ ہیں اسی طرح تمام مقتضیات بشریت حضور علیہ السلام کے حق میں معجزہ قرار پائیں گے، کیونکہ ہر وصف خارق عادت نبی کے حق میں معجزہ کی شان رکھتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ اوصاف بشریہ حضور ﷺ کی نورانیت کے لئے یقیناً خارق عادت ہیں، لہٰذا اچھی طرح واضح ہو گیا کہ جس طرح حضور ﷺ کا عرش پر جانا

Marfat.com

بشریت کے اعتبار سے معجزہ ہے اسی طرح فرش پر رہنا نورانیت کے لحاظ سے معجزہ ہے، حضور علیہ السلام کا صوم وصال کے وقت مسلسل کئی دن اور کئی راتوں تک کھانے پینے سے لاتعلق رہنا بشریت کی نسبت سے معجزہ ہے اور حکمت تعلیم کے لئے کھانا پینا نورانیت کے اعتبار سے معجزہ ہے، شق صدر مبارک کے اوقات میں حضور ﷺ کے جسم اقدس سے خون مبارک کا نہ نکلنا بشریت کے حق میں معجزہ ہے اور جہاد کے مواقع میں خون اقدس کا نکلنا نورانیت کے لئے معجزہ ہے، پسینہ مبارک و دیگر فضلات شریفہ کا خوشبو دار و معطر ہونا اور جسم اقدس کے جمیع متعلقات شریفہ کا طیب وطاہر ہونا حضور علیہ السلام کی بشریت کا معجزہ ہے اور نفس فضلات شریفہ کا پایا جانا نورانیت کا معجزہ ہے، لعاب دہن مبارک سے لوگوں کی بھوک پیاس کا زائل ہو جانا اور جُبہ مبارکہ سے بیماروں کا شفایاب ہونا بشریت کی جہت سے معجزہ ہے اور حضور ﷺ پر خود بھوک پیاس اور بیماری کا عارض ہونا نورانیت کی نسبت سے معجزہ ہے، یہ علیحدہ امر ہے کہ اس عالم میں بشریت مطہرہ کے غلبہ اور ظہور تام کے باعث ان مقتضیات بشریہ کا بلحاظ نورانیت معجزہ ہونا غیر ظاہر ہو، لیکن حقیقت واقعیہ کے پیش نظر حضور ﷺ کے تمام اوصاف بشریہ معجزانہ شان رکھتے ہیں، علیٰ ہذا آدم واولاد آدم علیہ السلام کی اصل ہونا بشریت کے لئے خرق عادت ہونے کی وجہ سے حسن وجمال ہے اور نسل بنی آدم میں پیدا ہو کر والدین ماجدین کا بیٹا ہونا نورانیت کے باعث خوبی وکمال ہے، مختصر یہ کہ حضور سید عالم ﷺ کے خواص نورانیت بالنسبتہ الی البشریت معجزات وکمالات ہیں اور اوصاف بشریت بالنسبتہ الی النورانیت کمالات ومعجزات ہیں اور ذات محمدیہ ﷺ میں جب بشریت اور نورانیت دونوں جمع ہو گئیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجسم معجزہ اور کمال ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

فرشتہ نور ہے اور قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ سے فرشتہ ہونے کی نفی وارد ہے چنانچہ ارشاد فرمایا "ولا اقول لکم انی ملك" یعنی کہہ دو کہ میں تم سے نہیں

Marfat.com

کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، جب حضور علیہ السلام سے ملک ہونے کی نفی ہوگئی تو نورانیت کی بھی نفی ہوگئی، اس کا ازالہ یہ ہے کہ ملک اور نور کے مابین تساوی کی نسبت نہیں کہ ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی ہو جائے، دوسرے یہ کہ حقیقت قول کی نفی وجودِ مقول کی نفی کو مستلزم نہیں، تیسرے یہ کہ ملک ایک خاص نوری مخلوق کو کہا جاتا ہے جس میں بشریت نہیں ہوتی، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملک کہا جائے تو حضور علیہ السلام کی ذات مقدسہ سے حقیقت بشری منتفی ہو جائے گی، حالانکہ حضور علیہ السلام تمام حقائق کائنات کے جامع ہیں، اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملک کہنا جائز نہیں لیکن ملک نہ ہونے سے نور نہ ہونا لازم نہیں آتا، فرشتوں کے علاوہ بے شمار نوری افراد ہیں جو ملک نہیں مگر نور ہیں اسی طرح حضور علیہ السلام بھی ملک نہیں مگر نور ہیں [1]

[1] ماہنامہ "السعید"، ملتان، شمارہ دسمبر ۱۹۶۰ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۲۹)

حدیث نور

''وروي عبدالرزاق بسنده عن جابر بن عبدالله انصاري قال: قلت يارسول الله، بابي انت واُمي، اخبرني عن اوّل شئي خلقه الله تعاليٰ قبل الاشياء، قال: يا جابر، ان الله تعاليٰ خلق قبل الاشياء نور نبيك من نوره، فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء الله تعاليٰ، ولم يكن في ذلك الوقت لوح ولا قلم، ولا جنة ولا نار، ولا ملك ولا سماء، ولا ارض ولا شمس ولا قمر، ولا جني ولا أنسي، فلما اراد الله تعاليٰ أن يخلق الخلق قسم ذلك النور أربعة اجزاء، فخلق من الجزء الاوّل القلم، ومن الثاني اللوح، ومن ثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع أربعة اجزاء، فخلق من الجزء الاول حملة العرش، ومن الثاني الكرسي، ومن الثالث باقي الملائكة، ثم قسم الجزء الرابع أربعة اجزاء، فخلق من الاول السماوات، ومن الثاني الارضين ومن الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع اربعة اجزاء، فخلق من الاول نور ابصار المؤمنين، ومن الثاني نور قلوبهم، وهي المعرفة بالله، ومن الثالث نور أنسهم، وهو التوحيد لا اله الا الله محمد رسول الله''۔[1]

---

[1] مواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، احمد بن محمد قسطلانی طبع قدیم مصر ص ۱۲
سیرت حلبیہ، ج ۱ ص ۵۰) (زرقانی شرح مواہب، ج ۱ ص ۴۶

Marfat.com

حضرت امام عبدالرزاق صاحب مصنف عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ مجھے خبر دیں کہ وہ پہلی چیز کون سی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا! اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، پھر یہ نور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق جہاں اس نے چاہا سیر کرتا رہا، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا، نہ جنت تھی، نہ دوزخ تھی، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان نہ زمین نہ سورج نہ چاند نہ جن نہ انسان، جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا، پہلے حصے سے قلم بنایا، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش پھر چوتھے کو چار حصوں میں تقسیم کیا، تو پہلے حصے سے عرش اُٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے، پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا، پہلے سے آسمان بنائے، دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت اور دوزخ، پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا ،تو پہلے مومنین کی آنکھوں کا نور بنایا اور دوسرے سے ان کے دلوں کا نور پیدا کیا، جو معرفت الٰہی ہے، اور تیسرے سے ان کا نور انس پیدا کیا اور وہ توحید ہے، جس کا خلاصہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

یہ حدیث مصنف عبدالرزاق سے جلیل القدر محدثین جیسے امام قسطلانی شارح بخاری و امام زرقانی اور امام ابن حجر مکی اور علامہ دیار بکری نے اپنی تصانیف جلیلہ افضل القریٰ، مواہب اللدنیہ، مطالع المسرات، تاریخ الخمیس اور زرقانی علی المواہب میں نقل فرما کر اس پر اعتماد اور اس سے مسائل کا استنباط کیا۔

امام عبدالرزاق صاحب مصنف جو اس حدیث کے مخرج ہیں، امام احمد بن حنبل جیسے اکابر ائمہ دین کے استاذ ہیں، تہذیب التہذیب ان کے متعلق لکھا ہے :

Marfat.com

" وقال احمد بن صالح المصري قلت لاحمد بن حنبل رايت احدا احسن حديثا من عبدالرزاق قال لا "۔[1]

ترجمہ: احمد بن صالح مصری کہتے ہیں، میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، کیا آپ نے حدیث میں کوئی شخص عبدالرزاق سے بہتر دیکھا؟ انہوں نے فرمایا "نہیں"۔

امام عبدالغنی نابلسی فلسطینی رضی اللہ عنہ "حدیقہ ندیہ" میں اس حدیث کی تصحیح فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں "قد خلق کل شئی من نورہ ﷺ کما ورد بہ الحدیث الصحیح"۔ اسی حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دلائل النبوۃ میں تقریباً اسی طرح روایت فرمایا ہے۔

مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" قد قال الاشعري انه تعالىٰ نور ليس كالانوار والروح النبوية القدسية لمعة من نوره والملائكة شرر تلك الانوار وقال ﷺ اوّل ما خلق الله نوري ومن نوري خلق كل شئي وغيره مما في معناه "۔[2]

یعنی عقائد میں اہل سنت کے امام سید ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا نور ہے کہ کسی نور کی مثل نہیں اور حضور ﷺ کی روح مقدسہ اسی نور کی چمک ہے، اور فرشتے انہی انوار سے جھڑے ہوئے پھول ہیں، اور رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا، اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔

اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں اس مضمون میں وارد ہیں۔

---

[1] تہذیب التہذیب طبع حیدرآباد، دکن، ج ۶ ص ۳۱۱

[2] مطالع المسرات، طبع مصر ۱۲۹۸ھ ص ۲۲۵

Marfat.com

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ میں فرمایا !

"درحدیث صحیح وارد شدکہ اوّل ماخلق اللہ نوری"[۱]

پھر حدیث جابر کا مضمون بیان فرمایا، کثیر التعداد، جلیل القدر ائمہ کا اس حدیث کو قبول کرنا اور تصحیح فرمانا، اس پر اعتماد کر کے اس سے مسائل استنباط کرنا، اس کے صحیح ہونے کی روشن دلیل ہے، خصوصاً سیدنا عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کا "حدیقہ ندیہ" کے مبحث کے نوع ستین من آفات اللسان فی مسئلہ ذم الطعام (طبع فیصل آباد ص ۳۷۵) میں اس حدیث کے متعلق الحدیث الصحیح فرمانا صحت حدیث کو زیادہ واضح کر دیتا ہے، ان مختصر جملوں سے ان حضرات کو مطمئن کرنا مقصود ہے جو اس حدیث کی صحت میں متردد رہتے ہیں۔

اس حدیث میں نورہ کی اضافت بیانیہ ہے، اور نور سے مراد ذات ہے (زرقانی، جلد اول، ص ۴۶ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۹۰) حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور پاک یعنی ذات مقدسہ کو اپنے نور یعنی اپنی ذات مقدسہ سے پیدا فرمایا، اس کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کی ذات کا مادہ ہے، نعوذ باللہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور، اللہ تعالیٰ کے نور کا کوئی حصہ یا ٹکڑا ہے، تعالی اللہ من ذلک علوا کبیرا، اگر کسی ناواقف شخص کا یہ اعتقاد ہے، تو اسے توبہ کرنا فرض ہے، اس لئے کہ ایسا ناپاک عقیدہ خالص کفر وشرک ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے، بلکہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی ذاتی تجلی فرمائی جو حسن الوہیت کا ظہور اول تھی، بغیر اس کے ذات خداوندی نور محمدی کا مادہ یا حصہ اور جز قرار پائے، یہ کیفیت متشابہات میں سے ہے، جس کا سمجھنا ہمارے لئے ایسے ہی ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث کے دیگر متشابہات کا سمجھنا، البتہ

---

[۱] مدارج النبوۃ طبع نول کشور ج ۲، ص ۲

Marfat.com

نکتے اور لطیفے کے طور پر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح شیشہ آفتاب کے نور سے روشن ہو جاتا ہے، لیکن آفتاب کی ذات یا اس کی نورانیت اور روشنی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اور ہمارا یہ کہنا بھی صحیح ہوتا ہے کہ شیشے کا نور آفتاب کے نور سے ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ کا نور اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا، اور آئینۂ محمدی نورِ ذاتِ احدی سے اس طرح منور ہوا کہ نور محمدی کو نورِ خداوندی سے قرار دینا صحیح ہوا، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک یا اس کی کسی صفت میں کوئی نقصان اور کمی واقع نہیں ہوئی، شیشہ سورج سے روشن ہوا، اور اس ایک شیشے سے تمام شیشے روشن ہو گئے، نہ پہلے شیشے نے آفتاب کے نور کو کم کیا اور نہ دوسرے شیشوں نے پہلے شیشے کے نور سے کچھ کمی کی، حقیقت یہ ہے کہ فیضانِ وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے حضور کو پہنچا اور حضور ﷺ کی ذات سے تمام ممکنات کو وجود کا فیض حاصل ہوا۔

اس کے بعد اس شبہ کو بھی دُور کرتے جائیے، کہ جب ساری مخلوق حضور ﷺ کے نور سے موجود ہوئی، تو ناپاک، خبیث اور قبیح اشیاء کی برائی اور قباحت معاذ اللہ حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو گی، جو حضور ﷺ کی شدید توہین ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ آفتاب وجود ہیں، اور کل مخلوقات حضور علیہ السلام کے آفتابِ وجود سے فیضانِ وجود حاصل کر رہی ہے۔ جس طرح اس ظاہری آفتاب کی شعائیں تمام کرۂ ارضی میں جمادات ونباتات اور کل معدنیات، جملہ موالید اور جواہر اجسام کی حقائق لطیفہ اور خواص واوصاف مختلفہ کا اضافہ کر رہی ہے، اور کسی کی اچھی بری خاصیت کا اثر شعاعوں پر نہیں پڑتا، نہ کسی چیز کے اوصاف واثرات سورج کے لئے قباحت اور نقصان کا موجب ہو سکتے ہیں۔

دیکھئے زہریلی چیزوں کا زہر اور مہلک اشیاء کی یہ تاثیرات معدنیات ونباتات وغیرہ کے الوان طعوم وروائح، کھٹا، میٹھا مزا، اچھی بری بو، سب کچھ سورج کی شعاعوں سے برآمد

Marfat.com

ہوتی ہے، لیکن ان میں سے کسی چیز کی کوئی صفت سورج کے لئے عار کا موجب نہیں، کیونکہ یہ تمام حقائق آفتاب اور اس کی شعاعوں میں انتہائی لطافت کے ساتھ پائے جاتے ہیں، اور اس لطافت کے مرتبے میں کوئی اثر برا نہیں کہا جا سکتا، البتہ جب وہ لطیف اثرات اور حقائق سورج اور اس کی شعاعوں سے نکل کر اس عالم اجسام میں پہنچتے اور رفتہ رفتہ ظہور پذیر ہوتے ہیں تو ان میں بعض ایسے اوصاف وخواص پائے جاتے ہیں، جن کی بنا پر انہیں قبیح ناپاک اور برا کہا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ان برائیوں کا کوئی اثر سورج یا اس کی شعاعوں پر نہیں پڑ سکتا، اسی طرح عالم اجسام میں کثیف اور نجس چیزوں کا کوئی اثر حضور علیہ السلام کی ذات پاک پر نہیں پڑ سکتا۔

اس کے بعد یہ بات بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ سورج کی شعاعیں ناپاک گندی چیزوں پر پڑنے سے ناپاک نہیں ہو سکتیں، تو انوار محمدی کی شعاعیں عالم موجودات کی برائیوں اور نجاستوں سے معاذ اللہ کیوں کر متاثر ہو سکتی ہیں، نیز یہ کہ حضور علیہ السلام کے نور میں حقائق اشیاء پائی جاتی ہیں اور حقیقت کسی چیز کی نجس اور ناپاک نہیں ہوتی، نجاستیں مٹی میں دب کر مٹی ہو جانے کے بعد پاک ہو جاتی ہیں، نجاستوں کا جو کھاد کھیتوں میں ڈالا جاتا ہے، اسی کے نجس اجزاء پودوں کی غذا بن کر اناج، پھول اور پھل سبزیوں اور ترکاریوں کی صورت میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں، اور وہی اجزائے غلیظہ غلہ اور پھل بن کر ہماری غذا بن جاتے ہیں، جنہیں پاک سمجھ کر ہم کھاتے پیتے اور کسی قسم کا تردد دل میں نہیں لاتے، ثابت ہوا کہ ناپاکی کے اثرات صور وتعینات پر آتے ہیں، جو محض امور اعتباریہ ہیں، حقیقتیں ناپاک نہیں ہوا کرتیں اس لئے کل مخلوقات کا نور محمدی سے موجود ہونا کسی اعتراض کا موجب نہیں۔

Marfat.com

تقسیم نور

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو بار بار تقسیم نور کا ذکر آیا ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ نور محمدی تقسیم ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جب نورِ محمدی کو پیدا فرمایا تو اس میں شعاع در شعاع بڑھا تا گیا اور وہی مزید شعاعیں تقسیم ہوتی رہیں، اس مضمون کی طرف علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اشارہ فرمایا، دیکھئے زرقانی علی المواہب، جلد اول ص ۴۶، رہا یہ شبہ کہ نور محمدی سے روح محمدی مراد ہے، لہٰذا حضور علیہ السلام کا نور ہونا ثابت نہ ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں نور نبیك من نورہ وارد ہے، جس طرح نورہ میں اضافت بیانیہ ہے اور لفظِ نور سے اللہ تعالیٰ مراد ہے، اسی طرح نور نبیک میں اضافت بیانیہ ہے اور لفظ نور سے ذات پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے، لہٰذا ذات محمدی کو لفظِ نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اس مقام پر یہ کہنا کہ صرف روح پاک نور ہے جسم اقدس نور نہیں بے خبری پر مبنی ہے، جسم اقدس کی لطافت اور نورانیت پر ان شاء اللہ ہم آئندہ گفتگو کریں گے، سردست اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ حدیث جابر میں تمام اشیاء سے پہلے جس نور محمدی کی خلقت کا بیان ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک کا نور ہے اور وہ اس لطیف حقیقت کو بھی شامل ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی اور پاکیزہ اجزائے جسمیہ کا جوہر لطیف کہا جا سکتا ہے، اس لئے کہ وہ نورِ پاک حضرت آدم علیہ السلام کی پشتِ مبارک میں بطور امانت رکھا گیا، علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

"(وفي الخبر لما خلق الله تعالي آدم جعل) اودع (ذلك النور) نور المصطفي (في ظهره فكان) لشدة (يلمع في جبينه فيغلب علي سائر) باقي (نوره)" الخ۔[1]

ترجمہ: حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پشت مبارک رکھ دیا، وہ نور پاک ایسا شدید چمک والا تھا کہ باوجود پشت

---

[1] زرقانی علی المواہب، جلد اول ص ۴۹۔ مواہب لدنیہ، جلد اول ص ۱۰

Marfat.com

آدم مین ہونے کے پیشانی آدم میں چمکتا تھا، اور آدم علیہ السلام کے باقی انوار پر وہ غالب ہو جاتا تھا۔

یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ پشت آدم علیہ السلام میں ان کی تمام اولاد کے وہ لطیف اجزائے جسمیہ تھے جو انسانی پیدائش کے بعد اس کی ریڑھ کی ہڈی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، اور وہی اس کے اجزائے اصلیہ کہلائے جاتے ہیں، نہ صرف آدم علیہ السلام بلکہ ہر باپ کے صلب میں اس کی اولاد کے ایسے ہی لطیف اجزائے بدنیہ موجود ہوتے ہیں جو اس سے منتقل ہو کر اس کی نسل کہلاتی ہے، اولاد کے ان ہی اجزائے جسمیہ کا آباء کے اصلاب میں پایا جانا باپ بیٹے کے درمیان ولدیت اور ابنیت کے رشتہ کا سنگ بنیاد اور سببِ اصلی ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد کے اجزائے اصلیہ رکھ دیئے، یہ اجزاء روح کے اجزاء نہیں، نہ روح کا کل ہیں، کیونکہ ایک بدن میں ایک ہی روح سما سکتی ہے، ایک سے زیادہ ایک بدن میں روح کا پایا جانا بداھۃً باطل ہے، لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک نہیں رکھی تھی بلکہ جسم اقدس کے جوہر لطیف کی نورانی شعاعیں رکھی گئی تھیں، جو نورِ ذات محمدی کی شعاعیں تھیں۔

ارواح بنی آدم کا ان کے آباء کے اصلاب میں نہ رکھا جانا صحیحین کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ استقرار حمل سے چار مہینے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو چار باتیں لکھنے کے لئے بھیجتا ہے اور چار باتیں لکھ دیتا ہے، اس کا عمل، عمر، رزق اور دوزخی یا جنتی ہونا، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، (مشکوٰۃ ص ۲۰) معلوم ہوا کہ اولاد کی روحیں باپ کے صلب میں نہیں رکھی جاتیں بلکہ شکم مادر میں پھونکی جاتی ہیں۔

Marfat.com

ایک شبہ کا ضروری ازالہ

شاید کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے ان کی قیامت تک پیدا ہونے والی تمام اولاد کو باہر نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا، معلوم ہوا کہ تمام بنی آدم کی ارواح آدم علیہ السلام کی پشت میں تھیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پشت آدم علیہ السلام سے ان کی اولاد کی ارواح نہیں نکالی گئی تھیں، بلکہ وہ ان کے اشخاص مثالیہ تھے، جو مثالی صورتوں میں ان کی پشت مبارک سے بہ قدرت ایزدی ظاہر کئے گئے تھے، کیونکہ ہم ابھی حدیث صحیحین سے ثابت کر چکے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں نفخ روح کیا جاتا ہے، اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ نور محمدی اپنی عزت و کرامت کے مقام میں جلوہ گر رہا اور پشت آدم علیہ السلام میں اجزائے جسمانیہ کے جوہر لطیف کے انوار رکھے گئے تھے جو اصلاب طاہرہ اور ارحام طیبہ میں منتقل ہوتے رہے۔

تطبیق

بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ نور محمدی آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں رکھا گیا، اور بعض روایات میں وارد ہے کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیشانی آدم علیہ السلام میں جلوہ گر تھا، جیسا کہ تفسیر کبیر، جلد ۶، ص ۲۱۵ (زیر آیت تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض) میں ہے، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ جب نور مبارک پشت آدم ہی میں تھا لیکن اپنے کمال نورانیت اور شدت چمک کی وجہ سے پیشانی آدم علیہ السلام میں چمکتا تھا۔

الحمد للہ! ہمارے اس بیان سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا بدن مبارک بھی نور تھا۔

صاحب روح المعانی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اول خلق ہونے کے بارے میں ارقام فرماتے

Marfat.com

ہیں "ولذا کان نورہ ﷺ اوّل المخلوقات . ففی الخبر اول ما خلق اللہ تعالیٰ نور نبیک یا جابر".[۱]

ترجمہ: چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول قبض میں واسطہ عظمہ ہیں، اسی لئے حضور ﷺ کا نور اوّل مخلوقات ہے، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے "سب سے پہلی وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ تیرے نبی کا نور ہے اے جابر"۔

اس حدیث جابر مذکورہ کو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب نشر الطیب میں ص ۶ پر تفصیل سے لکھا ہے۔[۲]

---

[۱] تفسیر روح المعانی، پارہ ۱۷، ص ۱۰۵، مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت

[۲] ماہنامہ "السعید" ملتان، شمارہ اگست، ستمبر ۱۹۶۰ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۳۰)

ظل کا معنیٰ

عن عائشة قالت کان رسول الله صلي الله عليه وسلم في سفر ونحن معه فاعتل بعير لصفية وكان مع زينب فضل فقال لها رسول الله صلي الله عليه وسلم ان بعير صفية قد اعتل فلو اعطيتها بعيرا لك قالت انا اعطي هذه اليهودية فغضب رسول الله صلي الله عليه وسلم وهجرها بقية ذي الحجة ومحرم وصفر واياماً من شهر ربيع الاول حتي رفعت متاعها وسريرها فظننت انه لا حاجة له فيها فبينما هي ذات يوم قاعدة بنصف النهار اذ رأت ظله قد اقبل فاعادت سريرها ومتاعها۔[1]

یہ حدیث آٹھویں صدی کے مشہور محدّث حافظ نورالدین علی ابن ابی بکر الہیثمی نے اپنی کتاب مجمع الزوائد، جلد چہارم، طبع قاہرہ کے صفحہ ۳۲۳ پر نقل کی ہے اور اس کے تمام راویوں کی توثیق فرمائی ہے، مسند امام احمد، جلد ۶ ص ۱۳۲ پر بھی اسی مضمون کی حدیث ہے۔

مجمع الزوائد، جلد چہارم ص ۳۲۳ اور مسند امام احمد، جلد ۶ ص ۱۳۲ سے منقولہ دونوں روایتوں کا مضمون واحد ہے اور ان دونوں روایتوں میں حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہی ایک واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ ترجمہ درج ذیل ہے۔

''حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور

---

[1] مجمع الزوائد، کتاب النکاح، باب غیرۃ النساۃ

Marfat.com

ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے، راستہ میں (اُم المومنین حضرت) صفیہ کا اونٹ بیمار ہوگیا، (اُم المومنین حضرت) زینب کے پاس فالتو اونٹ تھا، حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ صفیہ کا اونٹ بیمار ہوگیا ہے اور تمہارے پاس زیادہ اونٹ موجود ہے، اگر تم اپنا ایک اونٹ صفیہ کو دے دو تو بہتر ہے، حضرت زینب نے کہا حضور! اس یہودیہ کو میں اپنا اونٹ دے دوں؟ حضور علیہ السلام ناراض ہوگئے اور ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دیا (حجۃ الوداع کے سفر میں بماہ ذی الحجہ یہ واقعہ پیش آیا تھا) حضرت زینب کو چھوڑے رکھنے کا زمانہ اتنا طویل ہوا کہ ذی الحجہ کا بقیہ مہینہ گذر گیا، محرم اور صفر کے دونوں مہینے گذر گئے اور ماہ ربیع الاول کے چند دن بھی اسی حال میں گذرے، حتیٰ کہ حضرت زینب نے اپنا بستر اور چارپائی وغیرہ سامان بھی اٹھا دیا اور یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اب ان کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے، وہ اسی حال میں ایک دن بیٹھی ہوئی تھیں، دوپہر کا وقت تھا، ناگہاں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل کریم کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا تو اسی وقت اپنے بستر وغیرہ کو واپس لوٹا دیا''۔

مخالفین کے مبلغ علم پر حیرت ہوتی ہے کہ انہیں جہاں لفظ ظل نظر آیا فوراً اس کے معنی جسم کے تاریک سایہ کے سمجھ لیئے۔ ایسی ذہنیت والوں سے تعجب نہیں کہ وہ حدیث مبارک سبعة یظلھم اللہ بظلہ (سات آدمی ایسے ہوں گے جن پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا سایہ ڈالے گا) اور اسی طرح دوسری حدیث یوم لا ظل الا ظلہ (قیامت کے دن اللہ کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا) پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے لئے بھی جسمانی تاریک سایہ ثابت کردیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

امر اول

''ظل'' کے معنی کا بیان اور اس بات کا ثبوت کہ لفظ ''ظل'' لغتِ عرب میں ''شخص'' اور ''جسم'' کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

Marfat.com

امر دوم

ظل اور فیئ کے معنی میں فرق ہے۔

امر سوم

جس دن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ٹھیک نصف النہار (دوپہر) کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظل کریم کو دیکھا تھا وہ دن گرمی کے موسم میں تھا۔

امر چہارم

موسم گرما میں نصف النہار کے وقت ظل اور فیئ کا وجود نہیں ہوتا۔

امر اوّل

ظل کے معنی کا بیان اور ''ظل'' بمعنی شخص اور جسم کا ثبوت

۱۔ منتہی الارب لفظ ظل کے تحت فرماتے ہیں :

(۱) راحت و (۲) نعمت و خیال کہ از دیو و پری و جز آں پیدشد۔ و (۳) اسپ مسلمہ بن عبدالملک و (۴) ارجمندی و (۵) استواری، و (۶) ریشہ و پرزہ (۷) جامہ و (۸) شب یا (۹) بہرہ از شب، و (۱۰) کالبدو، (۱۱) شخص ہر چیزے یا (۱۲) پوشش آں، و (۱۳) اوّل جوانی۔[1]

۲۔ اسی طرح تاج اللغت میں لفظ ظل کے معنی بیان کرتے ہوئے ارقام فرمایا :

و نیز خیالے کہ (۱) دیدہ میشود از جن و جز آں، و نام (۲) اسپ مسلم بن عبدالملک و (۳) عزت و (۴) غلبہ و (۵) ریشہ و (۶) تار جامہ کہ از دوختن دو طرف جامہ ظاہر شود زمحشری گوید ھذا ثوبٌ مالہٗ ظلٌ ۔ آگے چل کر فرماتے ہیں ظل کل شئی (۷) شخص آں چیز یا (۸) پردہ آں۔ انتہیٰ۔[2]

---

[1] منتہی الارب، جلد ۳، ص ۷۸ [2] تاج اللغت، فصل الزاء

Marfat.com

۳۔ القاموس المحیط میں ہے :

الظلُّ ، بالکسر : نقیض الضح ، أهو الفیئُ ، أهو بالغداة ، والفیئُ بالعشي ، جمع ظلالٌ وظلولٌ وأظلالٌ ، والجنة ۔ ومنه : (ولا الظلُّ ولا الحرور) ، والخیال من الجن وغیره یریٰ ، وفرس مسلمة بن عبدالملك ، والعز والمنعة ، والزئبرُ ، واللیل او جنحه ، ومن کل شيء : شخصه ، او کنه ، او من الشباب اوله ، ومن القیظ : شدته ، ومن السحاب : ماواري الشمس منه ، أسواده ، ومن النهار : لو نهاذا غلبته الشمس ، وهو في ظله : کنفه ۔ انتهی ۔[1]

ترجمہ: ظل بالکسر روشنی کی نقیض ہے یا ظل بمعنی فیئ (سایہ) ہے یا ظل صبح کو ہوتا ہے اور فیئ شام کو ہوتا ہے، جمع ظلال، ظلول اور اظلال ہے اور ظل جنت کو بھی ظل کہتے ہیں اور اسی سے ہے ولا الظل ولا الحرور اور ظل جن وغیرہ کے خیال کو بھی کہتے ہیں اور مسلمہ بن عبدالملک کے گھوڑے کو بھی ظل کہتے ہیں، ظل کے معنی عزت بھی ہیں اور ظل کے معنی قوت اور غلبہ کے بھی ہیں اور ظل کپڑے کے تاگے کو بھی کہتے ہیں جو سینے کی وجہ سے دونوں طرف نظر آتا ہے، ظل کے معنی رات بھی ہیں اور ظل رات کی تاریکی کو بھی کہتے ہیں اور ہر چیز کے شخص اور بدن کو بھی ظل کہا جاتا ہے، یا کسی شئے کے پردے اور لباس کو بھی ظل کہتے ہیں، اوّل جوانی کو بھی ظل کہا جاتا ہے اور گرمی کی شدت کو بھی ظل کہتے ہیں اور بادل کے اس حصے کو بھی ظل کہتے ہیں جو سورج کو ڈھانک لے، اور بادل کی سیاہی کو بھی ظل کہا جاتا ہے اور دن کے رنگ کو بھی ظل کہتے ہیں جب سورج اس پر غالب ہو جائے، عرب کا محاورہ ہے وھو فی

---

[1] القاموس المحیط، جلد رابع ص ۲ فصل الزاء، مطبوعہ فتح الکریم بمبئی
طبع موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۵ء ص ۱۰۲۸

Marfat.com

ظلہ اِس کے معنی ہیں فی کنفہ یعنی فلاں شخص کے ظل میں ہے اس کی پناہ اور حفاظت میں ہے۔انتہیٰ۔

۴۔ اسی طرح اقرب الموارد میں بھی تمام معانی مرقومہ بالا لکھے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھاہے ومن کل شئی شخصہ ہر چیز کے شخص اور بدن کو بھی ظل کہتے ہیں۔[۱]

۵۔ مجمع بحارالانوار میں علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۳۳ پر ظل کے معنی جسم لکھ کر اس کے آگے ص ۳۳۴ پر فرماتے ہیں وظلالھم شخوصھم یعنی ان کے ظلال سے ان کے اشخاص یعنی اجسام مراد ہیں۔[۲]

ناظرین کرام کو معلوم ہوگیا کہ کتب لغت میں ظل بمعنی سایہ ہی نہیں بلکہ اس کے اور بھی بہت سے معنی ہیں اور ان معانی میں ظل بمعنی شخص بھی وارد ہے، یعنی شخص اور جسم کو بھی لغت عرب میں ظل کہا جاتا ہے اور ان معنی کی تائید میں بعض مفسرین کی عبارات بھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں، دیکھئے تفسیر مظہری میں ہے۔

" ویکن ان یقال المراد بمن في الموات والارض حقائق من فیھا وارواح الملٰئکۃ والمومنین وبظلولھم اشخاصھم وقوالبھم کما عبر رسول اللہ ﷺ في دعائہ الظاھر بالسواد والباطن بالخیال حیث قال في سجودہٖ سجدلك سوادي وخیالي وھذا التاویل اولیٰ مما سبق لان الظلال التي یُری ضح الشمس عبارۃ عن سواد موضع لم یصل الیہ ضوء الشمس لحجاب جثۃ الشئي وذٰلك امر عدميٌ لا وجود لھا فکیف یسند الیہ السجود "۔[۳]

---

[۱] اقرب الموارد، جلد دوم،ص ۷۳۱

[۲] مجمع بحارالانوار، جلد ۲،ص ۳۳۳، ۳۳۴، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ

[۳] تفسیر مظہری، جلد ۵، پارہ ۱۳، سورہ رعد،ص ۱۷

Marfat.com

ترجمہ: اور ممکن ہے کہ کہا جائے کہ من فی السموات والارض سے وہ حقائق مراد ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں پائے جاتے ہیں اور فرشتوں اور مومنین کی روحیں، اور ان کے ظلال سے ان کے اشخاص اور قوالب مراد ہیں جیسا کہ حضور ﷺ نے اپنی دعا میں ظاہر کو سواد اور باطن کو خیال سے تعبیر فرمایا، چنانچہ حضور علیہ السلام نے اپنے سجدے میں یہ الفاظ فرمائے سجدلك سوادي وخيالي (اے اللہ تیرے لئے میرے سواد اور خیال (ظاہر وباطن) نے سجدہ کیا) اور یہ تاویل یعنی ظلال سے اشخاص اور قوالب مراد لینا پہلی تاویل سے اولیٰ ہے، اس لئے کہ وہ سائے جو سورج کی روشنی میں نظر آتے ہیں وہ عبارت ہیں اس جگہ کی سیاہی سے جہاں کسی جسم کثیف کے حاجب ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اور ظاہر ہے کہ یہ سیاہی جسے ہم ظل کہہ رہے ہیں محض ایک امر عدمی ہے جس کے لئے کوئی وجود نہیں، تو ایسی صورت میں اس کی طرف سجدے کی اسناد کیونکر صحیح ہوگی۔ انتہیٰ۔ (تفسیر مظہری)

دیکھئے صاحب تفسیر مظہری نے صاف اور واضح لفظوں میں ظل کے معنی شخص اور قالب کے بیان کئے ہیں۔

اسی طرح تفسیر معالم التنزیل میں ہے:

۲۔ وقیل ظلالھم ای اشخاصھم یعنی آیت قرآنیہ یتفیؤ ظلالھم میں ان کے اجسام مراد ہیں، اور یہاں ظل بمعنی سایہ نہیں بلکہ بمعنی شخص اور بدن ہے۔ انتہیٰ۔[۱]

یہی مضمون تفسیر روح المعانی میں ہے، صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں:

۳۔ ومن الناس من فسّر الظلال في قراءة العامة بالاشخاص لتكون علىٰ نحو قراءة عيسىٰ وانشدوا لاستعمال الظلال في ذلك قول عبدة

---

[۱] تفسیر معالم التنزیل، پ ۲۳، ص ۱۱

Marfat.com

اذا نزلنا نصبنا ظل اخبية
وفار للقوم باللحم المراجيل

فانه انما تنصب الاخبية لا الظل الذي هو افئي وقول الاخر،

يتبع افياء الظلال عشية فانه اراد افياء الاشخاص- انتهي-

ترجمہ: اور عامہ قراء کی قرأت میں جو لفظ ظلال آیا ہے بعض لوگوں نے اس کی تفسیر اشخاص کے ساتھ کی ہے تاکہ یہ قرأت عیسیٰ کی قرأت کے موافق ہو جائے، اور انہوں نے ظلال بمعنی اشخاص کی تائید میں عبدۃ کا یہ قول پیش کیا ہے۔

جب ہم اُترے تو ہم نے خیموں کے ظل یعنی خیموں کے اشخاص و اجسام کو نصب کیا، اور قوم کے لئے گوشت کی ہانڈیاں پکنے لگیں۔

وجہ اشتہاد یہ ہے کہ جو چیز نصب کی جاتی ہے وہ خیمے ہوتے ہیں، ان کا ظل جسے سایہ کہتے ہیں نصب نہیں کیا جاتا، لہذا ثابت ہوا کہ یہاں ظل بمعنی شخص پر انہوں نے استدلال کیا اور وہ قول یہ ہے۔ وہ پیچھے آتا ہے افیاء ظلال کے شام کے وقت، افیاء فیئ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں سایہ، اَب اگر ظلال کے معنی بھی سایہ ہوں تو سایہ سائے کی طرف مضاف ہو جائے گا جو درست نہیں، لہذا ماننا پڑے گا کہ یہاں ظلال بمعنی اشخاص ہے اور مصرعہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ شام کے وقت اشخاص واجسام کے سایوں کے پیچھے آتا ہے۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ میں ظلال بمعنی اشخاص ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

صاحب روح المعانی نے اس مقام پر امام راغب اصفہانی کا تعاقب نقل کیا ہے لہذا یہ استدلال مجروح ہے۔

جواباً عرض کروں گا کہ نظر صحیح سے کام لیا جائے تو امام راغب اصفہانی کا تعاقب صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے رَفَعْنَا ظِلَّ اَخبِيَةٍ کے معنی کئے ہیں رفعنا الاخبية فرفعنا به

Marfat.com

ظلها اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں لفظ ظل حشوِ محض ہے اور بالکل بے فائدہ ہو کر رہ جاتا ہے، جو تاویل فسادِ کلام کا موجب ہو وہ خود فاسد ہے اس لئے یہ تعاقب درست نہیں، علیٰ ہذا القیاس دوسرے قول میں وہ خاص کی اضافت عام کی طرف بتا رہے ہیں، اہل علم سے مخفی نہیں کہ اضافت کا فائدہ تخصیص وتعریف مضاف ہے یا تخفیف لفظی، اس اضافت میں تخفیف لفظی تو متصور ہی نہیں، رہی تخصیص تو وہ تحصیل حاصل ہوگی اس لئے کہ مضاف اضافت سے پہلے ہی خاص ہے لہذا اضافت بے فائدہ رہی اور یہ بھی فساد کلام ہے، معلوم ہوا کہ امام راغب اصفہانی کا تعاقب صحیح نہیں اور دونوں قولوں میں ظل بمعنی شخص ہی مستعمل ہے جس کی تائید تفسیر مظہری، تفسیر معالم التنزیل، مجمع بحار الانوار اور لغت کی معتبر کتابوں سے ہوتی ہے، جن کی روشن اور واضح عبارات

ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

امر دوم

ظل اور فیئ کے معنی میں فرق ہے

مصباح المنیر میں ہے :

(الظل) قال ابن قتيبه يذهب الناس الي ان الظل والفئي بمعني واحد وليس كذلك بل الظل يكون غدوة وعشية والفئي لا يكون الا بعد الزوال فلا يقال لما قبل الزوال فئي وانما سمي بعد الزوال فيئًا لانه ظل فاء من جانب المغرب الي جانب المشرق والفئي الرجوع وقال ابن السكيت الظل من الطلوع الي الزوال والفئي من الزوال الي الغروب وقال ثعلب الظل للشجرة وغيرها بالغداة والفئي بالعشي وقال رؤبة بن العجاج كل ما كانت عليه الشمس فزالت عنه فهو ظل وفئي ومالم يكن عليه الشمس فهو

Marfat.com

ظل، ومن هنا قیل الشمس تنسخ الظل والفئی ینسخ الشمس،
وجمع الظل ظلال والظلة وظل۔[1]

ترجمہ: ابن قتیبہ نے کہا کہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ظل اور فیئ ایک معنی میں ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ظل صبح اور شام دونوں وقت ہوتا ہے اور فیئ صرف بعد الزوال ہوتا ہے، لہذا قبل الزوال سایہ کو فیئ نہیں کہا جاتا، اور سایہ بعد الزوال کو اس لئے فیئ کہا جاتا ہے کہ فیئ کے معنی رجوع کے ہیں اور وہ سایہ (جسے فیئ کہا جاتا ہے) وہ مشرق سے مغرب کی جانب ہوتا ہے، ابن سکیت کا قول ہے کہ طلوع سے زوال تک جو سایہ ہوتا ہے اسے ظل کہا جاتا ہے اور زوال کے بعد سے غروب تک فیئ ہوتا ہے، اور ثعلب نے کہا کہ ظل درخت وغیرہ کے اس سایہ کو کہتے ہیں جو دوپہر سے پہلے ہوتا ہے اور فیئ اسے کہتے ہیں جو دوپہر کے بعد ہوتا ہے اور رؤبہ بن عجاج نے کہا کہ ہر وہ سایہ جو سورج ڈھلنے کے بعد ہو وہ ظل اور فیئ ہے اور جو سورج ڈھلنے سے پہلے ہو وہ ظل ہے اور یہی مبنیٰ ہے اس قول کا کہ سورج ظل کو منسوخ کر دیتا ہے اور فیئ سورج کو یعنی اسے خطِ استواء سے زائل کر دیتا ہے اور ظل کی جمع ظلال اور اظلہ اور ظلل ہے۔انتہیٰ۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک سایہ قبل الزوال "ظل" ہے اور بعد الزوال " فئی " ہے اور بعض کا قول ہے کہ قبل الزوال "ظل " ہے اور بعد الزوال "ظل" اور "فئی" ہے، اور پہلے قول پر "ظل" اور "فئی" متبائنین ہیں اور دوسرے قول پر "ظل" عام اور "فئی" خاص! تباین کا قول اکثر علماء نے کیا ہے، چنانچہ تفسیر خازن ومعالم جلد ۴ ص ۷۷ اور کتاب التعریفات للسید الشریف الجرجانی، مطبوعہ مصر ص ۷۳ اور جمہرۃ اللغۃ، مطبوعہ دائرۃ المعارف، جلد اول حیدر آباد دکن کی عبارت سے واضح ہے۔

---

[1] مصباح المنیر، مطبوعہ مصر، جلد دوم ص ۳۶۳

Marfat.com

امر سوم

موسم گرما

ناظرین کرام کو یاد ہوگا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کی شکر رنجی کا واقعہ حج الوداع سے واپسی کے موقعہ پر اثناء سفر پیش آیا تھا، چنانچہ مسند امام احمد میں عفان راوی کا قول جزم کے ساتھ موجود ہے کہ ولا اظنیہ الا قال فی حجۃ الوداع۔ (مسند امام احمد، جلد ۶، ص ۱۳۲) اور یہ شکر رنجی ذی الحجہ کے آخری ایام سے لے کر ربیع الاول شریف کے چند دنوں تک رہی، جیسا کہ مسند امام احمد اور مجمع الزوائد کی حدیثیوں میں اس کی تصریح موجود ہے اور مجمع الزوائد میں بغیر کسی شک کے ایاما من شہر ربیع الاول کے الفاظ وارد ہیں، دیکھئے مجمع الزوائد، جلد چہارم، طبع قاہرہ، ص ۳۲۳ (ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور، شمارہ ۸ر جنوری، ۱۹۶۰ء ص ۴) از مکتوب مولانا ابو داؤد محمد صادق صاحب گوجرانوالہ۔

بالآخر ایک دن حضرت زینب نے نصف النہار کے وقت حضور ﷺ کے ظل کریم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو یہ دن یقیناً ربیع الاول ہی کے دنوں میں سے ہے اور کسی پڑھے لکھے مسلمان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوا، اور ۱۱ھ میں ۱۲ر ربیع الاول شریف مطابق ۱۱ر جون کو حضور ﷺ کی وفات ہوئی، دیکھئے رحمۃ للعلمین مؤلفہ قاضی سلیمان منصور پوری، جلد ۲، ص ۷۲ اور تاریخ اسلام مؤلفہ شوق امرتسری ص ۳۲۱۔

''حضور ﷺ کی وفات حسرت آیات ۱۲ر ربیع الاول ۱۱ھ بروز دوشنبہ مطابق ۱۱ر جون ۶۳۲ء بوقت چاشت واقع ہوئی، اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس اور پانچ یوم کی تھی''۔[1]

اس حساب سے ثابت ہوگیا کہ جس دن حضرت زینب حضور علیہ السلام کے ظل کریم کو دیکھنے کا واقعہ بیان فرمارہی ہیں وہ جون کے مہینہ کا دن تھا جو خاص گرمی کا موسم ہے۔

---

[1] تاریخ اسلام ص ۳۲۱۔ رحمۃ للعلمین، جلد ۲ ص ۷۲

Marfat.com

ایک شبہ کا ازالہ

اگر اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ علامہ شبلی نعمانی کے بیان سے حضور ﷺ کی تاریخ وصال یکم ربیع الاوّل مطابق ۳۱ مئی ظاہر ہوتی ہے تو میں جواباً عرض کروں گا کہ اوّل تو ۳۱ مئی بھی گرمی کا زمانہ ہے دوسرے یہ کہ اس قول پر مخالفین کی پیش کردہ دونوں حدیثیں ساقط الاعتبار ہو جائیں گی کیونکہ جب یکم ربیع الاوّل کو حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو اسی ماہ ربیع الاوّل کے چند دنوں تک شکر رنجی باقی رہنا اور اس کے بعد ایک دن حضرت زینب کا ظل رسول دیکھنا سب کچھ غلط ہو جائے گا، لہٰذا علامہ شبلی کا قول کسی طرح پیش کردہ حدیثوں کے مطابق نہیں ہوسکتا، اگر شبلی کے قول کو مانا جائے تو حدیثوں کو چھوڑنا پڑے گا اور حدیثوں کو تسلیم کیا جائے تو شبلی صاحب کے قول سے کنارہ کشی کرنا ہوگی۔

امر چہارم

موسم گرما میں دوپہر کو سایہ نہیں ہوتا

گرمی کے زمانہ میں دوپہر کے وقت کسی جانب کو انسان کا جھکا ہوا سایہ نہ ہونا ایسا روشن اور ظاہر امر ہے جس پر کسی دلیل کی حاجت نہیں لیکن اس کے باوجود آخری اتمام حجت کے لئے ہم اپنے اس بیّن دعویٰ پر بھی دلیل قائم کئے دیتے ہیں تاکہ منکرین کے لئے کوئی عذر بارد باقی نہ رہے، دیکھئے منجد میں ہے :

۱۔ ومشیت علی ظلي او انتعلت ظلي اي مشیت وقد انتصف النهار فلم یکن لي ظل"۔[۱]

ترجمہ: "مشیت علی ظلی" اور "انتعلت ظلی" کے معنی ہیں کہ میں چلا اس حال میں کہ نصف النہار کا وقت ہو گیا تھا، اس لئے میرا سایہ نہیں تھا"۔

---

[۱] المنجد طبع قاہرہ ص ۴۹۹

Marfat.com

۲۔ مصباح اللغات میں ہے :

"ومشيت علي ظلي او انتعلت ظلي" [۱]

ترجمہ: میں چلا اس حال میں کہ دو پہر ہو چکی تھی اس لئے میرا سایہ نہ تھا۔

۳۔ اقرب الموارد میں ہے :

"(مشيت علي ظلي وانتعلت في ظلي) اذا مشيت وقد انتصف النهار في ايقظ فلم يكن لي ظل" [۲]

ترجمہ: "مشیت علی ظلی" اور "انتعلت فی ظلی" اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص موسم گرما میں دو پہر کے وقت چلے تو کہتا ہے کہ چونکہ میں دو پہر کے وقت چلا اس لئے میرا سایہ نہ تھا۔ انتہیٰ

۴۔ کرمانی شرح بخاری میں ہے :

"قائم الظهيرة اي نصف النهار وهو استواء حالة الشمس وسمي قائما لان الظل لا يظهر حينئذٍ فكانّهٗ قائم واقف"۔ [۳]

ترجمہ: قائم الظہیرہ نصف النہار کو کہتے ہیں اور وہ سورج کے خطِ استواء پر ہونے کی حالت ہے دو پہر کو قائم اس لئے کہتے ہیں کہ اس وقت سایہ ظاہر نہیں ہوتا، تو گویا وہ ایک جگہ کھڑا اور ٹھہرا ہوا ہے۔ انتہیٰ۔

ناظرین کرام بیان سابق میں پڑھ چکے ہیں کہ سایہ دو قسم کا ہے، ایک ظل اور دوسرا فیئ، ظل وہ سایہ ہے جو اوّل نہار میں قبل الزوال ہوتا ہے اور فیئ وہ سایہ ہے جو بعد الزوال

---

[۱] مصباح اللغات، ص ۵۰۱

[۲] اقرب الموارد، جلد ۲، ص ۷۳۱، طبع قاہرہ

[۳] کرمانی حاشیہ بخاری، جلد اوّل ص ۳۱۰، مطبوعہ اصح المطابع

Marfat.com

غروب تک رہتا ہے۔

نصف النہار کا وقت چونکہ درمیان میں ہوتا ہے اس لئے اس وقت نہ ظل ہوتا ہے نہ فیئ بلکہ چلنے والے کا سایہ اس وقت اس کے پاؤں میں ہوتا ہے، جسے وہ پامال کرتا ہوا چلتا ہے اور گرمی کے دنوں میں کسی جانب جھکے ہوئے سائے کا وجود نہیں ہوتا، لہذا یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی آنے والے کے جسم سے پہلے اس کا سایہ نظر آجائے۔

ایسی صورت میں ماہنامہ تجلی، دیوبند کا یہ لکھنا کہ اُم المومنین فرماتی ہیں:

''پس ایک دن دوپہر کے وقت دفعۃً رسول اللہ تشریف لے آئے اور میں نے پہلے ان کا سایہ ہی دیکھا''۔[1]

قطعاً غلط اور باطل محض ہے، بلکہ اس واقعہ کی دونوں روایتوں میں لفظ ظل بمعنی شخص ہے جیسا کہ ہم کتب لغت وتفاسیر سے ابھی وہ عبارت نقل کر چکے ہیں، اور اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کے معنی یہ ہیں کہ ''میں ایک دن دوپہر کے وقت بیٹھی ہوئی تھی کہ ناگہاں میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات مقدسہ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا''۔

الحمد للہ! مسند امام احمد اور مجمع الزوائد کی دونوں حدیثوں پر کلام ختم ہوا اور دلائل کی روشنی میں حق واضح ہوگیا، اہل علم منصف مزاج حضرات سے اُمید ہے کہ وہ ہماری اس تحقیق اور محنت کی قدر کریں گے، اور جن کے دلوں میں زیغ ہے ان سے انصاف کی کوئی اُمید نہیں، حق واضح کر دینا ہمارا فرض تھا جس سے ہم سبکدوش ہو گئے۔ وللہ الحجۃ السامیہ۔[2]

---

[1] ماہنامہ تجلی، دیوبند، شمارہ بابت فروری، مارچ ۱۹۵۹ء، ص ۱۸، کالم ۲ کے نیچے

[2] ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ اپریل مئی ۱۹۶۰ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۳۱)

سایہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن انس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال صلي بنا رسول الله صلي الله عليه وسلم ذات يوم صلوٰة الصبح ثم مد يدهٗ ثم اخرها فلما سلم قيل له يارسول الله لقد صنعت في صلوٰتك شيئا لم تصنعه في غير ها قال اني رائيت الجنة فرايت فيها دالية قطو فها دانيةٌ حبها كالدباغ فاردتان اتناول منها فاوحي الي ان استاخر فاستاخرت ثم رايت النار فيما بيني وبينكم حتي لقد رايت ظلي وظلكم فاومأت اليكم ان استاخروا فاوحي الي اقرهم فانك اسلمت واسلمو وهاجرت وهاجروا وجاهدت وجاهدوا فلم ارلي عليكم فضلاً الا بالنبوة انتهي۔[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک صبح کی نماز پڑھائی، پھر حضور نے اپنا مبارک ہاتھ بڑھایا پھر اسے پیچھے ہٹالیا، سلام پھیرنے کے بعد حضور سے عرض کیا گیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس نماز میں آپ نے وہ کام کیا جو اس کے علاوہ کسی دوسری نماز میں آپ نے کبھی نہیں کیا تھا (یعنی ہاتھ بڑھا کر پیچھے ہٹانا) حضور علیہ السلام نے فرمایا میں نے جنت دیکھی اور اس میں انگور کی بیل کے خوشے دیکھے جو بہت قریب تھے، ان کے دانے کدو کی طرح (بڑے) تھے، میں نے ان سے لینا چاہا تو میری طرف وحی کی گئی کہ محبوب آپ آگے نہ بڑھیں، چنانچہ

---

[1] حادی الارواح، مطبوعہ مصر ص ۴۲

Marfat.com

میں فوراً پیچھے ہٹ گیا، پھر میں نے اپنے اور تمہارے درمیان نار کو دیکھا یہاں تک کہ میں نے اپنے ظل اور تمہارے ظل کو ملاحظہ کیا، (آگ اس قدر قریب تھی کہ) میں نے تمہیں پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا، پھر میری طرف وحی کی گئی کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ انہیں ان کی جگہ برقرار رہنے دیں، (آپ کی طرح ان کو بھی اس نار جہنم سے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی) کیونکہ آپ بھی اسلام لائے اور یہ بھی اسلام لائے، آپ نے بھی ہجرت کی اور انہوں نے بھی ہجرت کی ،آپ نے بھی جہاد کیا اور انہوں نے بھی جہاد کیا، (لہذا جس طرح آپ اس نار جہنم کی لپیٹ میں نہیں آسکتے اسی طرح آپ کے طفیل یہ بھی اس کی لپیٹ میں نہیں آسکیں گے)، (صحابہ کرام سے) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے نبوت کے سوا تمہارے اوپر اپنے لئے اور کوئی فضیلت نہ دیکھی۔ (نبوت کے سوا کسی فضیلت کے نہ دیکھنے کا ارشاد محض تواضعاً ہے ورنہ فضیلت نبوت ایسی چیز ہے کہ تمام فضائل وکمالات اور جملہ محامد ومحاسن کو حاوی ہے۔ مترجم)

علامہ ابن قیم نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ ثابت کرنے کے لئے نہیں لکھی بلکہ دوزخ وجنت کا وجود ثابت کرنے کے لئے ارقام فرمائی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ دوزخ وجنت پیدا ہو چکی ہیں جس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی اس دیوار پر جو قبلہ کی جانب واقع ہوئی ہے فجر کی نماز میں جنت اور دوزخ دونوں کو دیکھا، صرف یہی نہیں بلکہ ان کی اشیاء اور جنتیوں اور دوزخیوں کو بھی ملاحظہ فرمایا، طبرانی میں حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"ما رأيتم من شيئ في الدنيا له لون ولا نبئتم به في الجنة ولا في النار الا لقد صور لي من قبل هذا الجدار منذ صليت لكم صلوتي هذه فنظرت اليه مصورا في جدار المسجد"۔ انتهى۔ [1]

---

[1] کنز العمال، جلد ۴، ص ۱۷۸

Marfat.com

ترجمہ: تم نے دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کا کوئی رنگ ہو اور نہ تمہیں جنت و دوزخ میں کسی چیز کے ہونے کی خبر دی گئی لیکن وہ سب چیزیں اور تمام دوزخی اور جنتی سب اس دیوار قبلہ کی سمت میں ظاہر کر دیئے گئے جس وقت سے میں نے تمہیں اپنی یہ نماز پڑھائی ہے تو میں نے ہر چیز کی صورت دیوارِ مسجد میں دیکھ لی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ و جنت کی ہر چیز کو دیکھ لیا تو اپنے آپ کو اور صحابہ کرام کو بھی یقیناً دیکھا، کیونکہ حضور اور آپ کے صحابہ کرام بھی تو جنتی ہیں، معلوم ہوا کہ یہاں بھی ظل کے معنی جسم کے تاریک سایہ کے نہیں بلکہ وہی "شخص" اور جسم کے معنی ہیں جو ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں، اور رأیت ظلی وظلکم کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اور تم سب کو دیکھا اور یہ بات کوئی تعجب انگیز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ دنیا میں ہوتے ہوئے جنت میں کیسے موجود تھے؟ دیکھئے شب معراج جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے آسمان پر پہنچے اور آدم علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان کے دائیں بائیں ان کی نیک اور بد اولاد کو دیکھا تو نیکوں میں حضور علیہ السلام نے اپنے آپ کو بھی دیکھا، امام شعرانی فرماتے ہیں:

"ورأي رسول الله ﷺ صورته هناك في اشخاص السعداء فشكر الله تعالىٰ وعلم عند ذلك كيف يكون الانسان في مكانين"۔[1]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیکوں کی ذاتوں میں اپنی صورت مبارکہ بھی دیکھی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین الیقین کے ساتھ جان لیا کہ ایک انسان کس طرح دو جگہوں میں ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جس طرح حضور علیہ السلام آسمان اول پر اشخاص سعداء سے باہر بھی تھے اور ان کے اندر بھی اپنے آپ کو ملاحظہ فرما رہے تھے، اسی طرح اس موقعہ پر

[1] الیواقیت والجواہر، جلد ۲، ص ۳۴، مطبوعہ مصر

Marfat.com

بھی حضور اور آپ کے صحابہ جنت سے باہر بھی تھے اور جنت میں بھی حضور اپنے ساتھ اپنے صحابہ کو دیکھ رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ "ظلی وظلکم" سے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کا جسمانی سایہ مراد نہیں بلکہ ذوات قدسیہ مراد ہیں اور حدیث کے معنی وہی ہیں جو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ میں نے جنت میں اپنے آپ کو بھی دیکھا اور تمہیں بھی دیکھا۔

مخالفین کی بے بصری پر حیرت

کمالات رسالت کے منکرین کی بے بصری موجب حیرت ہے، ان لوگوں نے ظلی وظلکم کی حدیث سے حضور ﷺ کا جسمانی سایہ ثابت کرتے وقت اتنی بات بھی نہ سوچی کہ اگر اس حدیث سے حضور کا سایہ ثابت ہوا تو یا مسجد نبوی میں ہوگا یا دوزخ میں یا جنت میں، کیونکہ یہ واقعہ عین نماز فجر کا ہے جس وقت حضور اور صحابہ کرام مسجد نبوی میں تھے، ذرا غور کرنے سے یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ تینوں جگہوں میں سے ایک جگہ پر بھی اس وقت سایہ کا وجود ممکن نہ تھا، کیونکہ نماز فجر کا وقت آخر شب کی ہلکی سیاہی کا وقت ہوتا ہے، اس وقت کسی سایہ دار چیز کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا، اور جنت میں بھی کسی جنتی کا سایہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ جنت میں ہر وقت ایسا سایہ رہتا ہے جیسے طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقت میں سایہ ہوتا ہے اور سایہ میں کسی کا سایہ نظر نہیں آتا، اس لئے جنت میں بھی سایہ دیکھنا متصور نہیں۔ اب تیسری جگہ دوزخ ہے۔ تو مجھے اُمید نہیں کہ مخالفین دوزخ میں حضور کا سایہ مانتے ہوں اور اگر خلاف اُمید ان کا مسلک فی الواقع یہی ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ سایہ ہمیشہ روشنی میں ہوتا ہے اور دوزخ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں بلکہ وہ سیاہ اور تاریک ہے۔[1]

اور ظاہر ہے کہ سیاہی اور تاریکی میں سایہ نہیں ہوتا، اب مخالفین بتائیں کہ "حتی رأیت ظلی وظلکم" کے معنی جو آپ کرتے ہیں کہ "میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا" یہ معنی کیسے

[1] ترمذی، جلد ۲ ص ۸۳، مشکوۃ، جلد ۲ ص ۵۰۳۔

Marfat.com

درست ہو سکتے ہیں۔

اگرچہ میرا یہ بیان محتاج دلیل نہیں لیکن ہر قسم کا تردد زائل کرنے کے لئے دلائل پیش کرتا ہوں، اور ساتھ ہی بعض شکوک وشبہات کے جوابات بھی عرض کروں گا تاکہ اتمام حجت کا حق ادا ہو جائے۔

دنیا والوں کے عرف میں سایہ اسے کہتے ہیں جو سورج کی گرمی اور تکلیف سے بچائے لیکن جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا" انہ اس میں سورج کی گرمی معلوم ہوگی نہ زمہریر کی سردی۔

جب وہاں سورج کی گرمی اور اس کی تکلیف واذیت نہیں تو اس سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جس کے لئے سایہ کی ضرورت ہو۔

ہاں! البتہ اس میں ایسا سایہ ضرور ہے جو ہر طرف پھیلا ہوا ہے، جس میں کسی سایہ دار چیز کا سایہ نظر نہیں آتا، دیکھئے سورہ واقعہ میں "وظل ممدود" یعنی جنتی جنت میں ایسے سایہ میں ہوں گے جو ہر طرف پھیلا ہوا، دائم اور غیر منقطع ہوگا، تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت ہے:

(وظل ممدود) ممتد منبسط کظل مابین طلوع الفجر وطلوع الشمس۔ انتھی۔ [1]

یعنی جنتی جنت کے ایسے سایہ میں ہوں گے جو لمبا اور ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا، جیسے صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقت میں طویل، ہلکا اور چاروں طرف پھیلا ہوا خوشگوار سایہ ہوتا ہے۔

---

[1] تفسیر مدارک، جلد ۴، ص ۱۶۳، مطبوعہ مصر

Marfat.com

تفسیر نیشاپوری میں ہے:

''(وظل ممدود) اي ممتد منبسط کظل الطلوع والغروب لا یتقلص ویحتمل ان یراد انه دائم باق لا یزول ولا تنسخه الشمس والعرب تقول لکل شئي طویل لا ینقطع انه ممدود''۔انتھي۔[1]

ترجمہ: اور ظل ممدود سے مراد یہ ہے کہ جنت کا سایہ دراز اور ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا جیسے طلوع اور غروب کے وقت ہر طرف پھیلا ہوا ہلکا، دراز اور خوشگوار سایہ ہوتا ہے، وہ سایہ ایسا ہوگا کہ نہ سمٹے گا نہ سکڑے گا اور اس امر کا بھی احتمال ہے کہ "ظل ممدود" سے یہ مراد لیا جائے کہ جنت کا سایہ ایسا دائم و باقی ہے جو کبھی زائل نہ ہو، اور سورج بھی اسے منسوخ نہ کرے گا (کیونکہ وہاں سورج کا وجود ہی نہ ہوگا) اور اہل عرب ہر ایسی طویل چیز کو ممدود کہتے ہیں جو کبھی منقطع نہ ہو۔انتھی۔

قرآن کریم کی ان دونوں آیتوں اور مفسرین کی تصریحات کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ جنت میں ہر طرف طویل و دائم اور غیر منقطع سایہ پھیلا ہوا ہے اور سایہ کی جگہ میں کسی کا سایہ نظر نہیں آتا، لہٰذا اچھی طرح واضح ہوگیا کہ "رأیت ظلي وظلکم" کے یہ معنی ہرگز درست نہیں ہوسکتے کہ "میں نے (جنت میں) اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا"۔

ایک اشکال اور اس کا حل:

اس مقام پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب نہایت ضروری ہے، وہ یہ کہ قرآن وحدیث میں کئی جگہ جنت کے درختوں کا سایہ مذکور ہے اگر سایہ کی جگہ کسی چیز کا سایہ نہیں ہوسکتا تو جنت میں وہاں کے درختوں کا سایہ کیسے ہوگا؟

---

[1] تفسیر نیشاپوری، پ ۲۷، ص ۸۹، مطبوعہ مصر

Marfat.com

اس کا جواب امام فخر الدین رازی، علامہ ابو سعود اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیا ہے جو ان ہی کی عبارات میں ہم نقل کر کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں آیۂ مبارکہ "ودانية عليهم ظلالها" کے تحت ارقام فرماتے ہیں :

"(السوال الثاني) الظل انما يوجد حيث توجد الشمس فان كان لا شمس في الجنة فكيف يحصل الظل هناك (والجواب) المراد ان اشجار الجنة تكون بحيث لوكان هناك شمس لكانت تلك الاشجار مظلة منها" ۔انتهي [1]

ترجمہ: آیت میں دوسرا سوال یہ ہے کہ سایہ وہیں پایا جاتا ہے جہاں سورج ہو، جنت میں جب سورج نہیں تو درختوں کا سایہ کیسے ہوگا؟ (الجواب) مراد یہ ہے کہ جنت کے درخت اس حیثیت سے ہوں گے کہ اگر وہاں سورج ہو تو وہ اس کی وجہ سے سایہ دار ہو جائیں۔انتہی۔

۲۔ علامہ ابو سعود اسی آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں :

"علي معني انه لوكان هناك شمس موذية لكانت اشجارها مظلة عليهم مع انه لا شمس ثمة ولا قمر"۔ انتهي۔ [2]

ترجمہ: ("جنت کے درختوں کے سائے جنتیوں پر جھکے ہوں گے") یہ کلام اس معنی پر محمول ہے کہ اگر وہاں دھوپ کی تکلیف ہو تو وہ درخت جنتیوں پر اپنے سائے ڈالنے لگیں باوجود اس کے کہ وہاں نہ سورج ہے نہ چاند (جس کی وجہ سے سایہ ہو)۔انتہی۔

---

[1] تفسیر کبیر، جلد ۸، ص ۳۹۶، مطبوعہ مصر

[2] تفسیر ابو سعود بہامش کبیر، جلد ۸، ص ۳۹۶، مطبوعہ مصر

Marfat.com

۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری میں فرماتے ہیں :

"(في ظلها) اي في نعيمها وراحها ومنه قولهم "عيش ظليل" وقيل معني ظلها ناحيتها واشار بذلك الي امتدادها ومنه قولهم انا في ظلك اي نا حيتك قال القرطبي والمحوج الي هذا لتاويل ان الظل في عرف اهل الدنيا مايقي من حر الشمس واذا ها وليس في الجنة شمس ولا اذي"۔ انتهي۔

ترجمہ: ("حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، جنت میں ایک درخت ہے جس کے ظل میں کوئی شخص سوار ہو کر سو برس تک چلتا رہے تو اسے قطع نہ کر سکے، اس حدیث میں") "فی ظلها" کے معنی ہیں فی نعیمها و راحتها (یعنی اس کی نعمتوں اور راحتوں میں) اور اسی معنی سے اہل عرب کا یہ قول ماخوذ ہے "عیش ظلیل" (نعمت و راحت کی زندگانی) اور بعض نے کہا کہ یہاں "ظل" "بمعنی" ناحیہ" ہے (یعنی گردونواح) حضور ﷺ نے اس کے ساتھ اس درخت کی درازی کی طرف اشارہ فرمایا یعنی وہ درخت اتنا بڑا اور لمبا ہوگا کہ اس کے گردونواح کی مسافت سو برس تک بھی کسی سوار سے طے نہ ہو سکے گی، اور اسی معنی سے اہل عرب کا یہ قول ماخوذ ہے "انا فی ظلك" یعنی میں تیرے گردونواح (قرب و جوار، حفظ و امان) میں ہوں، قرطبی نے کہا اس تاویل کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ اہل دنیا کے عرف میں ظل وہ ہے جس کے ذریعہ سورج کی گرمی اور اس کی تکلیف سے بچاؤ حاصل کیا جائے، جنت میں نہ سورج ہوگا نہ اس کی تکلیف (اس لئے وہاں اس سے بچاؤ کے لئے کسی چیز کے سایہ کی ضرورت ہی نہیں) ۔انتہی

الحمد للہ! جنت میں کسی سایہ دار چیز کا سایہ نہ ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا، اب ہمارے اس بیان کو بیان سابق سے ملا کر نتیجہ ذہن نشین کر لیجئے کہ حضور ﷺ نے جو "حتیٰ

Marfat.com

رأیت ظلی وظلکم" فرمایا یہ اس واقعہ کا بیان ہے جو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں عین نماز فجر کے درمیان پیش آیا تھا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حقیقی جنت و دوزخ کا پیش کیا جانا مذکور ہے، اس وقت حضور اور صحابہ مسجد نبوی میں تھے اور دوزخ و جنت حضور کے پیش نظر تھے، ظاہر ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو چیز دیکھی وہ مسجد نبوی میں ہوگی یا دوزخ میں، یا جنت میں، اس کے علاوہ اور کسی جگہ کچھ دیکھنا متصور نہیں، اگر حضور نے اپنا اور صحابہ کا سایہ مسجد نبوی میں دیکھا تو یہ ممکن نہیں، اس لئے کہ وہ فجر کا وقت تھا اس وقت کسی سایہ دار چیز کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا۔

اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ اس وقت سایہ ظاہر تھا تو اسے تمام حاضرین دیکھ رہے ہوں گے حالانکہ یہ دیکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص تھا جیسا کہ الفاظ حدیث "حتیٰ رأیت ظلی وظلکم" (یہاں تک کہ میں نے اپنا اور تمہارا ظل دیکھا) میں لفظ حتیٰ (یہاں تک) سے ظاہر ہے، کیونکہ حتیٰ بیان غایت کے لئے آتا ہے اور یہ غایت جنت و دوزخ دیکھنے کی ہے جس طرح مُغیا (جنت و دوزخ کا دیکھنا) حضور کے ساتھ خاص ہے اسی طرح اس کی غایت (ظلی وظلکم کا دیکھنا) بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہوگا، لہذا ثابت ہوگیا کہ نماز فجر کے وقت کسی کا سایہ نہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا اور صحابہ کا ظل مسجد نبوی میں ہرگز نہیں دیکھا۔

اس کے بعد دو چیزیں رہیں دوزخ اور جنت، بیان سابق میں ہم دلائل سے ثابت کرچکے ہیں کہ سایہ روشنی میں ظاہر ہوتا ہے اور جہنم سیاہ اور تاریک ہے اس لئے اس میں بھی سایہ ظاہر نہیں ہوسکتا، اَب رہی جنت تو اس کے متعلق بھی ہم نے آیات قرآنیہ وعبارات مفسرین سے ثابت کردیا کہ جنت میں کسی سایہ دار چیز کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اَب بتائیے کہ اگر ظلی وظلکم میں لفظ ظل کے معنی سایہ ہیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہاں دیکھا؟ لہذا تسلیم کرلیجئے کہ یہاں سایہ کے معنی مراد نہیں بلکہ وہی "شخص" کے معنی مراد ہیں جو اس سے قبل دلائل

Marfat.com

و براہین کی روشنی میں ہم ثابت کر چکے ہیں اور حدیث کے واضح معنی یہ ہیں کہ میں نے دوزخ وجنت کو دیکھا یہاں تک کہ (جنت میں) اپنے اور تمہارے اشخاص کریمہ کو بھی دیکھا، غایت مافی الباب یہ کہ جنت و دوزخ کو ان کے وجود مثالی پر محمول کر دیا جائے تب بھی "ظلی و ظلکم" سے اشخاص مثالیہ مراد ہوں گے، جسمانی تاریک سایہ اس تقدیر پر بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔

واللہ الحجۃ البالغہ

انصاف کیجئے

یہ تینوں حدیثیں جو مخالفین نے حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمانی سایہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہیں اگر واقعی ان کے دعویٰ کی مثبت ہوتیں تو وہ جلیل القدر علماء محدثین ومفسرین جن کے اسماء گرامی ہم عرض کر چکے ہیں کس طرح حضور کے سایہ کی نفی کرتے، شاید آپ کہہ دیں کہ یہ حدیثیں ان سے مخفی رہیں، تو میں عرض کروں گا کہ یہ امر ہرگز قابل تسلیم نہیں کہ ایسے ماہرین حدیث ائمہ دین سے آپ کی پیش کردہ حدیثیں مخفی رہی ہوں، دیکھئے آپ کی پیش کردہ حدیث "حتی رأیت ظلی وظلکم" کو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں لکھا، مگر اس کے باوجود اسی خصائص کبریٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا باب منعقد کیا اور روایات وعبارات علماء سے اپنے دعویٰ کو ثابت ومؤید کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی سایہ سے پاک ہونے کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دکھایا۔ معلوم ہوا کہ مخالفین کی پیش کردہ احادیث سے یہ ائمہ حدیث بے خبر نہ تھے۔

پھر یہ کہ آج سے پہلے کسی نے ان حدیثوں سے حضور علیہ السلام کا سایہ ثابت نہیں کیا، حتیٰ کہ علامہ ابن قیم کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی، حالانکہ ان سے پہلے اکابر محدثین متقدمین کے وہ تمام ارشادات ان کے سامنے موجود تھے، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور خالص ہونے کی وجہ سے حضور کے سایہ نہ ہونے پر استشہاد کیا گیا ہے، جیسے حکیم ترمذی (متوفی ۲۵۵ھ)، عبداللہ بن

Marfat.com

مبارک (متوفی ۱۸۱ھ)، امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ)، حافظ رزین محدث (متوفی ۵۲۰ھ)، علامہ ابن سبع (متوفی)، قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ)، علامہ ابن جوزی محدث (متوفی ۵۹۷ھ)، مولانا جلال الدین رومی (متوفی ۶۷۰ھ)، علامہ احمد نسفی صاحب تفسیر مدارک (متوفی ۷۰۱ھ)، یہ سب علماء اعلام علامہ ابن قیم (متوفی ۷۵۲ھ) سے متقدم ہیں اور ان سب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمانی سایہ کی نفی فرمائی ہے لیکن علامہ ابن قیم نے حدیث "ظلی وظلکم" سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسمانی سایہ ثابت کر کے ان حضرات کا رد نہیں کیا۔

علیٰ ہذا القیاس علامہ ابن قیم کے بعد ہونے والے اجلہ محدثین مثلاً امام جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)، امام قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ)، علامہ حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۹۶۶ھ)، امام ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۳ھ)، علامہ شہاب الدین خفاجی (متوفی ۱۰۶۹ھ)، امام زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ)، علامہ سلیمان جمل، علامہ ابراہیم بیجوری، علامہ برہان الدین حلبی وغیرہم نے ابن قیم کی کتاب حادی الارواح میں حدیث "ظلی وظلکم" دیکھنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمانی سایہ کا قول نہیں کیا، اور بدستور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نور اور بے سایہ مانتے رہے، اور اسی مسلک کا بیان اپنی تصانیف جلیلہ میں کرتے رہے جیسا کہ ہم ان کے بیانات سابقاً نقل کر چکے ہیں۔[1]

---

[1] ماہنامہ "السعید" ملتان، شمارہ اپریل، مئی ۱۹۶۰ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۳۲)

آٹھ تراویوں کے متعلق حدیث

''عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال صلي بنا رسول الله ﷺ ليلةً في رمضان ثماني ركعات، والوتر''۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعتیں پڑھائیں اور وتر۔

اگر بالفرض اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوگا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آٹھ رکعت بیان فرمائیں، لیکن آٹھ کے عدد پر حصر کا قول نہیں کیا جو آٹھ سے زیادہ عدد کے منافی اور معارض ہو اور عدم حصر کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت جابر بعد میں آئے ہوں اور حضور ﷺ ان کے آنے سے قبل زائد رکعات پڑھ چکے ہوں، نیز اس امر کا بھی احتمال ہے کہ حضور ﷺ نے پہلے یا بعد میں آٹھ کے علاوہ زائد رکعات پڑھی ہوں، جن کی نفی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ صرف ایک رات کا واقعہ اور وہ بھی اپنے علم کے مطابق بیان کر رہے ہیں، اس میں بقیہ دو راتوں میں بیس کے عدد رکعات تراویح کی نفی اس حدیث سے کہاں ثابت ہوئی۔

اس کے بعد عرض ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، کسی محدث نے اس کو صحیح نہیں کہا، اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ہے، جس کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے :

''قال ابن معين: عنده مناكير ، وقال النسائي : منكر الحديث، وجاء عنه، متروك وقال ابو زرعة: لا بأس به''

---

[1] امام شمس الدین ذہبی، میزان الاعتدال، جلد ۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ص ۳۱۱

Marfat.com

مگر ابوزرعہ کا "لا باس بہ" کہنا ابن معین اور نسائی کی جرح شدید کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتا۔

رہا یہ شبہ کہ علامہ ذہبی نے اس حدیث کو وسط کہا ہے، ہرگز اس حدیث کی صحت کی دلیل نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ وسط کے معنی دنیا کی کسی لغت یا اصطلاع میں صحیح نہیں، وسط کے معنی ہیں درمیانی، اور اس میں کئی احتمال ہیں، صحیح، حسن، ضعیف، سب کا درمیانی مراد ہوسکتا ہے، لیکن عیسیٰ بن جاریہ کے حق میں خود علامہ ذہبی کا اسے منکر الحدیث ہونے کو نقل کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ لفظ وسط سے مراد درمیانہ درجہ کی ضعیف ہے۔

اس مقام پر یہ کہنا کہ علامہ ابن حجر نے التزام کیا ہے کہ فتح الباری میں کوئی ایسی حدیث نہیں لائی جائے گی، جو صحیح یا حسن کے درجہ سے کم ہو، اور چونکہ یہ "حدیث جابرؓ" فتح الباری میں موجود ہے اس لئے وہ صحیح نہیں تو حسن ضرور ہوگی، انتہائی ابلہ فریبی اور سخن پروری ہے۔

اتنی بات تو قابل قبول ہوسکتی ہے کہ فتح الباری کی اکثر وبیشتر روایات یا وہ احادیث جن کے راویوں پر ائمہ جرح وتعدیل کی جرح کتب معتبرہ میں مصرح نہیں صحیح یا حسن ہیں، لیکن محض اپنی ضد پوری کرنے کے لئے آنکھیں بند کرکے علی الاطلاق اس کی ہر روایت پر مہر تصدیق ثبت کردینا اور ائمہ حدیث کی جرح شدید کے باوجود اس کی حدیث کو صحیح یا حسن قرار دینا کسی اہل علم کے نزدیک صحیح نہیں ہوسکتا۔

ابن حجر تو بخاری کے شارح ہیں، خود امام بخاری ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے التزام کیا ہے کہ صحیح بخاری میں سوائے صحیح حدیث کے کوئی غیر صحیح روایت داخل نہ کروں گا، لیکن اس کے باوجود اس میں بھی بعض ایسی روایات موجود ہیں جو صحیح نہیں، اگرچہ ان کا وجود نادر ہے، یہی وجہ ہے کہ شارحین کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی تاویل کرنی پڑی، دیکھئے مقدمہ فتح الباری جلد اول ص ۱۳ پر حافظ ابن حجر نے علامہ نووی کا کلام نقل کیا ہے۔

"وعلي هذا فيحمل قوله ما ادخلت في الجامع الا ما صح اي

مماسقت اسنادہ واللہ تعالیٰ اعلم "[1]

(یعنی اس تقدیر پر امام بخاری کا یہ قول کہ میں نے اپنی جامع صحیح بخاری میں صرف وہی حدیثیں داخل کی ہیں جو صحیح ہیں، اس امر پر محمول ہوگا کہ جن کی سند میں نے بیان کی ہے، علامہ نووی کا کلام ختم ہوا۔)

اس کے بعد متصلاً علامہ ابن حجر فرماتے ہیں :

"وقد تبین مما فصلنا بہ اقسام تعالیقہ انہ لا یفتقر الی ھذا الحمل وان جمیع ما فیہ صحیح ما باعتبار انہ کلہ مقبول لیس فیہ مایرد مطلقا الا النادر "۔[2]

(یعنی تعلیقات بخاری کی جو تفصیل ہم نے بیان کی ہے، اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول مذکور کو "مما سقت اسنادہ" پر حمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ بخاری کی تمام حدیثیں اس اعتبار سے صحیح ہیں کہ وہ سب مقبول ہیں، ان میں کوئی حدیث ایسی نہیں جسے مطلقاً رد کر دیا جائے سوائے نادر (حدیثوں) کے۔

حیرت ہے کہ جو لوگ توثیق رواۃ پر صحت حدیث کو موقوف سمجھتے ہیں ان کے نزدیک حدیث جابر محض فتح الباری میں درج ہو جانے کی وجہ سے کیونکر صحیح ہوگئی، حالانکہ اس کے راوی پر اہل نقد و نظر ائمہ حدیث کی جرح شدید موجود ہے، جیسا کہ ہم نقل کر چکے ہیں، جس طرح ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کا سہارا تلاش کرتا ہے، بالکل اسی طرح غیر مقلدین حدیث جابر کے فتح الباری میں آجانے کو دلیل صحت قرار دے رہے ہیں، بہر حال یہ قول صحت حدیث کے دلائل میں ایک شاندار اضافہ ہے۔[3]

---

[1] مقدمہ فتح الباری، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۷۹ھ ص ۱۹

[2] مقدمہ فتح الباری، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۷۹ھ ص ۱۹ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۲ھ ص ۱۹

[3] علامہ سید احمد سعید کاظمی، کتاب التراویح مطبوعہ ملتان ص ۴۵ تا ۴۸

Marfat.com

حدیث نمبر (۳۳)

خوف الٰہی

" واللہ انی لاتقاکم للہ واخشاکم لہ "[1]

(اللہ تعالیٰ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور خوف کرتا ہوں)

خوف الٰہی ایمان کا محافظ اور انسانیت کا نگہبان ہے، جس کی روشنی عہد رسالت سے لے کر آج تک مؤمنین، عارفین کے قلوب کو روشن کر رہی ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"واللہ انی لاتقاکم للہ واخشاکم لہ"۔

معرفت کے بغیر خوف نہیں ہوسکتا، جو شخص کسی کو پہچانتا نہیں وہ اس سے ڈرتا نہیں، چھوٹے بچے کے سامنے اگر خوبصورت زہریلا سانپ آجائے تو وہ اس کے ظاہر نقش ونگار کو دیکھ کر اسے پکڑنے کی کوشش کرے گا، لیکن اس کے والدین خوفزدہ ہوکر بچے کو ہٹالیں گے اور سانپ کو مارنے کی تدبیر سوچیں گے، بچہ اس سے محض اس لئے نہیں ڈرتا کہ اس کی معرفت سے محروم ہے، وہ یہ نہیں جانتا کہ سانپ کاٹ کھاتا ہے، لیکن اس کے والدین چونکہ سب کچھ جانتے ہیں اور سانپ کی پوری معرفت رکھتے ہیں، اس لئے اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔

خوف اور قرب

جس طرح معرفت کے بغیر خوف نہیں ہوتا اسی طرح قرب کے بغیر بھی خوف پیدا نہیں ہوتا، بہت سی خوفناک چیزوں کو ہم اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں، لیکن جب ہم ان سے دور ہوتے ہیں تو ہمیں ان سے کوئی ڈر اور خوف نہیں ہوتا، البتہ جب وہ خوفناک چیزیں ہمارے قریب ہوجائیں تو ہم خوف زدہ ہوتے ہیں۔

---

[1] مسلم شریف، کتاب الصیام، باب بیان أن القبلة، حدیث ۱۱۰۸

Marfat.com

چونکہ خدا کا قرب اور اس کی معرفت دونوں ایک چیز ہیں، اس لئے جب کسی کو معرفت الٰہی ہوگی تو قرب الٰہی ضرور ہوگا، اس لئے ہمیں ماننا پڑے گا کہ عارفین ہی مقربین ہیں، جب قرب ومعرفت کی دونوں صفتیں انہیں حاصل ہوگئیں تو اب ان کے دلوں میں خدا کا خوف لازمی طور پر پیدا ہوگیا، اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے :

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

(اللہ کے بندوں میں سے عارفین ہی اللہ سے ڈرتے ہیں)

یہ ڈر اور خوف ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ جب تک یہ نعمت میسر نہ ہو کوئی نعمت، نعمت نہیں ہو سکتی، گناہ سے بچنا خوف کے بغیر ممکن نہیں، عصمت وعفت کا راز اس میں مضمر ہے، اسی کی شب تار میں اُمید کی جھلک نظر آتی ہے، اسی خوف کے آنسوؤں کی جھڑی اُمید کے موتیوں کی لڑی کہلاتی ہے، اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ہم کنز العمال، جلد اول ص ۲۶۷ سے ایک طویل حدیث کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

یحییٰ بن ایوب خزاعی فرماتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک عابد وزاہد صالح نوجوان تھا، جو اکثر وبیشتر مسجد میں رہتا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی عبادت وریاضت وصالحیت کی وجہ سے اسے بہت پسند فرماتے تھے، اس کا باپ بوڑھا تھا، ایک مرتبہ وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے باپ کی طرف جا رہا تھا، اس کا راستہ ایک ایسی عورت کے دروازہ کی طرف سے تھا جو اس پر مفتون اور فریفتہ تھی، اس عورت کا معمول تھا کہ وہ اس نوجوان کے راستہ میں آکر کھڑی ہو جاتی تھی، اس رات جب وہ نوجوان راستہ سے گزرا تو حسب معمول وہ عورت برسر راہ آکھڑی ہوئی اور اسے ورغلانے لگی، یہاں تک کہ وہ نوجون اس کے پیچھے ہولیا، جب اس کے دروازہ تک پہنچا تو وہ عورت اپنے دروازہ میں داخل ہوگئی، یہ نوجوان جب داخل ہونے لگا تو اُسے فوراً اللہ یاد آگیا، اللہ تعالیٰ کے یاد آتے ہی اس کے دل کے حجاب ظلمت اور پردۂ غفلت دُور ہوگیا اور یہ

Marfat.com

آیت اس کی زبان پر جاری ہوگئی :

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ۔ (سورۃ الاعراف، آیت ۲۰۱)

یعنی بے شک پرہیز گاروں کو جب کوئی شیطانی خیال چھو جاتا ہے تو وہ فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں اور پردۂ غفلت ان کی آنکھوں سے دُور ہو جاتا ہے اور وہ اسی وقت پاکیزگی اور صواب کی راہوں کو دیکھنے لگتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے یاد آتے ہی وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر پڑا، اس مفتونہ عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے بصد مشکل اس نوجون کو اُٹھا کر اس کے دروازہ تک پہنچایا اور دروازہ کھٹکھٹا کر جلدی سے بھاگ آئیں۔

باپ اپنے بیٹے کی تلاش میں باہر آیا اور دیکھا کہ اس کا پیارا بیٹا دروازے پر بے ہوش پڑا ہے، اس نے فوراً اپنے اہل خانہ کو بلایا اور وہ اسے اُٹھا کر اندر لے گئے، لڑکا بڑی دیر تک بے ہوش رہا، جب رات زیادہ گذر گئی تو اسے ہوش آیا، باپ نے پوچھا! پیارے بیٹے تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا ابا جان میں بخیریت ہوں، باپ نے کہا بیٹے! میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر تجھ سے پوچھتا ہوں تو مجھے تفصیلی حالات بتا دے، لڑکے نے تمام ماجرا بیان کر دیا، باپ نے کہا! بیٹے اس وقت تو نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ لڑکے نے وہی آیت پڑھ کر سنائی اور آیت پڑھتے ہی پھر بے ہوش ہوگیا، گھر والوں نے اسے بلایا تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی، بالآخر اسے غسل دے کر تجہیز و تکفین کی اور رات ہی میں قبرستان لے جا کر دفن کر دیا، صبح کو یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش آیا تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ اس نوجوان کے والد کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی تعزیت فرمائی، اور فرمایا کہ تم نے ہمیں رات کو اطلاع کیوں نہیں دی؟ مرحوم نوجوان کے باپ نے عرض کیا! حضور رات کا وقت تھا، آپ کی تکلیف کے خیال سے ہم آپ کو اطلاع نہ دے سکے،

Marfat.com

فرمایا اچھا! اَب ہمیں اس کی قبر پر لے چلو، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہمراہی اس کی قبر پر آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا :

''یافلان ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن''

اے فلاں! جو شخص اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے (دنیا میں) ڈرتا رہا اس کے لئے بہشت کے دو باغ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں اس نوجوان نے قبر کے اندر سے کہا !

''فاجابه الفتي من داخل القبر یا عمر قد اعطائیهما ربي في الجنة مرتین''

اے عمر فاروق! میرے رب نے اپنے وعدہ کے مطابق بہشت میں دو مرتبہ یعنی دو باغ عطا فرمائے، اس واقعہ کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔[1]

اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

☆ خلوص قلب سے اللہ تعالیٰ کی یاد اور دل کی گہرائی سے ذکر الٰہی کرنا صفائی قلب اور تزکیۂ باطن کا سبب ہے۔

☆ جو لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں، ان کے دل میں ایسا نور بصیرت پیدا ہو جاتا ہے جس کی روشنی میں انہیں غیر محسوس چیزیں محسوسات کی طرح نظر آتی ہیں، وہ روح کی پاکی اور پلیدی کو دیکھ سکتے ہیں، حق وصواب کی راہیں اور ابدی نجات کی منزلیں ان پر روشن ہو جاتی ہیں۔

☆ شیطان بڑے صالحین وعابدین کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے، ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، انہیں معصیت کی راہوں پر لاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی یاد کا بے پناہ

---

[1] کنز العمال، تفسیر سورۃ الرحمٰن، حدیث نمبر ۴۳۶۴ تفسیر ابن کثیر، جز ثالث، سورۃ الاعراف، زیر آیت ۲۰۱۔ احکام تمنی الموت، محمد بن عبد الوہاب نجدی، مطبوعہ ریاض سعودی عرب، ص ۴۷، ۴۸

Marfat.com

طوفان جب مرد صالح کے قلب سلیم کی گہرائیوں سے اُٹھتا ہے تو وہ گناہوں کے تمام خیلات، ناپاک تصورات اور شیطان کی تمام تر کوششوں اور قوتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے اور اس وقت اہل بصیرت کو "ان عبادی لیس لك علیهم سلطان" کا منظر نظر آتا ہے۔

☆۔ جو لوگ خشیت الٰہیہ اور خوف خداوندی میں جان دیتے ہیں اور اللہ کی راہ میں نفس امارہ سے جہاد کرتے ہوئے ریاضت کی تلوار سے قتل ہو جاتے ہیں، وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہوتے ہیں اور "فلنحیینه حیٰوة طیبة" کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

☆۔ خدا کی راہ میں اس کے خوف سے مر جانے والے ایسے زندہ جاوید ہیں کہ اگر مومن کامل ان کی قبر پر کھڑے ہو کر انہیں پکارے تو وہ جواب دیتے ہیں۔

☆۔ کاملین کی قبور پر انہیں پکارنا شرک نہیں بلکہ جائز ہے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ مبارک ہے، جن کے متعلق زبانِ رسالت نے ارشاد فرمایا: "فاقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر"۔[1]

---

[1] مشکوٰۃ، حدیث ۶۰۶۱ (ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی، شمارہ دسمبر ۱۹۷۱ء)

Marfat.com

حدیث نمبر (۳۴)

شہید کو قتل کی تکلیف

عن ابی هریرة قال: قال رسوال الله ﷺ مايجد الشهيد من مس القتل الاکمایجد احدکم من مس القرصة۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہید قتل کی تکلیف محسوس نہیں کرتا لیکن صرف ایسی کہ جیسے تم میں سے کوئی شخص چٹکی (بھرنے) یا چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اس حدیث کو ترمذی، دارمی اور نسائی نے روایت کیا، الفاظ حدیث کا مفہوم بالکل واضح ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر قتل ہونے والا قتل کی شدید تکلیف محسوس نہیں کرتا، جہاں تک ایمان اور عقیدہ کا تعلق ہے، مردمومن بارگاہ رسالت میں یہ کہہ کر جھک جاتا ہے کہ ع

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ

لیکن تاوقتیکہ زبان رسالت کے ادا کئے ہوئے الفاظ کو عقل سلیم کے معیار پر دُنیا کے روشن خیال اور صالح افراد کے ذہن نشین نہ کرادیا جائے تو علم وعقل کی دنیا میں عظمت نبوت کا وزن صحیح قائم نہیں کیا جاسکتا۔

مقتول کا قتل کی تکلیف محسوس کرنا ایک ایسا فطری امر ہے جس کو واقعات کی روشنی میں جھٹلایا نہیں جاسکتا، ہم دیکھتے ہیں کہ مقتولین کا قتل کے وقت کیا حال ہوتا ہے، ان کی چیخ و پکار، آہ وفغاں صاف اور واضح طور پر اس حقیقت کو بے نقاب کر رہی ہے کہ یہ لوگ شدید ترین تکلیف وآلام میں مبتلا ہیں، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ حدیث شریف میں کامل غور وخوض کے بعد اس استبعادِ ظاہری کو دُور کریں تاکہ زبان رسالت سے نکلے ہوئے الفاظ کے مرادی معنی

---

[1] ترمذی شریف، کتاب فضائل الجہاد، حدیث نمبر ۱۶۶۸

Marfat.com

اچھی طرح واضح ہو جائیں اور علم وعقل کی دُنیا میں نبوت ورسالت کے وقار کو نافہموں کی طرف سے کوئی صدمہ نہ پہنچے۔

حدیث زیر بحث کے فہم کو آسان کرنے کے لئے ناظرین کرام کو بخاری شریف کی ایک حدیث کے مضمون کی طرف متوجہ کرتا ہوں، خلاصہ مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ارشاد فرمائے گا کہ میں تم کو تمام دُنیا کی نعمتیں عطا فرما کر دنیا میں واپس بھیجتا ہوں، تم جنت چھوڑ کر دُنیا میں واپس جانا چاہتے ہو؟ اس ارشاد کے جواب میں تمام جنتی دُنیا میں جانے سے انکار کر دیں گے، لیکن شہید عرض کرے گا، مولا تعالیٰ مجھے دُنیا میں واپس بھیج دے، اس لئے نہیں کہ دُنیا اور اس کی نعمتیں جنت کی نعمتوں سے بہتر ہیں، بلکہ صرف اس واسطے کہ دُنیا میں پھر تیرے نام پر قتل کیا جاؤں اور زندہ ہو کر پھر دُنیا میں جاؤں اور پھر جام شہادت نوش کروں، مطلب یہ ہے کہ جنت میں سب کچھ ہے مگر ایک لذت ایسی ہے کہ جو جنت میں بھی میسر نہیں، اور وہ تیرے نام پر سر کٹانے کی لذت ہے، غیر شہید چونکہ لذتِ شہادت سے واقف نہیں، اس لئے وہ سب انکار کر دیں گے اور شہید اس لذت سے آشنا ہو چکا ہے، اس لئے تمنا کرے گا۔

یہاں اس بات کو غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جنت کی لذتوں کے سامنے سارے جہان کی لذتیں ہیچ ہیں، لیکن شہید پھر بھی یہی چاہے گا کہ میں ان سب کو چھوڑ کر شہادت کا مزہ حاصل کرنے کے لئے دنیا میں چلا جاؤں، اس سے اندازہ کیجئے کہ لذتِ شہادت کیسی ہوگی؟

یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ جنت کی ہر چیز راحت وآرام پر مشتمل ہے، اور قتل ہونا سراسر تکلیف واذیت کا موجب ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ شہید راحت وآرام کو چھوڑ کر اذیت ومصیبت کی طرف جانا چاہے گا، یہ بات تو قانونِ فطرت کے خلاف ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام قانون تو یہی ہے کہ تکلیف ومصیبت سے بچنے اور راحت وآرام حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، مگر محبت کا قانون اس کے برعکس ہے، احساس محبت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر الم میں

Marfat.com

راحت پاتا ہے اور ہر درد میں لذت محسوس کرتا ہے، محبت کا مزاج، اس کا شعور وادراک سب کچھ جداگانہ ہے، اس کے نزدیک موت میں حیات ہے، رنج میں راحت ہے، لوٹنے تڑپنے میں اسے مزہ آتا ہے، محبت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ کانٹے کو پھول سمجھتی ہے اور نار کو گلزار، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ محبت کی نگاہوں میں اس کے محبوب کا حسن و جمال سمایا ہوا ہوتا ہے، اس کے قلب وروح کی گہرائیوں بلکہ تمام روحانی نظام میں جلوہ ہائے محبوب کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اس کا دماغ شراب محبت میں چور اور آنکھیں نشۂ محبت میں مخمور ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر کسی مریض کا اپریشن کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسے کلوروفارم سنگھاتا ہے، مریض اس کے نشہ میں ایسا بے ہوش ہوتا ہے کہ اسے اپنے جسم کے کٹنے اور پھاڑے جانے کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔

جب کلوروفارم کے نشہ کا یہ حال ہے تو نشۂ شراب محبت کا کیا حال ہوگا، نشہ سونگھنے والے مریض کو جسم کے کاٹے جانے کا پتہ نہیں لگتا تو شراب الفت کے نشہ میں مخمور ہونے والوں کو سر کٹنے کا کیا احساس ہوسکتا ہے؟

یقین نہ ہو تو قرآن کریم میں سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ پڑھ لیجئے، زنانِ مصر نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال دیکھا اور چھری سے پھل تراشا چاہا تو پھل کاٹنے کی بجائے انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وقطعن ایدیھن (سورۃ یوسف)

(ان عورتوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا)

لیکن انہیں اپنے ہاتھوں کے کٹنے کا قطعاً احساس نہ ہوا، اگر انہیں احساس ہوتا تو فوراً کہتیں کہ ہمارے ہاتھ کٹ گئے، مگر اپنے ہاتھوں کے کٹنے کا ذکر نہیں کرتیں، بلکہ یہ کہتی ہیں کہ :

''حاش للہ ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم''

Marfat.com

(خدا کی قسم یہ بشر نہیں، یہ تو بزرگ فرشتہ ہے)

جن کی نگاہوں میں حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کے جلوے تھے، انہیں ہاتھوں کے کٹنے کا پتہ نہ چلا تو جن کی نظروں میں جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوے سمائے ہوئے ہوں انہیں سر کٹنے کا کیا احساس ہو سکتا ہے؟

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب فرمایا!

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب [1]

معلوم ہوا کہ شہداء چونکہ شرابِ محبت محمدی کے نشہ میں مخمور ہوتے ہیں اور ان کی نگاہوں میں حسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوے سمائے ہوتے ہیں اس لئے انہیں الم قتل کا احساس نہیں ہوتا۔ [2]

---

[1] حدائق بخشش

[2] ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی، شمارہ نومبر ۱۹۷۶ء

Marfat.com

حدیث نمبر(۳۵)

بیس تراویح

”یزید بن هارون قال: اخبرنا ابراهیم بن عثمان، عن الحکم، عن مقسم، عن ابن عباس: أن رسول الله ﷺ کان یصلي في رمضان عشرین رکعة، والوتر“۔[۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے علاوہ بیس رکعت پڑھتے تھے۔

اعتراض: بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث مرفوع پیش کی گئی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کا راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابوبکر ابن محمد کا دادا ہے، باتفاق آئمہ حدیث ضعیف ہے۔

جواب: یہ صحیح ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت ابن عباس سے بیس رکعت تراویح کے متعلق جو مرفوع حدیث روایت کی ہے، اس کا راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف ہے، مگر ایسا ضعیف نہیں کہ اس کی روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔

شاہ عبدالعزیز محدیث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی عزیزی، جلد اول، (فارسی) ص ۱۱۹ پر فرماتے ہیں:

”حال آنکہ ابوشیبہ جدّ ابوبکر آنقدر ضعف ندارد کہ روایت راو مطروح مطلق ساختہ شود“[۲]

یعنی ابوبکر ابوشیبہ اس قدر ضعف نہیں رکھتا کہ اس کی روایت کو مطلقاً نظر انداز کر دیا جائے۔

---

۱ مصنف ابن ابی شیبہ من کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۷۷۷۴

۲ فتاویٰ عزیزی (فارسی)، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ ص ۱۱۹

Marfat.com

ہاں اگر کوئی حدیث ضعیف کسی حدیث صحیح کے معارض ہوتو البتہ ساقط ہوگی، لیکن حدیث مذکور کسی حدیث صحیح کے ساتھ معارض نہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی فتاویٰ عزیزی جلد اول، ص ۱۱۹ پر فرماتے ہیں:

''آرے اگر معارض او حدیث صحیح می شد البتہ ساقط می گشت وقد سبق ان ماتیوھم معارضالہ اعنی حدیث ابی سلمۃ عن عائشۃ المتقدم ذکرہ لیس معارضالہ بالحقیقۃ فیبقی سالما''۔

یعنی اس حدیث کے معارض کوئی حدیث صحیح ہوتی تو وہ ضرور ساقط ہوتی، حالانکہ سابقاً گزرچکا ہے کہ ابوسلمہ سے حضرت عائشہ کی جس متقدم الذکر حدیث کے معارض ہونے کا وہم کیا جاتا ہے، وہ حقیقتاً اس کے معارض نہیں، لہذا حدیث (ابن عباس) معارضہ سے سالم رہی۔

علاوہ ازیں حدیث مرفوع ضعیف اگر فعل صحابہ سے مؤید ہوتو وہ اپنے مؤید ہونے کی حیثیت سے ضرور قابل احتجاج ہوتی ہے۔

یہی شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ اسی حدیث ابن عباس کے تحت فرماتے ہیں:

''کیف وقد تاید بفعل الصحابة کما رواه البیهقي في سننه باسناد صحیح''۔

یعنی یہ حدیث مرفوع کیونکر ساقط ہوسکتی ہے حالانکہ اس کی تائید فعل صحابہ سے ہوچکی ہے جیسا کہ بیہقی نے اپنی سنن میں سند صحیح کے ساتھ صحابہ کرام کا بیس رکعت پڑھنا روایت کیا ہے۔

بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ وہ فعل صحابہ، روایات کثیرہ سے ثابت ہو، اور سوائے ایک گروہ قلیل کے جمہور امت علمائے مجتہدین نیز آئمہ اربعہ کا مذہب اس کے موافق ہو[1]

---

[1] کتاب التراویح، از علامہ سید احمد سعید کاظمی

Marfat.com

حدیث نمبر(۳۶)

دنیا کی محبت اور کراہت موت

"عن ثوبان رضي الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم
یوشك الامم ان تداعي عليكم كما تداعي الاكلة الي
قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن يومئذٍ قال بل انتم يومئذ
كثير ولٰكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدور
عدوكم المهابة منكم وليقذفن فی قلوبكم الوهن قال قائل
يارسول الله وما الوهن قال حب الدنيا وكراهية الموت
رواه ابوداؤد والبيهقي في دلائل النبوة"۔ [1]

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! قریب ہے کہ گمراہوں اور بے دینوں کی جماعتیں تم پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے کھانے والے کاسۂ طعام کی طرف کھانے کے لئے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، ایک کہنے والے نے کہا کہ حضور! کیا اس زمانہ میں ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے کفار ہم پر اس طرح چڑھائی کریں گے؟ فرمایا نہیں! اس وقت تمہاری تعداد بڑی کثیر ہوگی لیکن تم سیلاب کے جھاگ اور پانی پر بہنے والے خس وخاشاک کی طرح ہوگے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارے رعب کو نکال لے گا اور تمہارے دلوں میں سستی ڈال دے گا، ایک عرض کرنے والے نے عرض کیا حضور! سستی سے کیا مراد ہے یا سستی کا سبب کیا ہوگا؟ ارشاد فرمایا! دنیا کی محبت اور موت سے کراہت، اس حدیث کو ابوداؤد نے اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا۔

---

[1] ابوداؤد شریف، کتاب الملاحم، حدیث ۴۲۹۷

Marfat.com

حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مبارک حدیث میں ایسے عظیم الشان غیب کی خبر دی ہے جس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے قلوب میں خوف وخشیت الٰہی کے نشانات پائے جاتے ہوں، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لسان رسالت نے اُمت مرحومہ کے آخری دور کا جو نقشہ اس حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے، اس کے نشانات نمایاں طور پر اس زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔

حدیث پاک میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ اطراف عالم کے کفار کا ہم پر چڑھائی کرنا اور لقمۂ تر سمجھ کر ہمیں ہضم کر جانے کے لئے ان کا ہماری طرف دوڑنا صرف اس لئے ہوگا کہ ہم اس وقت پانی کے جھاگ کی طرح کمزور اور بے وزن ہوں گے، اسی لئے ہمارے دشمنوں کے دلوں میں ہمارا کوئی رعب نہ ہوگا اور ہمارے دل سستی اور بزدلی کے اثرات سے متاثر ہوں گے، ہماری اس سستی کا سبب بھی یہاں مذکور ہے اور وہ دنیا کی محبت اور موت کی کراہیت ہے، درحقیقت ہماری کمزوری، بے وزنی، بزدلی اور تباہی کا سنگ بنیاد یہی آخری چیز ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں میں بھی ایسا ایک مسلمان ملنا مشکل ہے جس میں حُب دنیا اور کراہیت موت کے نشانات نہ پائے جاتے ہوں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسانی عظمت کا نشان یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل حب دنیا اور کراہیت موت سے خالی ہو، اور بجائے اس کے آخرت کی محبت اور خدا کی راہ میں جان دینے کا جذبہ کامل اس کے دل میں پایا جائے، آج ایسے ہی لوگوں کو تلاش کرتے ہوئے نگاہیں بے ساختہ بول اُٹھتی ہیں کہ ؎

یارب وہ کہیں مرد مسلماں نظر آئے
جس میں اثر عظمت انساں نظر آئے

قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں انسانی عظمت کے یہ نشانات بدرجہ اتم پائے جاتے تھے، ان کے مقدس دلوں میں دنیا کی محبت نہ تھی، اسی لئے انہوں نے یہاں کی لذتوں اور

Marfat.com

راحتوں اور دنیا کی رنگینیوں سے نفرت فرمائی، اور رضائے الٰہی کے پیش نظر ہمیشہ آخرت کی طرف متوجہ رہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جسے دنیا کی لذتوں اور راحتوں سے نفرت ہو وہ یہاں کی زندگانی سے کب خوش ہوگا، جس عالم سے اس کو محبت ہے وہیں جانے کی فکر میں لگا رہے گا اور وہیں کی حیات کو پسند کرے گا، نتیجہ یہ نکلا کہ جس کا دل حب دنیا سے خالی ہے وہ حیات دنیا کی محبت میں بھی گرفتار نہیں، اس لئے موت سے اس کو کراہت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اسے لقاء حبیب کا وسیلہ سمجھ کر نہایت خندہ پیشانی سے قبول کرلیتا ہے، اور اس کے برعکس دنیا کی محبت میں مبتلا ہونے والا حیات دنیا پر حریص ہوتا ہے اور موت سے اس کو کراہت ہوتی ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ موت ہادم لذات ہے، جب اس کا دل لذات دنیویہ میں گرفتار ہے تو وہ موت کو کب پسند کرسکتا ہے؟ اس لئے حب دنیا کے لئے کراہیت موت لازم ہے۔

اس حدیث سے کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فتح وشکست کا سبب بھی معلوم ہوگیا کہ جب مسلمانوں میں حب دنیا اور کراہیت موت کے اثرات پائے جائیں گے تو ان کی ہوا اُکھڑ جائے گی، وہ بے وزن ہوجائیں گے، دشمن کے دل میں ان کا رعب باقی نہ رہے گا اور انقلاب زمانہ کی گردشیں انہیں پانی کے جھاگ اور سیلاب کے خس وخاشاک کی طرح بہادیں گی، اور جس وقت قلوب مومنین حب دنیا اور کراہیت موت کے اثرات سے پاک ہوں گے اور ان میں اس کی بجائے آخرت کی چاہت اور لقائے حبیب کی خواہش ہوگی تو ان کے دشمن مرعوب ومغلوب، خائب وخاسر اور بری طرح شکست خوردہ ہوکر ذلیل وناکام ہوں گے، اور فتح ونصرت مسلمانوں کا استقبال کرے گی، یہی وجہ تھی کہ ہمارے سلف صالحین کو باوجود قلت تعداد اور شدید مشکلات کے وہ حیرت انگیز فتوحات حاصل ہوئیں، جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی، اور اب ہم کروڑوں کی تعداد میں ہیں مگر دشمن کی نگاہ میں ہمارا کوئی وزن نہیں اور ہر طرف سے کفار ومشرکین ہم پر یورش کررہے ہیں، اس کا علاج صرف یہی ہوسکتا ہے کہ ہمارے دل ایک مرتبہ پھر حب دنیا سے خالی ہوکر لقاء حبیب کی آرزو سے لبریز ہوجائیں

Marfat.com

اور اسی دھن میں یہ زندگی ہمیں وبال جان محسوس ہونے لگے اور اس طرح موت سے کراہیت کی بجائے ہم خندہ پیشانی سے اس کے استقبال کا جذبہ اپنے دل میں پائیں اور یہ سمجھ لیں کہ خدا کی محبت کے ساتھ اس کی راہ میں جان دینا مرنا نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے جینا ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما[1]

---

[1] ماہنامہ "قائد" ملتان، شمارہ مارچ، اپریل ۱۹۵۱ء

Marfat.com

حدیث نمبر (۳۷)

حدیثوں میں اختلاف اور رائے کی اہمیت

''عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال النبي ﷺ يوم الاحزاب: لا يصلين احد العصر الا في بني قريظة: فادرك بعضهم العصر في الطريق فقال بعضهم: لا نصلي حتي ناتيها وقال بعضهم: بل نصلي لم يرد منا ذلك فذكر ذلك للنبي ﷺ فلم يعنف واحدا منهم ''۔[1]

خلاصہ حدیث یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو بنو قریظہ (یہودیوں کا ایک قبیلہ) کی جانب بھیجا اور ارشاد فرمایا!

لا يصلين احد العصر الا في بني قريظة
یعنی تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر۔

اور مسلم شریف، باب المبادرة (حدیث ۱۷۷۰) میں حدیث یوں ہے کہ:

لا يصلين احد الظهر الا في بني قريظة
تم میں سے کوئی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے۔

اب دیکھئے کہ ظہر، عصر کا مغائر ہے کہ نہیں؟ اگر کوئی عصر کی نیت کر کے ظہر کی نماز پڑھ لے تو کیا اس کی نماز ہوگی؟ ہرگز نہیں ہوگی کیونکہ عصر اور ہے اور ظہر اور ہے، اب بنو قریظہ کی جانب جس جماعت کو حضور ﷺ نے بھیجا اس کے لئے حضور ﷺ کے الفاظ بخاری میں ہیں کہ تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر، اور مسلم شریف کے الفاظ ہیں کہ تم میں سے کوئی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے، معلوم ہوا کہ دونوں حدیثوں میں تغائر ہے اور حدیثوں میں یہ اختلاف ایک حقیقت ثابتہ ہے۔

---

[1] بخاری شریف، باب مرجع النبی ﷺ، حدیث ۴۱۱۹

Marfat.com

اَب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر رائے کا الزام لگانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ بتاؤ جو جماعت حضور ﷺ نے بنو قریظہ کی جانب بھیجی، اس جماعت کو آپ نے ظہر کی نماز کے بارے میں فرمایا یا عصر کی نماز کے متعلق؟ بتاؤ ان مختلف احادیث میں تطبیق کیسے کرو گے؟

کیا رائے کے بغیر کام چلے گا؟ ہر گز نہیں، رائے کے بغیر یقیناً کام نہیں چلے گا، کیونکہ تم رائے کے بغیر دونوں حدیثوں میں تطبیق نہیں کر سکتے، زیادہ سے زیادہ محدثین کے حوالے سے یہ کہو گے کہ دونوں حدیثیں تعدد واقعہ پر محمول ہیں، یعنی ایک جماعت کو حضور ﷺ نے ظہر سے پہلے بھیجا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے، اور دوسری جماعت کو حضور ﷺ نے عصر سے پہلے روانہ کیا اور فرمایا تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن میں کہتا ہوں کہ تعدد واقعہ پر کوئی دلیل لاؤ اور کوئی ایسی حدیث بھی پیش کرو جس سے ثابت ہو کہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کو ظہر سے پہلے بھیجا اور دوسری جماعت کو ظہر کے بعد بھیجا ہو، لیکن دس ہزار مرتبہ بھی تم مر کر زندہ ہو جاؤ تو تعدد واقعہ پر تم حدیث نہیں لا سکتے، معلوم ہوا کہ محدثین نے یہ توجیہ اپنی رائے سے کی ہے، اور رائے کو ہم مانتے ہیں تم نہیں مانتے، اگر تم پاؤں چھپاتے ہو تو سر کھلتا ہے اور سر چھپاتے ہو تو پاؤں کھلتے ہیں۔

اَب ہوا یہ کہ جب حضور ﷺ نے اس جماعت کو بھیجا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ہی وقت اتنا تھوڑا رہ گیا کہ اگر بنو قریظہ پہنچتے ہیں تو عصر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے، اَب مسئلہ پیدا ہو گیا کہ حضور ﷺ کا تو حکم یہ ہے کہ لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة یعنی تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچے بغیر نہ پڑھے لیکن اس صورت میں تو نماز قضاء ہو جاتی ہے اور اگر نماز پہلے ادا کرتے ہیں تو حضور ﷺ کی حکم عدولی ہوتی ہے، اَب اس اختلاف کی صورت میں بعض صحابہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

Marfat.com

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا" [1]

"بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقرر کیا ہوا فرض ہے" [2]

نماز فرض موقت ہے لہذا وقت سے مفر نہیں کیا جائے گا اور ہم ابھی نماز عصر ادا کریں گے تاکہ نماز وقت پر ادا ہو جائے اور حضور ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ تم اتنی جلدی چلنا کہ نماز عصر بنو قریظہ جا کر ادا کرو، اب اتنی جلدی نہیں چلے تو یہ ہماری غلطی ہے، چنانچہ ہم نماز ادا کر لیتے ہیں، اس لئے ایک جماعت نے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا کی، مگر کچھ صحابہ نے کہا کہ قضا اور ادا تو ہم جانتے نہیں، ہم تو حضور ﷺ کے فرمان پر عمل کریں گے کہ نماز عصر بنو قریظہ پہنچے بغیر نہیں پڑھیں گے، اب صحابہ کرام کی دونوں جماعت میں اختلاف ہو گیا، کیونکہ دونوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا، اور جب یہ دونوں جماعتیں یعنی اپنی رائے سے کام لینے والی حضور اکرم ﷺ کے سامنے پہنچیں تو حدیث میں آتا ہے کہ "فلم یعنف واحدا منھم"۔ یعنی حضور ﷺ نے کسی بھی جماعت سے ناراضگی نہیں فرمائی۔

مجھ سے درس حدیث میں کسی طالب علم نے سوال کیا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے اظہار ناراضگی کسی جماعت کے لئے نہیں فرمایا، لیکن یہ بتایئے کہ آپ ﷺ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ فلاں جماعت صواب پر تھی اور فلاں خطاء پر، میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ میری اُمت میں قیامت تک اجتہاد کا سلسلہ جاری رہے گا اور لوگ قیامت تک مجتہدین کے اجتہاد پر عمل کرتے رہیں گے اور ان کے اجتہاد کی خطاء ظاہر نہیں ہوگی، اس لئے آپ ﷺ نے پردہ پوشی فرمائی، تاکہ دونوں جماعتوں کو ان کا ثواب ملتا رہے، اب اللہ تعالیٰ بھی اجتہاد کرنے پر ان سے ناراض نہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ ان سے ناراض ہیں، اگر کوئی ناراض ہوتا پھرے تو ہوا کرے۔ [3]

---

[1] سورۃ النساء، آیت ۱۰۳   [2] البیان ترجمہ قرآن از علامہ کاظمی قدس سرہ

[3] خطبات کاظمی، حصہ اول، مطبوعہ علی پور ضلع مظفر گڑھ

Marfat.com

حدیث نمبر (۳۸)

حدیث افک: ام المؤمنین کی پاکدامنی

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ.........

طویل حدیث اِفک کے متعلق یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاعلمی ظاہر فرمائی۔[1]

بخاری شریف میں اسی حدیث اِفک میں یہ الفاظ موجود ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!
"واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا"
(خدا کی قسم! میں نے اپنے اہل مقدس پر بجز خیر کے کچھ نہیں جانا)

اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قسم ارشاد فرما کر اپنے علم کا اعلان فرما رہے ہیں، مگر منکرین کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم پر یقین نہیں آتا۔

اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف سے توجہ کو کم کر دینا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ اس تہمت کے بعد غیرت محمدیہ کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف نہ ہو، اُس وقت تک سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توجہ میں کمی فرمائیں، تاکہ کسی دشمن کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غمگین ہونا بھی اسی وجہ سے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیقہ کی بے گناہی کا یقین رکھتے تھے، صدمہ تو یہی تھا کہ بے گناہ پر تہمت لگی، اگر ان کی بے گناہی کا علم نہ ہوتا تو

---

[1] بخاری شریف، کتاب المغازی، حدیث ۴۱۴۱

Marfat.com

اس قدر صدمہ بھی نہ ہوتا، اگر آج ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کو بے گناہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا تو ہمیں ضرور صدمہ ہوگا، اور اگر اس کی بے گناہی کا علم نہ ہو تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیقہ کے معاملہ کی تفتیش خود علم حاصل کرنے کے لئے نہیں فرمائی بلکہ حضرت صدیقہ کی پاکدامنی کو ان مسلمانوں کے ذہن میں قائم کرنے کے لئے فرمائی جو مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے، جب ان کے دلوں میں حضرت صدیقہ کی طرف سے بدگمانی راسخ ہو چکی تھی تو بمقتضائے فطرت بشریہ یہ بات قرین قیاس تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بذاتِ خود صدیقہ کی پاکی پر زور دیں تو شاید وہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی بدگمان ہو جائیں اور یہ خیال کریں کہ ان کی عزت کا معاملہ ہے، اس لئے اس طرح فرما رہے ہیں، یہی وجہ تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اس معاملہ میں زور نہیں دیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہمارے حق میں بدگمان ہو کر کفر و ارتداد تک پہنچ جائیں، یہاں یہ شبہ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقولہ "واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا" ان اصحاب نے بھی سنا ہوگا، پھر بھی یہ اپنی بدگمانی پر قائم رہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اول تو یہ ثابت نہیں کہ بدگمانی کرنے والے صحابہ نے یہی جملہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو، اور اگر بالفرض سنا بھی ہو تو اپنے قیاس سے اس کو محض حسن ظن پر محمول کیا ہوگا۔

بہر حال اس تحقیق و تفتیش کی حکمت صرف یہ تھی کہ اسباب عادیہ مالوفہ طبائع بشریہ کے ذریعہ حضرت صدیقہ کی پوزیشن کو بدگمانی کرنے والے مسلمانوں کے ذہن میں بھی واضح اور صاف کر دیا جائے اور منافقین پر بھی حجت قائم کر دی جائے کہ دیکھو اتنی تحقیق کے بعد بھی کوئی برائی ظاہر نہیں ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی برائی پائی ہی نہیں جاتی۔

ایک مہینہ یا اس سے زائد تک اس معاملہ کو طول دینے کی حکمت بھی یہی تھی کہ اگر جلدی سے معاملہ ختم کر دیا جاتا تو لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات رہ جاتے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکمت عملی کے مطابق معاملہ کو طول دیا کہ جس طرح چاہو اس طویل عرصہ میں

Marfat.com

واقعات کی چھان بین کرلو، جب کوئی برائی موجود ہی نہیں تو ظاہر کہاں سے ہوگی۔

دیکھئے اگر کسی پر تہمت لگائی جائے کہ تم نے ہمارے سو روپئے چرالئے ہیں، اور وہ شخص متہم کو اپنے کپڑوں کی تلاشی دینے لگے اور اپنے گھر اور سامان کی ایک ایک چیز لاکر دکھادے اور لوگوں سے دریافت کرائے کہ بھائی تم نے میرے پاس سو روپے دیکھے ہیں؟ تمہیں علم ہے بھائی! تم بتاؤ میں نے کبھی چوری کی ہے؟ تو اس کا کیا مطلب ہے، کیا اس تحقیق کرنے والے کو اپنا حال معلوم نہیں؟ کیا یہ خود اپنا علم حاصل کرنے کے لئے معاملہ کو طول دے کر اس کی تحقیق کررہا ہے؟

نہیں، نہیں! بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اچھی طرح اس معاملہ کی تحقیق نہ کرائی گئی تو میری بے گناہی واضح نہ ہوگی، اور لوگوں کے دلوں میں میری طرف سے بدگمانی باقی رہے گی۔

بالکل یہی معاملہ یہاں تھا، سرور کائنات ﷺ کو صدیقہ کی پاکی کا یقین تھا مگر ان حکمتوں کے پیش نظر بے توجہی اور تحقیق و تفتیش کرائی گئی اور معاملہ کو طول دیا گیا تاکہ حضرت صدیقہ کی پاکدامنی ہر طریقہ سے ظاہر ہوجائے، اسی حکمت کے تحت ان کی برأت قرآن مجید میں تاخیر سے نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا کہ اے صدیقہ! اگر تم سے کوئی گناہ ہوا ہے تو تم توبہ کرلو، اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے، حضرت صدیقہ اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ حضور ﷺ خود علم حاصل کرنے کرنے لئے یہ بات نہیں فرمارہے، بلکہ دوسروں کے اذہان کو میرے حق میں بدگمانی سے پاک فرمانے کے لئے یہ کلمات طیبات ارشاد ہورہے ہیں، لہذا جواب میں جمع کے صیغے بولتی ہیں، اور ایسے الفاظ فرماتی ہیں جن کے مخاطب حقیقتاً حضور ﷺ ہو ہی نہیں سکتے، فرماتی ہیں!

إِنِّي وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَقَدْ سَمِعْتُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ حَتّٰى اسْتَقَرَّ فِي أَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ فَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنِّي بَرِيئَةٌ لَا تُصَدِّقُونِي

Marfat.com

وَلَئِنْ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنِّي مِنْهُ بَرِيئَةٌ لَتُصَدِّقُنِّي فَوَاللّٰهِ لَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ حِينَ قَالَ (فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ)

(خدا کی قسم مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں نے یہ بات سنی ہے اور تمہارے دلوں میں قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے، اگر میں تم سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تم ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے اور اگر تمہارے سامنے کسی ایسے امر کا اقرار کرلوں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو مجھے سچا مان لو گے! تو خدا کی قسم جب میرے اور تمہارے لئے سوائے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اور مثل نہیں، جیسا انہوں نے یہ فرمایا کہ "فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ۔

خدا کے لئے ان الفاظ پر غور فرمائیے کہ یہ بات تمہارے دلوں میں قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے، کیا اس کلام کے مخاطب حضور ﷺ ہو سکتے ہیں؟ کیا سرورِ عالم ﷺ کے قلبِ اطہر میں نعوذ باللہ حضرت صدیقہ کی برائی بیٹھ چکی تھی؟ کیا حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمادی تھی؟ جو لوگ اس معاملہ میں حضور ﷺ کے علم کے منکر ہیں، وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ حضور ﷺ نے تو قسم کھا کر ارشاد فرمایا تھا کہ واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا، اس کلام کو اگر حسن ظن پر بھی محمول کر دیا جائے تب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق حضور ﷺ کا حسن ظن ثابت ہوگا، حسن ظن کے ساتھ ان کی برائی کا دل میں بیٹھ جانا اور اس کی تصدیق کر دینا کیسے جمع ہو سکتا ہے؟

معلوم ہوا کہ حضرت صدیقہ نے اگرچہ بظاہر حضور ﷺ کو مخاطب بنایا، مگر اپنے اس خطاب کا رخ ان ہی لوگوں کی طرف رکھا جو منافقین کے بہکانے میں آ کر مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے میں مبتلا ہو گئے تھے، اور ان کے دل میں حضرت صدیقہ کی طرف سے

Marfat.com

برائی بیٹھ گئی تھی، اور انہوں نے تہمت لگا کر اس کی تصدیق بھی کر دی تھی، اگر اس کلام کے مخاطب حضور علیہ السلام ہوں تو نعوذ باللہ حضور ﷺ بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہوں گے، کیونکہ کسی پر برائی کی تصدیق کرنا ہی تہمت ہے، اللہ کے پیارے حبیب ﷺ اس سے پاک ہیں۔

تفسیر کبیر میں (سورۃ التحریم، آیت ۱۲ کے تحت) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک حدیث نقل کی :

''ما بغت امرأة نبي قط''

(کسی نبی کی بیوی نے کبھی بے حیائی کا کام نہیں کیا)

حضرت ابن عباس ایسی بات جو عقل سے وراء الوراء ہے اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے، یقیناً حضور علیہ السلام سے سُن کر فرما رہے ہیں، لہٰذا حدیث حکماً مرفوع ہوئی۔

اس حدیث میں حضور سرور عالم ﷺ نے ایک ایسے امر کا بیان فرمایا جو لوازمات نبوت سے ہے اور وہ یہ کہ کسی نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کی بیوی بدکار ہو وہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے، اور اس کی بات بالکل حقیر ہوتی ہے، لوگوں کے ذہن میں ایسے شخص کی بات کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا، پھر یہ کہ اس میں ذرا بھی حیا کا مادہ ہے تو وہ لوگوں کے سامنے منہ نہیں دکھا سکتا، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام ہدایت خلق اور پیغامات ربانی پہنچانے کے لئے دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں، نعوذ باللہ وہ ذلیل نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو ذلت کے اسباب سے محفوظ رکھتا ہے، نہ ان کی بات حقیر ہو سکتی ہے، اگر نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام کی بیویوں سے ایسی ناشائستہ حرکات سرزد ہوں تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں، ایسی صورت میں احکام الٰہی کی تبلیغ کس طرح ہو سکتی ہے، لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی بیویوں سے بے حیائی متصور نہیں، بعض انبیاء کی بیویاں کافر ہوئیں لیکن بے حیا نہیں ہوئیں، کفر تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے، مگر اس میں فحش اور بے حیائی نہیں۔

Marfat.com

جب آپ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج انبیاء کی پاکدامنی اور عفت کا لازمہ نبوت ہونا بیان فرمایا ہے، تو اب اس امر پر غور فرمائیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیقہ کی پاکی میں کس طرح شک فرما سکتے ہیں، اگر صدیقہ کی پاکی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک یقینی نہ ہو تو پھر اپنی نبوت بھی نعوذ باللہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک یقینی نہ رہے گی، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی نبوت پر ایمان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے ہیں کہ نبی کی بیوی پاک ہوتی ہے تو ان دونوں کے ملانے سے نتیجہ واضح ہو جاتا ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت صدیقہ کی پاکی میں ذرہ برابر بھی شک نہ تھا، کیونکہ حضرت صدیقہ کی پاکی میں شک خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی رسالت میں شک کو مستلزم ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رسالت میں شک کرنے سے بالکل پاک ہیں، لہذا حضرت صدیقہ کی پاکی میں شک کرنے سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعاً پاک اور مبرا ہیں۔[1]

---

[1] تقریر منیر از علامہ سید احمد سعید کاظمی، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کچہری بازار ملتان، تیسرا ایڈیشن، صفحہ ۲۶ تا ۳۳

Marfat.com

حدیث نمبر (۳۹)

ابلاغ درود

"اخبرنا علي بن محمد بن بشران انبأ ابو جعفر الرازي ثنا عيسي بن عبد الله الطيالسي ثناء العلاء بن عمرو الحنفي ثنا ابو عبد الرحمن عن الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة عن النبي ﷺ قال " من صلي علي عند قبري سمعته و من صلي علي نائياً منه ابلغته" ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدي فيما اُري وفيه نظر"۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیاً منه ابلغته" یعنی جس شخص نے میری قبر کے پاس آکر مجھ پر دُرود پڑھا، میں اُسے سنتا ہوں، اور جس نے مجھ پر دُور سے دُرود پڑھا تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دُرود کا علم کس طرح ہوتا ہے، حضور ﷺ خود سنتے ہیں یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچا دیا جاتا ہے، تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ کہ قبر انور پر دُرود پڑھا جائے تو حضور ﷺ سنتے ہیں، اور دُور سے پڑھنے والوں کا دُرود حضور ﷺ نہیں سنتے، بلکہ فرشتے حضور ﷺ کو پہنچا دیتے ہیں، یہ لوگ اپنے قول کی دلیل میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیاً منه ابلغته" یعنی جس شخص نے میری قبر کے پاس آکر مجھ پر دُرود پڑھا، میں اُسے سنتا ہوں، اور جس نے مجھ پر دُور سے دُرود پڑھا تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

---

[1] رسالہ حیات الانبیاء للبیہقی، مطبوعہ مکتبہ العلوم والحکم، مدینہ منورہ، ۱۹۹۳ء ص ۱۰۳

Marfat.com

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا سننا اسی وقت ہوتا ہے جب قبر شریف کے پاس دُرود پڑھا جائے، اور جو دُرود دُور سے پڑھا جائے اُسے حضور ﷺ نہیں سنتے، وہ فرشتوں کے ذریعے حضور ﷺ کو پہنچادیا جاتا ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک ہر شخص کا دُرود وسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سنتے ہیں، دُرود وسلام پڑھنے والا خواہ قبر انور کے پاس حاضر ہو یا کہیں دُور ہو، قریب اور دُور کا فرق رسول اللہ ﷺ کے لئے نہیں، بلکہ دُرود وسلام پڑھنے والے کے لئے ہے، نزدیک اور دُور کی قید عالم امر کے لئے نہیں، اس لئے کہ روح زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے، جب عام ارواح اس قید میں مقید نہیں تو روحِ اقدس جو روح الارواح ہے قرب و بعد کی قید میں کیونکر مقید ہوسکتی ہے؟

علاوہ ازیں اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ کہاں ارشاد فرمایا ہے کہ دُور سے دُرود پڑھنے والے کا دُرود صرف فرشتوں کے ذریعہ مجھے پہنچتا ہے میں اسے مطلقاً نہیں سنتا، حضور ﷺ کے دُرود وسلام سننے اور آپ کی خدمت میں پہنچائے جانے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، اگر ان سب کو سامنے رکھ کر فکرِ سلیم سے کام لیا جائے تو یہ مسئلہ بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔

یہ حدیث تو ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ جس نے میری قبر کے پاس آکر مجھ پر دُرود پڑھا، میں اُسے سنتا ہوں، اور جس نے مجھ پر دُور سے دُرود پڑھا تو وہ مجھے پہنچادیا جاتا ہے، دوسری حدیث میں وارد ہے :

"عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلي علي عند قبري وكل الله به ملكا يبلغني وكفي امر دنياه وآخرته وكنت له يوم القيامة شهيدا او شفيعا"۔

حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس

Marfat.com

آ کر مجھ پر دُرود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے جو اس کا دُرود مجھے پہنچا دیتا ہے اور وہ اپنے امر دنیا اور آخرت کی کفایت کیا جاتا ہے، اور میں اس کے لئے قیامت کے دن شہید یا شفیع ہوں گا۔

یہ حدیث ''جذب القلوب'' ص ۱۸۲ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی اور جلاء الافہام ص ۱۴ میں ابن قیم نے لکھی اور اس کے ایک راوی ''محمد بن موسیٰ'' کے متعلق لکھا۔ لکن محمد بن موسیٰ هذا هو محمد بن موسیٰ الکدیمی متروك الحدیث"، میں عرض کرتا ہوں کہ بعض محدثین نے اسے متروک الحدیث کہا ہے، مگر جلیل القدر محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے، چنانچہ خطیب نے کہا کان حافظا کثیر الحدیث اور ابو الاحوص کا قول ہے تسألونی عن الکدیمی هو اکبر منی واکثر علما ما علمت الا خیرا، اور امام احمد بن حنبل کے بیٹے (عبداللہ بن احمد بن حنبل) نے فرمایا سمعت ابی یقول کان محمد بن یونس الکدیمی حسن المعرفۃ حسن الحدیث اور خلیلی نے کہا بذاك القوی ومنهم من یقویة۔[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قبر شریف پر جو دُرود پڑھا جاتا ہے، اسے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے فرشتہ پیش کرتا ہے، اَب اگر فرشتہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں دُرود پیش کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سننے کے منافی ہو تو اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ میری قبر انور پر جو دُرود پڑھا جائے میں اسے بھی نہیں سنتا، ایسی صورت میں یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض ہوگی جس میں صاف موجود ہے ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' (جو میری قبر پر دُرود پڑھتا ہے، میں اُسے سنتا ہوں)

علاوہ ازیں جس طرح اس حدیث سے قبر انور کے پاس دُرود پڑھنے والے کے

---

[1] تہذیب التہذیب، جلد ۹، ص ۵۴۰، ۵۴۴

Marfat.com

دُرود کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچایا جانا ثابت ہوا، اسی طرح بعض دیگر احادیث سے دُور کا دُرود شریف سننا حضور ﷺ کے لئے ثابت ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ما من احدٍ یسلم علی الا ردّ اللہ الی روحی حتی اَرد علیہ السلام" [1]

(نہیں کوئی جو سلام پڑھے مجھ پر لیکن اللہ تعالیٰ میری طرف میری روح لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں)

اس حدیث میں "ما" نافیہ ہے، "احد" نکرہ ہے، سب جانتے ہیں کہ نکرہ حیز نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے، پھر "من" استغراقیہ عموم و استغراق پر نص ہے یعنی مجھ پر سلام بھیجنے والا کوئی شخص ایسا نہیں، جس کے سلام کی طرف میری توجہ مبذول نہ ہوتی ہو، خواہ وہ قبر انور کے پاس ہو یا دُور ہو، ہر ایک کے سلام کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں، اور ہر شخص کے سلام کا خود جواب دیتا ہوں۔

یہ حدیث اس امر کی روشن دلیل ہے کہ دُرود پڑھنے والے ہر فرد کا دُرود حضور ﷺ خود سنتے ہیں، اور سن کر جواب بھی دیتے ہیں خواہ وہ شخص قبر انور کے پاس ہو یا دُور ہو، دیکھئے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث "الا ردّ اللہ روحی" پر کلام کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"ویتولد من ھذا الجواب جواب آخر وھو ان یکون الروح کنایۃ عن السمع ویکون المراد ان اللہ تعالیٰ یردّ علیہ سمعہٗ الخارق للعادۃ بحیث یسمع سلام المسلم وان بعد قطرہ"۔

(اور اس جواب سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ردِّ روح سے یہ مراد ہو کہ اللہ

---

[1] رواہ احمد و ابو داؤد و البیہقی فی شعب الایمان

Marfat.com

تعالیٰ حضور ﷺ پر آپ کی سمع خارق للعادۃ کو لوٹا دیتا ہے، اس طرح کہ حضور ﷺ پر سلام بھیجنے والے کے سلام کو سنتے ہیں خواہ وہ کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دُور سے پڑھنے والے کا دُرود بھی سنتے ہیں)

اس باب میں اور بھی احادیث وارد ہیں، لیکن ہم نے قدر ضرورت پر اکتفا کیا اور ہماری پیش کردہ حدیثوں سے ثابت ہوگیا کہ جس طرح قبر انور کے پاس دُرود پڑھنے والے کا دُرود حضور ﷺ سنتے ہیں اسی طرح دُور کا دُرود بھی حضور ﷺ اپنے سمع مبارک سے سنتے ہیں اور جس طرح دُور کا دُرود حضور ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے، اسی طرح قبر انور پر جو دُرود پڑھا جائے، اُسے بھی ایک فرشتہ حضور ﷺ پر پہنچاتا ہے۔

ثابت ہوا کہ پہنچانا سننے کے منافی نہیں اور سننا پہنچانے کے معارض نہیں، یعنی قرب اور دُور کا دُرود حضور ﷺ سنتے بھی ہیں اور یہی دُور اور نزدیک کا دُرود حضور ﷺ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

اس تقریر پر یہ شبہ وارد ہوگا کہ پہلی حدیث "من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیاً ابلغته میں "ابلغته" اور "سمعته" باہم متقابل معلوم ہوتے ہیں اور تقابل کی صورت میں سمع کا ابلاغ کے ساتھ جمع ہونا محال ہے، لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب فرشتے دُرود پہنچاتے ہیں تو اس وقت حضور ﷺ نہیں سنتے۔

جس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ جب ہم نے احادیث کی روشنی میں ثابت کر دیا کہ جو دُرود قبر انور کے پاس پڑھا جائے اسے بھی فرشتے پہنچاتے ہیں، نیز یہ کہ نزدیک و دُور سے ہر ایک دُرود پڑھنے والا جب دُرود پڑھتا ہے تو وہ اِس حال میں پڑھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی طرف حضور کی روح مقدس اور سمع مبارک لوٹائی ہوئی ہوتی ہے اور حضور ﷺ ہر ایک کا دُرود سُن کر خود جواب دیتے ہیں، تو اس کے بعد اس شبہ کے لئے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

Marfat.com

رہا تقابل، تو اس کے لئے مطلق سمع ضروری نہیں بلکہ سمع مخصوص بھی تقابل کے لئے کافی ہے، اور وہ التفات خصوصی ہے اور برتقدیر صحت حدیث مطلب یہ ہے کہ قبر انور پر آ کر دُرود پڑھنے والا چونکہ حاضری کی خصوصیت کا حامل ہے اس لئے اس کا دُرود اس قابل ہے کہ اسے التفات خاص کے ساتھ سنا جائے۔

بلکہ قبر انور پر حاضری کی خصوصیات پر کیا منحصر ہے، دُور کے لوگ بھی اگر اسی قسم کی کوئی خصوصیت رکھتے ہوں، مثلاً کمال محبت و اشتیاق سے دُرود پڑھیں تو ان کے دُرود و سلام کے لئے بھی سمع خصوصی اور مخصوص التفات و توجہ کے ساتھ سمع اقدس کا پایا جانا کچھ بعید نہیں، بلکہ دلائل الخیرات کی ایک حدیث اس دعویٰ کی مثبت ہے، صاحب دلائل الخیرات نے حضور ﷺ کا ارشاد بایں الفاظ وارد کیا:

"اسمع صلوٰۃ اهل محبتي واعرفهم"

(صاحب دلائل الخیرات نے اگرچہ اس حدیث کی سند بیان نہیں کی، لیکن تمام اکابر اولیاء اللہ اور جمیع سلاسل عالیہ کے مشائخ کرام کا دلائل الخیرات کے ضمن میں اس کی تلقی بالقبول اور عدم انکار، صحت مضمون حدیث کی روشن دلیل ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ دیگر احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ)

مختصر یہ کہ ابلاغ اور سمع خصوصی کا تقابل مراد لینے کے بعد حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص (خصوصیت کے ساتھ) میری قبر انور پر حاضر ہو کر (یا مثلاً کمال محبت و اشتیاق کی خصوصیت کا حامل ہو کر) مجھ پر دُرود پڑھتا ہے، میں اس کے دُرود کو خاص توجہ کے ساتھ سنتا ہوں اور جو شخص دُور سے (ان خصوصیات کے بغیر) مجھ پر دُرود پڑھتا ہے (سماع معتاد کے باوجود) میں اس کی طرف خاص توجہ نہیں فرماتا، صرف ملائکہ میری بارگاہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

Marfat.com

ابلاغ ملائکہ

فرشتوں کے دُرود پہنچانے کو جن لوگوں نے مطلق سماعِ اقدس کے منافی قرار دیا ہے، دراصل وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ابلاغ اور تبلیغ ملائکہ کا سبب حضور ﷺ کی لاعلمی ہے، حالانکہ یہ محض غلط ہے، کیونکہ اس سے پہلے بھی ہم ثابت کرچکے ہیں کہ قبر انور پر جو دُرود پڑھا جائے اسے حضور ﷺ سنتے بھی ہیں اور اسے ملائکہ بھی حضور ﷺ کے دربار میں پہنچاتے ہیں، اگر فرشتوں کا پہنچانا لاعلمی کی وجہ سے ہوتا تو مزارِ مبارک پر جس دُرود کو حضور ﷺ خود سن رہے ہیں، اس کے ابلاغ کی کیا ضرورت تھی؟

فرشتوں کے دُرود پہنچانے کی حکمت

دُرود کے الفاظ درحقیقت ایک تحفہ اور ہدیہ ہیں، تحفہ اور ہدیہ کے معنی کی تکمیل "مھدیٰ لہ" کے محض سننے اور جاننے سے نہیں ہوتی، بلکہ انہیں الفاظ کی پیشکش سے ہوتی ہے جو دُرود شریف کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ فرشتوں کے دُرود پہنچانے کو مُہدیٰ لہ کے جاننے یا نہ جاننے سے کوئی تعلق نہیں، یہ پہنچانا تو صرف اس لئے ہے کہ ہدیہ اور تحفہ کے معنی متحقق ہوجائیں اور بس، ہم اپنے اس بیان کی تائید کے لئے فیض الباری کی ایک عبارت ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

"و اعلم ان حديث عرض الصلوٰة علي النبي ﷺ لا يقوم دليلاً علي نفي علم الغيب وانكانت المسئلة فيه ان نسبة علمه ﷺ وعلمه تعاليٰ كنسبة المتناهي بغير المتناهي لان المقصود بعرض الملٰئكة هو تلك الكلمات بعينها في حضرة العالية علمها من قبل اولم يعلم كعرضها عند رب العزة ورفع الاعمال اليه فان تلك

Marfat.com

الکلمات مما یحیا بہ وجہ الرحمن فلا ینفي العرض العلم فالعرض قد یکون للعلم واخري لمعان اخر فاعرف الفرق'' ۔انتھي[۱]

ترجمہ: '' جاننا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دُرود پیش کرنے کی حدیث علم غیب کی نفی پر دلیل نہیں بن سکتی اگرچہ علم غیب کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ایسی ہے جیسے غیر متناہی کے ساتھ متناہی کی نسبت، یہ دلیل نہ ہونا اس لئے ہے کہ فرشتوں کی پیشکش کا مقصد صرف یہ ہے کہ دُرود شریف کے کلمات بعینہا بارگاہ عالیہ نبویہ میں پہنچ جائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کلمات کو پہلے جانا ہو یا نہ جانا ہو (بارگاہ رسالت میں کلمات دُرود کی پیشکش) بالکل ایسی ہے جیسے رب العزۃ کی بارگاہ میں یہ کلمات پیش کئے جاتے ہیں، اور اس کی بارگاہ الوہیت میں اعمال اُٹھائے جاتے ہیں، کیونکہ یہ کلمات ان چیزوں میں سے ہیں، جن کے ساتھ ذات رحمٰن جل مجدہٗ کو تحفہ پیش کیا جاتا ہے، اس لئے یہ پیشکش علم کے منافی نہیں، لہٰذا کسی چیز کا پیش کرنا کبھی علم کے لئے بھی ہوتا ہے، اور بسا اوقات دوسرے معانی کے لئے بھی، اس فرق کو خوب پہچان لیا جائے'' ۔انتہیٰ

سماع کا تعلق صرف آواز سے ہے اور فرشتوں کی پیش کش صلوٰۃ وسلام کے کلمات بعینہا سے متعلق ہے، رہا یہ امر کہ وہ کلمات بعینہا فرشتے کیونکر پیش کرتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام کے بعینہا اصل کلمات کا پیش کئے جانے کا قابل ہو جانا امر مُحال نہیں، لہٰذا تحت قدرت داخل ہوگا۔ واللہ علی مایشاء قدیر

فیض الباری کی منقولہ بالا عبارت سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ بارگاہ رسالت میں فرشتوں کا دُرود شریف پیش کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاعلمی پر مبنی نہیں، بلکہ کلمات دُرود بعینہا کو بطور

---

[۱] فیض الباری شرح بخاری: جز ۲: ص ۳۰۲

Marfat.com

تحفہ و ہدیہ پیش کرنا مقصود ہوتا ہے، سننے اور جاننے کو اس پیشکش سے کوئی تعلق نہیں۔

اس لئے قبر انور پر جو دُرود پڑھا جائے، حضور ﷺ اسے سنتے بھی ہیں اور فرشتہ بھی اسے پیش کرتا ہے، علیٰ ہذا دُور سے جو لوگ دُرود شریف پڑھتے ہیں اسے فرشتے بھی پیش کرتے ہیں اور سمع خارق للعادۃ سے حضور ﷺ استماع بھی فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ "سمعتہ" اور "ابلغتہ" کے مابین تقابل پر زور دے کر جس سماع کی نفی کی جاتی ہے وہ مطلق سماع نہیں بلکہ سماع مقید (بقید التفات خصوصی) ہے، جس کے نظائر قرآن و حدیث میں بکثرت پائے جاتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا"۔ (پ۹)

"ان (کفار جن وانس) کی آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں"۔

یہاں مطلق سمع و بصر کی نفی مراد نہیں بلکہ سمع مخصوص اور بصر خصوصی کی نفی مراد ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" ولا ینظر الیھم یوم القیامۃ" (اور نہ دیکھے گا اللہ تعالیٰ ان کی طرف قیامت کے دن)۔

یہاں بھی مطلقاً دیکھنے کی نفی نہیں، بلکہ ایک خاص قسم کے دیکھنے کی نفی فرمائی گئی ہے، جو نظر رحمت کے ساتھ دیکھنا ہے۔

حدیث شفاعت میں وارد ہے "قل تسمع "آپ کہے سنے جائیں گے)" (بخاری شریف) یہاں بھی مطلق سماع مراد نہیں، بلکہ سمع خاص مراد ہے، ایسے ہی "سمعتہ" سے سماع خصوصی، یعنی توجہ اور التفات خاص کے ساتھ سننا مراد ہے، اور اگر بر بنائے تقابل ابلغتہ کو نفی سماع پر محمول کیا جائے تو نفی اس کی ہوگی، جس کا سمعتہ سے ثبوت ہوا تھا، اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ثبوت سماع خصوصی کا ہے لہذا نفی بھی اسی سماع خاص کی ہوگی۔

Marfat.com

ایک شبہ ازالہ

اگر ابلاغ ملائکہ کے باعث سماع خاص کی نفی مراد لی جائے تو جو دُرود قبر انور پر پڑھا جاتا ہے، اس کو بھی ملائکہ پہنچاتے ہیں، ایسی صورت میں قبر انور پر پڑھے جانے والے دُرود کا بھی سماع خصوصی کے ساتھ سننا منفی قرار پائے گا۔

جواب

ہم نے جس ابلاغ کو سماع خصوصی کا مقابل مانا ہے، وہ "من صلی علی نائیاً" کی شرط سے مشروط ہے، مطلق ابلاغ ہمارے نزدیک سماع خصوصی کے منافی نہیں، پھر "نائیاً" سے بھی محض ظاہر دُوری والے مراد نہیں، بلکہ وہ تمام افراد مراد ہیں جو قرب ظاہری و معنوی کی خصوصیت سے محروم ہیں، جیسا کہ من صلی علی عند قبری کے عموم میں وہ تمام اشخاص شامل ہیں، جو عندیت ظاہری یا باطنی کی خصوصیت کے حامل ہوں۔

یہ تمام گفتگو اس تقدیر پر ہے کہ اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے، اور اگر صحیح نہ ہو، جیسا کہ ہم ابھی اس کی سند پر کلام کریں گے تو نفی سماع کی بنیاد ہی باقی نہیں رہتی۔[1]

---

[1] ماہنامہ "السعید" ملتان، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۶۲ء

Marfat.com

حدیث نمبر(۴۰)

سماعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

''قال الطبراني: حدثنا يحيیٰ بن ايوب العلاف حدثنا سعيد بن ابي مريم عن خالد بن زيد عن سعيد بن ابي هلال عن ابي الدرداء قال: قال رسول الله صلي الله عليه وسلم اكثروا الصلاة علي يوم الجمعة فانه يوم مشهود تشهده الملائكة، ليس من عبد يصلي الا بلغني صوته حيث كان، قلنا: وبعد وفاتك؟ قال: وبعد وفاتي، ان الله حرم الارض ان تاكل اجساد الانبياء''۔ ذكره الحافظ المنذري في الترغيب. وقال رواه ابن ماجه باسناد جيد[1]

ترجمہ: طبرانی نے بسند مذکور کہا، حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو، اس لئے کہ وہ یوم مشہود ہے، اُس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں، کوئی بندہ (کسی جگہ سے) مجھ پر دُرود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے وہ جہاں بھی ہو، حضرت ابودرداء فرماتے ہیں ہم (صحابہ) نے عرض کیا حضور آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

اس حدیث کو حافظ منذری نے ترغیب (والترہیب) میں ذکر کیا اور کہا کہ ابن ماجہ نے اسے بسند جید روایت کیا۔

---

[1] حافظ ابن قیم جوزی (متوفی ۷۵۱ھ)، جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام (عربی)، مطبوعہ دار الطباعۃ المحمدیۃ بالازہر بالقاہرۃ مصر ۱۳۹۲ھ، ص ۶۳

Marfat.com

(یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ سُنن ابن ماجہ میں یہ حدیث نہیں ہے پھر حافظ منذری کا رواہ ابن ماجہ بسند جید کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہ حافظ منذری نے رواہ ابن ماجہ کہا ہے "فی سُننہٖ" نہیں کہا، مرویات ابن ماجہ سُنن ابن ماجہ میں منحصر نہیں بلکہ تفسیر و تاریخ بھی ان کی تصانیف ہیں)۔

حدیث جلاء الافہام پر تھانوی صاحب کا کلام

یہ حدیث ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب جلاء الافہام میں نقل کی ہے، جس میں صراحۃً مذکور ہے کہ دُرود شریف پڑھنے والا جہاں بھی ہو اس کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ جاتی ہے۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو کسی نے یہ حدیث مع سند لکھ کر بھیجی اور سوال کیا کہ:

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی آواز کو سماع فرماتے ہیں، علاوہ اس کے کوئی معنی بیان فرمادیں تاکہ تردّد رفع ہو یا ایسا ہی عقیدہ رکھنا چاہیئے، آنحضور کا کیا ارشاد ہے"۔[۱]

تھانوی صاحب نے اس کے جواب میں سند اور متن حدیث دونوں پر کلام کیا ہے، سند پر کلام کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

"اس سند میں ایک راوی یحیٰی بن ایوب بلانسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے جن میں سے ایک غافقی ہیں، جن کے باب میں ربما اخطأ لکھا ہے یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں"۔ انتہیٰ [۲]

تھانوی صاحب جس سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ احتمال پیدا کر رہے ہیں، اُس سوال کو انہوں نے بوادر النوادر کے ص ۲۰۵ پر خود ارقام فرمایا ہے اور اس میں یہ عبارت

---

[۱] بوادر النوادر، جلد اول، ص ۲۰۵ [۲] ایضاً

Marfat.com

موجود ہے۔

حدثنا يحيي بن ايوب العلاف حدثنا سعيد بن ابي مريم الخ

کتب اسماء الرجال میں یحییٰ بن ایوب العلاف اور یحییٰ بن ایوب الغافقی دونوں کو ''علاف'' اور ''غافقی'' کے الفاظ سے ممتاز کر کے الگ الگ ذکر کیا گیا ہے، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ احتمال کہاں سے پیدا ہو گیا؟

دیکھئے تہذیب التہذیب، جلد ۱۱، صفحہ ۱۸۵ پر یحییٰ بن ایوب العلاف کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے:

يحيي بن ايوب بن بادي الخولاني العلاف روي عن ابي صالح عبدالغفار بن دائود وعمرو بن خالد الحراني ويحيي بن عبدالله بن بكر وسعيد بن ابي مريم... قال النسائي صالح۔

اس عبارت میں یحییٰ بن ایوب العلاف کا نسب مذکور ہے، اور ساتھ ہی ان کے شیوخ میں سعید بن ابی مریم کا نام بھی لکھا ہے (جن سے انہوں نے زیر بحث حدیث کو روایت کیا ہے) اور امام نسائی کی توثیق منقول ہے اور توثیق کے سوا کسی کی کوئی جرح منقول نہیں۔

اس کے بعد اگلے صفحہ ۱۸۶ پر یحییٰ بن ایوب الغافقی کا تذکرہ ہے، اُن کے متعلق بعض کی توثیق اور بعض کا تخطیہ طویل عبارت میں بالتفصیل منقول ہے۔

تھانوی صاحب کا بلا دلیل نہیں بلکہ خلاف دلیل ''علاف'' کے بارے میں ''غافقی'' کا احتمال پیدا کرنا، دیانت اور انصاف کا خون نہیں تو اور کیا ہے؟

آگے چل کر تھانوی صاحب نے فرمایا:

''دوسرے ایک راوی خالد بن زید ہیں، یہ بھی غیر منسوب ہیں، اس نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادۃ ارسال کی ہے، اور یہاں عنعنہ ہے جس میں راوی کے متروک ہونے کا

Marfat.com

اور اُس متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے“۔ انتہی[1]

حدیث معنعن پر کلام

اقول: تھانوی صاحب کے یہ تمام احتمالات بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہیں، ورنہ حدیث معنعن کا مطلقاً ساقط الاعتبار ہونا لازم آئے گا، خالد بن زید نام کے کسی راوی میں ارسال کی عادت کا پایا جانا زیرِ نظر راوی کو متعین نہیں کرتا، اور اگر بالفرض تعین ہو بھی جائے تو ارسال اتصال کے منافی نہیں، تاوقتیکہ معنعن (بالکسر) کا مدلّس ہونا ثابت نہ ہو اور راوی و مروی عنہ کی لقاء کا امکان منتفی نہ ہو جائے، تدریب الراوی میں ہے:

۱۔ فروع: احدها الاسناد المعنعن وهو قول الراوي (فلان عن فلان) بلفظ عن من غير بيان للتحديث والاخبار والسماع (قيل انه مرسل) حتي يتبين اتصاله (والصحيح الذي عليه العمل وقاله الجماهير من اصحاب الحديث والفقه والاصول انه متصل) ... (بشرط ان لا يكون المعنعن) بكسر العين (مدلسا وبشرط امكان لقاء بعضهم بعضا) اي لقاء المعنعن من روي عنه بلفظ عن فحينئذٍ يحكم بالاتصال الاأن يتبين خلاف ذلك۔ انتهي[2]

یہ عبارت اس مضمون میں صریح ہے کہ عنعنہ میں اگر راوی کا مروی عنہ سے امکان لقاء پایا جائے اور معنعن مدلس نہ ہو تو وہ حدیث متصل مانی جائے گی، تاوقتیکہ اس کا خلاف ظاہر نہ ہو۔ اگر تھانوی صاحب میں ہمت تھی تو وہ کسی دوسرے طریق سے اس کا خلاف ثابت کرتے۔

---

[1] بوادر النوادر، جلد اول ص ۱۰۵

[2] تدریب الراوی ص ۱۳۲

Marfat.com

محض کسی ہم نام راوی کی عادتِ ارسال کا دعویٰ اس حدیث کے ساقط الاعتبار ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

ارسال اور تدلیس کا فرق

علاوہ ازیں یہ کہ تھانوی صاحب نے ارسال کو اتصال کے منافی قرار دیا تھا، مگر عبارت منقولہ بالا سے ثابت ہوگیا کہ تدلیس اتصال کے منافی ہوسکتی ہے، محض ارسال کو اس کے منافی قرار دینا غلط ہے۔

ممکن ہے تھانوی صاحب ارسال ہی کو تدلیس سمجھتے ہوں، تو واضح رہے کہ تدلیس وارسال ایک نہیں، ملاحظہ فرمائیے "تدریب الراوی" ص ۱۴۰:

۲۔(تدليس الاسناد بان يروي عمن عاصره) زاد ابن صلاح اولقيه(مالم يسمعه منه بل سمعه من رجل عنه(مرهما سماعه) حيث اورد بلفظ يوهم الاتصال ولا تقتضيهاور ارسال کے معني هيںان الارسال روايته عمن لم سمع منه۔ (تدريب الراوي، ص۱۴۰)

معلوم ہوا کہ تدلیس وارسال دونوں الگ الگ ہیں، عنعنہ میں تدلیس مضر ہے، ارسال مضر نہیں، لہٰذا تھانوی صاحب کے وہ تمام احتمالات جو بلا دلیل محض اُن کے ظن فاسد کی بنا پر پیدا ہوئے تھے، لغو اور بے بنیاد ہو کر رہ گئے۔

اس کے بعد تھانوی صاحب نے فرمایا:

"تیسرے ایک راوی سعید بن ابی ہلال ہیں جن کو ابن حزم نے ضعیف اور امام احمد نے مختلط کہا وہذا کلہ من التقریب، پھر کئی جگہ اس میں عنعنہ ہے جس کے حکم بالاتصال کے لئے ثبوت تلاقی کی حاجت ہے"۔ انتہیٰ (بوادر النوادر، جلد اول، ص ۱۰۵)

Marfat.com

اقول: عنعنہ کے مسئلہ میں تھانوی صاحب کا یہ کلام ہی غلط ہے کیونکہ حدیث معنعن میں حکم بالاتصال کے لئے ثبوتِ تلاقی ضروری نہیں، صرف امکان تلاقی کافی ہے، جیسا کہ تدریب الراوی سے نقل کر چکا ہوں (وبشرط امکان لقاء بعضهم بعضا[1]

رہے تیسرے راوی سعید بن ابی ہلال جن کی تضعیف تھانوی صاحب نے ابن حزم سے نقل کی ہے، تو مجھے حیرت ہے کہ تھانوی صاحب نے تضعیف تو دیکھ لی مگر توثیق اُنہیں نظر نہ آئی، ذرا میزان الاعتدال اُٹھا کر دیکھئے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

"سعيد بن ابي هلال (ع) ثقه معروف حديثه في الكتب الستة، يروي عن نافع، ونعم المجمر، وعنه سعيد المقبري أحد شيوخه. قال ابن حزم وحده: ليس بالقوي"۔[2]

ناظرین کرام غور فرمائیں! جو راوی کتب ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ) میں معروف اور ثقہ ہو اور اس کے بعض شیوخ بھی اس سے روایت کرتے ہوں اُسے ابن حزم کے قول کی آڑ لے کر متروک قرار دینا تعصب نہیں تو کیا ہے؟

اگر ابن حزم کا قول تھانوی صاحب کے نزدیک ایسا ہی معتبر ہے تو انہیں جامع ترمذی سے بھی ہاتھ اُٹھا لینا چاہئے، کیونکہ ابن حزم نے ترمذی کو مجہول کہا ہے۔ (کما ذکر فی ما تمس اليه الحاجة، ص ۲۵، عن التعليق الممجد ناقلا وعن ذهبی)

آخر میں اتنی بات عرض کروں گا کہ حدیث زیر بحث کے متعلق حافظ منذری کا یہ قول کہ "رواه ابن ماجة بسند جيدٍ" تھانوی صاحب کے تمام احتمالات واہیہ کا قلع قمع کر دیتا ہے، اور اس بحث میں ان کی پوری دردسری کو مہمل اور بیکار بنا کر چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ تھانوی صاحب کے کسی احتمال میں ذرا بھی جان ہوتی یا ان کی تضعیف منقول میں کچھ

---

[1] تدریب الراوی ص ۱۳۲

[2] میزان الاعتدال، جلد اول ص ۳۹۳

Marfat.com

بھی قوت پائی جاتی تو ایک عظیم وجلیل محدث اس کے بارے میں بسندِ جید کے الفاظ نہ بولتا، شاید کوئی کہے کہ وہ کوئی اور سند ہوگی، تو میں عرض کروں گا کہ سند جید سے کسی اور سند کا مراد ہونا ہمارے لئے مزید تقویت کا موجب ہے کیونکہ تعدد طرق زیادتی قوت کا موجب ہے، بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ سند بھی جید ہو۔

ناظرین کرام نے تھانوی صاحب کی تحقیق کو ہمارے کلام سے ملا کر اندازہ کرلیا ہوگا کہ ان کی تحقیق کہاں تک تحقیق کہلائے جانے کی مستحق ہے؟

آگے چل کر تھانوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں :

" یہ تو مختصر کلام ہے سند میں، باقی رہا متن، سو اولاً معارض ہے دوسری احادیث صحیحہ کے ساتھ، چنانچہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود یہ حدیث ہے " قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغون من اُمتی السلام "، اور یہی حدیث حصن حصین میں بحوالہ مستدرک حاکم وابن حبان بھی مذکور ہے، اور نیز مشکوٰۃ و بیہقی سے بروایت ابوہریرہ حدیث ہے "قال رسول اللہ ﷺ من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیاً ابلغتہ "اور نسائی کی کتاب الجمعہ میں بروایت اوس ابن اوس یہ حدیث مرفوع ہے فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ یہ سب حدیثیں صریح ہیں عدم السماع عن بعید میں ظاہر ہے کہ جلاء الافہام ان کتب کے برابر قوی نہیں ہوسکتی لہٰذا اقوی کو ترجیح ہوگی"۔[1]

اقول : سند میں جو کلام فرمایا تھا، اس کی حقیقت واضح ہو چکی، اَب متن میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا حال بھی ناظرین کرام پر کھل جائے گا۔

---

[1] بوادر النوادر، جلد اوّل، ص ۲۰۵

Marfat.com

دُور سے سننے کی بحث

تھانوی صاحب کے اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جلاء الافہام کی حدیث "بلغنی صوتہٗ حیثُ کانَ" اِن تینوں صحیح حدیثوں کے معارض ہے، جو تھانوی صاحب نے نقل فرمائی ہیں، وجہ یہ ہے کہ جلاء الافہام کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر ایک دُرود پڑھنے والے کے دُرود کی آواز سُن لیتے ہیں، اور ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دُرود جو دُور سے پڑھا جائے، اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے فرشتے پیش کرتے ہیں، فرشتوں کا عرض و ابلاغ عدم سماع میں صریح ہے اور سماع عدم سماع کے معارض ہے، لہٰذا جلاء الافہام کی حدیث ان تینوں صحیح حدیثوں کے معارض قرار پائی، یہ تینوں حدیثیں جن کتابوں میں پائی جاتی ہیں چونکہ جلاء الافہام ان کی برابر قوۃ میں نہیں، لہٰذا ان ہی تینوں حدیثوں کو ترجیح ہوگی جو اقویٰ ہیں، اور جلاء الافہام کی حدیث ساقط الاعتبار ہوگی۔

میں عرض کروں گا کہ نسائی اور دارمی کی حدیث بروایت ابن مسعود "ان اللہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغون عن اُمتی السلام" اور اسی طرح نسائی کی دوسری حدیث بروایت اوس بن اوس فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ملائکہ سیاحین فی الارض حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں، اور اُمت کا دُرود بارگاہِ رسالت میں پیش ہوتا ہے، ملائکہ کے اس "عرض و تبلیغ" کو تھانوی صاحب کا عدم سماع میں صریح قرار دینا یقیناً ظلم صریح ہے، کیونکہ عرض و تبلیغ کا علم اور لا علمی، سماع، یا عدم سماع سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، فیض الباری کی عبارت میں صاف موجود ہے کہ عرض صلوٰۃ علم کے منافی نہیں۔[1]

---

[1] انور شاہ کشمیری، فیض الباری، جلد ۳ ص ۳۰۲

ایک فرشتہ ساری مخلوق کی آوازیں سنتا ہے

''جلاء الافہام'' کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" صلی علی عند قبری وکل اللہ به ملکا یبلغنی"[1] ''جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر دُرود پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے میری قبر انور پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے جو اُس کا دُرود مجھے پہنچا دیتا ہے، اگر تبلیغ ملائکہ عدم سماع میں صریح ہو تو اس حدیث سے لازم آئے گا کہ جو دُرود قبر انور پر پڑھا جاتا ہے حضور ﷺ اُسے بھی نہیں سنتے، جو بالاتفاق باطل ہے، جب یہ فرشتوں کا پہنچانا عدم سماع کے معنی میں نہ ہوا تو تعارض باقی نہ رہا، عدم تعارض کی صورت میں ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، رہی حدیث بیہقی بروایت ابوہریرہ جسے تھانوی صاحب نے مشکوۃ شریف سے نقل فرمایا ہے تو درحقیقت اس مسئلہ میں تھانوی صاحب کے استدلال کی جان یہی ایک حدیث ہے۔

تھانوی صاحب کی پیش کردہ حدیث پر کلام

جس طرح تھانوی صاحب نے ہماری پیش کردہ حدیث کی سند اور متن پر کلام کیا ہے ہمیں بھی حق حاصل ہے کہ تھانوی صاحب کے دعویٰ کی بنیادی حدیث کے متن و اسناد پر ہم بھی کلام کریں، متن حدیث پر ہمارا کلام کتاب ''حیات النبی ﷺ'' کے صفحات پر ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا، اَب اس کی اسناد پر کلام کرتے ہیں۔

تھانوی صاحب نے بیہقی کی اس حدیث کو بروایت ابوہریرہ مشکوٰۃ سے نقل کیا ہے جس میں سند مذکور نہیں ہے، ہم اس حدیث کو خود امام بیہقی کی تصنیف رسالہ ''حیاۃ الانبیاء'' سے مع سند نقل کرتے ہیں اور امام بیہقی نے، نیز ان کے رسالہ حیاۃ الانبیاء کے شارح نے اس کی سند پر جو کلام کیا ہے اسے بھی بلفظہٖ نقل کرتے ہیں :

---

[1] (جلاء الافہام، مطبوعہ مکتبۃ القاہرۃ، ص ۱۴)

Marfat.com

" اخبرنا علي بن محمد بن بشران انبأ ابو جعفر الرازي ثنا عيسي بن عبدالله الطيالسي ثناء العلاء بن عمرو الحنفي ثنا ابو عبد الرحمن عن الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة عن النبي ﷺ قال " من صلي علي عند قبري سمعته ومن صلي علي نائياً منه ابلغته " ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدي فيما أري وفيه نظر "۔[1]

حدیث ابوہریرہ پر امام بیہقی کی جرح

دیکھئے امام بیہقی نے اس حدیث کے راوی کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ میرے نزدیک ابوعبدالرحمن ہی محمد بن مروان سدی ہے اور اس میں نظر ہے "وفیہ نظر" الفاظ جرح میں سے ہے دیکھئے میزان الاعتدلال، جلداول ص ۳ طبع مصر۔

حدیث ابوہریرہ پر شارح حیاۃ الانبیاء کی جرح

اس حدیث کے تحت محمد بن محمد انحانجی البوسنوی شارح حیات الانبیاء فرماتے ہیں:

" حديث ابي هريرة هذا نسبه السيوطي في الخصائص الكبري الي الاصبهاني في الترغيب والترهيب ونسبه في الجامع الصغير الي البيهقي ومحمد بن مروان السدي الصغير ضعيف اتهم بالكذب وقد ذكر الحافظ الذهبي هذا الحديث في ميزان الاعتدال في ترجمة السدي المذكور "۔ [2]

ترجمہ: "ابوہریرہ کی اس حدیث کو سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اصبہانی کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "الترغیب والترہیب" میں اس کی روایت کی ہے،

[1] رسالہ حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱۲ [2] حیاۃ الانبیاء للبیہقی مع شرحہ ص ۱۴

Marfat.com

اور جامع الصغیر میں بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے اور (ابوعبدالرحمن) محمد بن مروان السدی الصغیر ضعیف ہے، متہم بالکذب ہے، اور حافظ ذہبی نے اس حدیث (ابوہریرہ) کو میزان الاعتدال میں اسی سدی مذکور کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے"۔

حدیث ابوہریرہ پر امام ذہبی کی جرح

اَب میزان الاعتدال اصل کتاب کو ملاحظہ فرمائیے، امام ذہبی فرماتے ہیں :

"(محمد بن مروان) السدي الكوفي وهو السدي الصغير عن هشام بن عروة والاعمش تركوه واتهمه بعضهم بالكذب وهو صاحب الكلبي قال البخاري سكتوا عنه وهو مولي الخطابيين لا يكتب حديثه البتة وقال ابن معين ليس بثقة وقال احمد ادركته وقد كبر فتركته العلاء بن عمرو الحنفي حدثنا محمد بن مروان عن الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة مرفوعا من صلي عند قبري سمعته ومن صلي علي نائيا ابلغته" انتهي[1]

ترجمہ: " محمد بن مروان السدی کوفی ہے اور وہ سدی صغیر ہے، وہ ہشام بن عروہ اور اعمش سے روایت کرتا ہے، محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے اور بعض نے اسے متہم بالکذب کہا اور وہ صاحب کلبی ہے۔ بخاری نے کہا "سکتوا عنہ" اور وہ مولائے خطابیین ہے، اس کی حدیث یقیناً نہیں لکھی جاتی اور ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، امام احمد نے کہا میں نے اُسے پایا وہ بوڑھا ہو گیا تھا، میں نے اُسے ترک کر دیا، علاء بن عمرو الحنفی نے کہا ہم سے محمد بن مروان نے حدیث بیان کی اس نے اعمش سے روایت کی، اعمش نے ابوصالح سے، ابوصالح نے ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کی کہ جس نے میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر

[1] میزان الاعتدال۔ جلد ثالث۔ ص ۱۳۲ طبع مصر

Marfat.com

دُرود پڑھا، میں اُسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دُور سے دُرود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے"۔ انتہی

میزان الاعتدال سے علامہ ذہبی کا جو بیان ہم نے نقل کیا، اس سے یہ شبہ بھی دُور ہو گیا کہ امام بیہقی نے فیما اُریٰ فرمایا ہے جو تردد کا مظہر ہے، میں عرض کروں گا کہ اگر فی الواقع یہ محل تردد ہوتا تو امام ذہبی اس کو ظاہر فرما دیتے لیکن انہوں نے اس کے ترجمہ میں بعینہا اُسی روایت کو نقل کر کے اس شبہ کی جڑ کاٹ دی، اور اس حقیقت حال کو بے نقاب کر دیا۔

ہمارے ناظرین نے تھانوی صاحب کی جرح بھی دیکھی، اَب ان کی پیش کردہ روایت پر ہماری جرح بھی ملاحظہ فرمائیں، ہماری پیش کردہ حدیث کی سند میں کسی راوی کو تھانوی صاحب متہم بالکذب ثابت نہیں کر سکے، مگر ان کی پیش کردہ حدیث کی سند میں محمد بن مروان کو ہم نے متہم بالکذب ثابت کر دیا، اگرچہ جرح رواۃ کے باب میں صحت روایت کا معیار اپنے مسلک کی روشنی میں ہم نے یہاں بیان نہیں کیا، لیکن تھانوی صاحب کے پیش کردہ معیار پر تو یقیناً محل گفتگو باقی نہیں رہا، اور یہ بات صاف ہو گئی کہ تھانوی صاحب نے سمعتہ کا ابلغتہ سے تقابل کر کے ابو ہریرہ کی جس حدیث کو عدم سماع میں صریح قرار دیا تھا، وہ حدیث صحیح نہیں اور اس کی صحت پر انہوں نے اپنے احتمالات اور تاویلات کی جتنی عمارت قائم کی تھی وہ سب منہدم ہو کر رہ گئی۔

اس کے بعد جناب تھانوی صاحب نے ثانیاً کی بجائے ثالثاً فرما کر بلغنی صوتہ کو محتمل تاویل قرار دیا ہے اور صوتہ کی تاویل صلوٰۃ کے ساتھ فرمائی ہے، اور اس احتمال تاویل کی دلیل ان ہی احادیث منقولہ بالا کو قرار دیا ہے، لیکن ناظرین کرام نے سمجھ لیا ہو گا کہ احادیث منقولہ بالا احتمال تاویل کی دلیل اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ تبلیغ و عرض ملائکہ عدم سماع پر مبنی ہو، حالانکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ عرض و تبلیغ لاعلمی کو مستلزم نہیں، حضور ﷺ قبر انور کا دُرود سماع فرماتے ہیں اور ملائکہ اس کی تبلیغ بھی بارگاہِ رسالت میں کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ

Marfat.com

فرشتوں کا دُرود و سلام بارگاہِ اقدس میں پہنچانا یا پیش کرنا علم و سماع کے منافی نہیں، جب یہ منافات ختم ہوگئی تو ان احادیث کا احتمال تاویل کے لئے دلیل قرار پانا بھی ختم ہوگیا، جب دلیل نہ رہی تو احتمال تاویل خود باطل ہوگیا، ایسی صورت میں بلغنی صوتہ کو بلغنی صلوٰۃ کے ساتھ موؤل کرنا قطعاً باطل قرار پایا۔

جواب لکھنے کے بعد تھانوی صاحب اس حدیث کا ایک اور جواب تحریر فرماتے ہیں :

''بعد تحریر جواب ہذا بلا توسط فکر قلب پر وارد ہوا کہ اصل حدیث میں صوتہ نہیں ہے، بلکہ صلوٰۃ ہے، کاتب کی غلطی سے لام رہ گیا ہے'' الخ

اقول : یہ جواب واقعی بہترین جواب ہے، کیونکہ اس پر کسی قسم کا نقض منع یا معارضہ وارد نہیں ہوسکتا، الہامات کا جواب الہام ہی سے ہوسکتا ہے، ہمیں اَب تک اس باب میں کوئی الہام نہیں ہوا۔ مگر تھانوی صاحب کے جواب کی داد دیئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے، کہ جب کسی بات کا جواب نہ ہوسکے تو اُسے کاتب کی غلطی قرار دے کر اپنے الہام کو اس کی دلیل میں پیش کر دیا جائے۔ [1]

---

[1] ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۶۲ء

Marfat.com

حرمتِ تکفیرِ مسلم

ڈاکٹر عمیر محمود صدیقی

شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ کراچی

ورلڈ ویو پبلشرز

خانقاہوں میں پنپتی رافضیت و تفضیلیت کا تحقیقی جائزہ

بوارق العذاب لاعداء الاصحاب

۱۴ ھ ۵۳

تنقیص صحابہ رضی اللہ عنہم کا علمی تعاقب

مصنف

سید شاہ مصباح الحسن چشتی پھپھوندی

ورلڈ ویو پبلشرز

تحقیق الاصابیر فی

سماع المزامیر

(اردو ترجمہ)

ساز کے ساتھ مجلس سماع کی لاجواب تحقیق

تالیف

فخر العارفین حضرت علامہ سید شاہ عبدالحئی

قادری منعمی ابوالعلائی، اسلام آبادی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲۷۶ - ۱۳۳۹ھ)

ورلڈ ویو پبلشرز

مجلسِ میلادِ مصطفیٰ

تحقیق، تقدیم و ترتیب

نوشاد عالم چشتی (علیگ)

تخریج و ترجمہ

ارشاد عالم نعمانی

ورلڈ ویو پبلشرز

Marfat.com

آثار مطبوعہ "ورلڈ ویو پبلشرز"

۱	سیف الجبار	علامہ شاہ فضل رسول قادری بدایونی
۲	فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول	نظام الدین رضوی برکاتی
۳	حرمت تکفیر مسلم	ڈاکٹر عمیر محمود صدیقی
۴	حضرت مجدد اور انکے ناقدین	حضرت شاہ ابوالحسن زید مجددی
5	تفہیم استشراق	ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی
۶	مجلس میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	بحرالعلوم علامہ شاہ محمد گل خاں
۷	تحقیق الاضابیر فی سماع المزامیر	فخرالعارفین سید شاہ عبدالحئی
۸	علمائے فرنگی محل (احوال وآثار)	(مترجم) ڈاکٹر خوشتر نورانی
۹	تنقیص صحابہ کا علمی تعاقب	سید مصباح الحسن شاہ چشتی پھپھوندوی
۱۰	ایک زمانہ ایسا آئے گا	علامہ مفتی محمد احسن اویسی
۱۱	سچے مرید کے اوصاف (مترجم)	علامہ عبدالوہاب شعرانی
۱۲	تحریک ختم نبوت 1974ء	محمد ثاقب رضا قادری
۱۳	غلام معین الدین نعیمی (حیات وخدمات)	محمد ثاقب رضا قادری
۱۴	غازیان ناموس رسالت	محمد ثاقب رضا قادری
۱۵	قادیانیت (ایک تنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر غلام زرقانی قادری
۱۶	سید سلیمان اشرف بہاری اور دو قومی نظریہ	محمد احمد ترازی
۱۷	سرور القلوب فی ذکر المحبوب (جدید کمپیوٹرائز)	رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خاں
۱۸	تذکرہ علمائے ہندوستان (زیر طبع) (مولانا سید محمد حسین بدایونی) (تحقیق: ڈاکٹر خوشتر نورانی)	

Marfat.com

مشکل و پیچیدہ احادیث طیبہ کی تشریح پر مشتمل کتاب

مشکلات الحدیث

شارح

غزالی زماں

علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

ابو کلیم محمد صدیق فانی

تحقیق و تخریج

خلیل احمد رانا

ورلڈ ویو پبلشرز

Marfat.com